۲-۰۶

ترکی اور خلافت عظمیٰ عثمانیہ کے متعلق چند مفید کتابیں

بیست سالہ عہد حکومت اعلیحضرت خلیفۃ المومنین سلطان عبدالحمید خان ثانی شہنشاہ روم۔ بست
انگلستان کی ایک شاہزادی نے قسطنطنیہ میں مدت تک رہ کر اپنے ذاتی تجربہ اور چشم دید واقعات کی بنا پر سلطان المعظم کی حکومت
کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی۔ مولوی محمد انشاء اللہ نے اس کتاب کا اردو ترجمہ پہلی دفعہ مطبع خادم التعلیم پیسہ اخبار میں چھپوایا
تھا جو عام پسند ہونیکی وجہ سے ایک ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا اور ملک کے مشہور اور قابل آدمیوں نے اپنی قیمتی رائیں لکھ کر نہایت
تعریف کی۔ پہلی اڈیشن میں صرف ۲۳ سال کے واقعات تھے لیکن اس دوسری اڈیشن میں اس سے بعد کے سات سال کے آج تک کے
حالات بھی بڑی وضاحت اور عمدگی سے درج کر دیئے گئے ہیں۔ حسب موقع نہایت خوبصورت اور صاف تصویریں اضافہ کی گئی ہیں
اس طرح یہ ۵۰ صفحے زیادہ ہو گئے ہیں چھپائی نہایت عمدہ اور کاغذ نفیس ہے۔ باایں ہمہ قیمت وہی ہے جو پہلی تھی یعنی صرف عگ
دفتر پیسہ اخبار سے جس کتاب کا اشتہار دیا جاتا ہے وہ اسی پہلی اڈیشن کی نقل ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا

مفروضہ مظالم آرمینیا۔ یہہ کتاب بھی مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار انعام آباد کی تالیف ہے۔ اسمیں عالی دماغ
اور فاضل مولف نے معاملات متعلقہ ترکی اور مسئلہ آرمینیا کے مختلف پہلوؤں پر مدلل شائستہ و براہین بابت بحث کی ہے
تمام اصحاب نے جنہوں نے اس کتاب کے مضامین کو پڑھا ہے نہایت فراخدلی سے ان کو جامع اور بسیط ہونیکی تعریف کی ہے۔ اردو
زبان میں ایسی جامع کتاب جو روم کے متعلق حالات سے کامل آگاہی دیسکے اب تک تالیف نہیں ہوئی عہدنامہ برلن عہدنامہ سین سٹیفنو
خانوخطوط نپولین بوناپارٹ تقریر گلیڈسٹون وغیرہ کے علاوہ آرمینیا کا نقشہ بھی شامل کر دیا ہے۔ ہر انصاف پسند کو
علی العموم اور مسلمانوں کو علی الخصوص یہہ کتاب ضرور دیکھنی چاہئے۔ قیمت عہ

واقعات روم۔ یہہ کتاب ایک ایماندار امریکن انگریز کی تصنیف ہے جس کو مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار
انعام آباد نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مجملاً تمام وہ ترقیاں درج ہیں جو موجودہ سلطان کے عہد میں ہوئی ہیں
اس میں لائق مصنف نے کوئی صیغہ بغیر ذکر نہیں چھوڑا ریلوے کی حال سے شروع کیا ہے۔ اور تمامی ضروری محکموں کی کیفیت نہایت
وضاحت سے سمجھائی ہے۔ اس میں فاضل مترجم کے نوٹ اصل کتاب کے لطف کو دوبالا کر دیتے ہیں اس کتاب کو دیکھنے
کے وقت غور سے پڑھنے والا ایسا محو ہو جاتا ہے کہ وہ خود ترکی میں بیٹھا ہوا ہر صیغہ و محکمہ کی پڑتال کر رہا ہے۔ اس کتاب کو بعد مفروضہ
مظالم آرمینیا کے دیکھنے کے بعد روم کے متعلق بہت ہی کم معلوم کرنا رہ جاتا ہے جو انہیں خود جا کر دیکھنے سے متعلق ہے قیمت ۱۲؍

ترکی کی موجودہ حالت اور اوسکی باجگذار ریاستیں۔ مرتبہ مولوی محمد انشاء اللہ۔ سویز، ٹیونس، بلغاریا، بوسنیا

قسطنطنیہ حصّہ دوم جزو اوّل

دیباچہ

قسطنطنیہ کی بنیاد پڑنے کی وجہ

(۱) سلطنت رومتہ الکبریٰ میں آئے دن کی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں سے جب سخت ابتری پھیل گئی۔ فوجیں دن بدن کمزور ہوتی چلی گئیں۔ اور سرحدی لوگ انکی کمزوری سے فایدہ اُٹھا کر زور پکڑتے گئے اور امرا اور سینیٹ کے عیش و عشرت میں پڑ جانے سے تمام ملکی کاروبار فوج کے ہاتھوں طے ہونے لگے تو رفتہ رفتہ فوج کو سلطنت کے اندرونی معاملات میں یہاں تک دسترس ہوگئی۔ کہ کوئی بادشاہ جسکو سینیٹ نے تخت نشین کیا ہو تخت و ملک کا سچا حقدار نہ سمجھا جاتا تھا۔ جب تک کہ فوج اُسے منظور نہ کرتی۔ فوج جس بادشاہ کو چاہتی تخت نشین کرتی اور جسے چاہتی معزول کر دیتی۔ آخر نوبت بایجا رسید کہ سینیٹ کے انتخاب کردہ بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل او معزول ہونے لگے اور فوج کے جرنیل اور سپہ سالار فوج کی رائے اور انتخاب سے بادشاہ بنائے جانے لگے جنہیں (اگر وہ فوج کی خلاف مرضی کوئی کام کرتے) فوج قتل کر دیتی اور اُسکی جگہ نیا سپہ سالار بادشاہ منتخب کیا جاتا۔

(۲) انہیں دنوں میں ڈائیوکلیشین جسکی والدین کہا جاتا ہے روم میں غلام تھے اپنی اعلیٰ قابلیتوں اور لیاقتوں کی وجہ سے فوج کا سپہ سالار ہوگیا۔ اور فوج نے اسے اپنا بادشاہ منتخب کیا اور یہہ فوج کی مدد سے روم کے تخت پر متمکن ہوا۔ یہہ بادشاہ عقلمند و دوراندیش تھا۔ اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ کس طرح

روم کے پہلے بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل اور معزول کئے گئے ہیں اور کس طرح فوج کی طاقت اور زور بڑھ گیا ہے۔ پس اُس نے ارادہ کر لیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے فوج کے اس زور کو توڑنا چاہیے اور اُس کو بخوبی بادشاہ کی تحت میں لانا چاہیے۔ اس ارادے کو سرانجام تک پہونچانے کیلئے اُس نے سلطنت کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔

ا۔ تھریس۔ مصر اور ایشیا پر وہ خود حکمران ہوا۔

ب۔ اٹلی اور افریقہ میکسی میئن[1] کے سپرد ہوئے۔

ج۔ فرانس ہسپانیہ اور برطانیہ قسطنطیس کے ماتحت کئے گئے۔

د۔ صوبجات ملحقہ دریائے ڈینیوب پر گلیریس حکمران کیا گیا۔

اس طرح سے فوج کی طاقت بالکل زائل ہو گئی۔ کیونکہ اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کی فوج بغاوت کرتی یا باغی ہو جاتی تو دیگر تینوں اُسکی سرکوبی کر دیتے۔ دوم فوجیوں نے یہہ خیال کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو قتل کرنا محض فضول ہے کیونکہ دوسرے تینوں اُسکی سرکوبی کر دینگے اور اسلئے اُنہوں نے اپنے حاکم کو قتل کرنا یا معزول کرنا بے حصول سمجھا۔ اور بالآخر زیر ہو گئیں اور بادشاہ کا سکہ اُنکے دلوں میں بیٹھ گیا۔

(۳) سینیٹ کا زور بالکل ٹوٹ گیا اور آیندہ کیلئے روم دُنیا کا پایہ تخت نہ رہا۔ بلکہ ان چاروں نے وہ وہ مقام رہنے کو پسند کئے۔ جہاں سے وہ سرحدی لوگوں کی سرکوبی کر سکیں اور سلطنت کو بیرونی حملوں سے بچا سکیں۔ بادشاہوں کی شان شوکت حد سے بڑھ گئی۔ اور وہ فوج میں بہت کم آنے جانے لگے۔ وہ بڑے سے بڑے قیمتی لباس زیب تن کرتے اور کروڑوں روپے اُنکی تیاری پر صرف کر دیتے۔ ان کے شان و شوکت کو دیکھ کر فوج اُنہیں انسان کی ایک اعلیٰ قسم خیال کرنے لگی اور اُن سے خوف کھانے لگی۔

(۴) ڈایوکلیشین نے ۳۰۵ء میں تخت و تاج چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ لیکن نو سالوں کے بعد اُسے اپنے گوشے سے باہر نکلنا پڑا کیونکہ اوگسٹو اور قیصروں میں خانہ جنگی ہو پڑی جو ۳۲۴ء میں ختم ہوئی اور فلیوس ولیریس کانسٹن ٹائین یا قسطنطین اعظم تمام دُنیا کا مالک ہو گیا۔ قسطنطین اعظم قسطنطیس قیصر کا بیٹا تھا اور اپنے باپ کی وفات پر ۳۰۶ء میں برطانیہ کا قیصر ہوا۔ وہ بڑا بہادر اور دانا تھا۔ ۳۱۴ء کی خانہ جنگی میں وہ دوسرے آگسٹس اور قیصر پر غالب آیا۔ اور ۳۲۳ء میں تمام رومن دُنیا کا خود مختار حکمران ہو گیا۔

[1] ڈایوکلیشین اور میکسی میئن۔ اوگسٹس کہلانے لگے۔ اور قسطنطیس اور گلیریس قیصر کے لقب سے ملقب ہوئے۔ مترجم

دین عیسوی کی اشاعت

اس ابتری اور خانہ جنگیوں کے دوران میں دین عیسوی رومن سلطنت میں آہستہ آہستہ پھیلتا گیا۔ گرجوں اور معبدوں کی تعداد ہر ایک شہر میں دن بدن بڑہتی گئی۔ گو روم کے شہنشاہ عیسائیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بہت سے قیصر نیرو[1] کے ہاتھوں قتل بھی کئے گئے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً دین عیسوی کی اشاعت جبراً بند بھی کردیجاتی تھی۔ کیونکہ وہ یہہ خیال کرتے تھے کہ عیسائی لوگوں کو نافرمانبرداری اور فتنہ پردازی سکھلاتے ہیں۔ اور یہہ کہ عیسائی فرمانبردار رعایا نہیں ہوتے عیسائی لاکھوں اور ہزاروں کی تعداد میں ٹراجان[2]۔ ڈیسی اکیس[3] اور ولیرین[4] کے ہاتھوں قتل کئے گئے تاہم وہ اپنے استقلال کی بدولت دن بدن بڑہتے گئے اور قسطنطین اعظم کے زمانے میں اُنھوں نے یہانتک زور پکڑا کہ قسطنطین کو انکی بغاوت اور فساد کے خوف سے مجبوراً عیسوی مذہب اختیار کرنا پڑا اور ساتھہ ہی اُس نے سلطنت کا مذہب عیسوی کردیا۔

(۵) قسطنطین اعظم نے معلوم کرلیا کہ نئے مذہب کے خیالات اور عیسوی مذہب کو قوم میں پھیلا کر رائج کرنا قریباً ناممکن ہے جبتک اپنے پرانے خیالات اور پرانے مذہب پر ثابت قدم رہینگے۔ اور صدیوں کی تیار شدہ بنیاد کا دنوں اور ہفتوں میں توڑنا ناممکن ہے۔ اسلئے اور نیز چونکہ قسطنطین ایشیائی بادشاہوں کی طرز پر رہنا چاہتا تھا اور یہہ بات اسی خاص قوم میں نصیب نہیں ہوسکتی تھی۔ اُس نے ایک مقام جو ایشیا اور یورپ کے نزدیک ہوا اپنی رہائش کیلئے پسند کیا اور وہاں ایک نئے روم کی بنیاد ڈالی جو اُسکے نام پر قسطنطنیہ کے نام سے موسوم ہوا اور عیسوی مذہب کا مرکز قرار پایا۔

توضیح بعد البیان

قسطنطنیہ کی بنیاد پڑنے کی وجہ مختصر طور پر ذکر ہو چکی ہیں لیکن اسکا مزید بیان کردینا بعید از دلچسپی نہ ہوگا۔ وہ امورات جن پر اب خامہ فرسائی کیجائیگی مندرجہ ذیل ہیں:۔

---

[1] اسکا پورا نام لوسی اس ڈومی ٹیئس نیرو ہے ۳۷ء میں پیدا ہوا ۶۸ء میں فوت ہوا۔ یہہ شخص اس درجہ کا سفاک اور ظالم تھا کہ چنگیز خاں کو بھی اُسکا ثانی نہیں کہہ سکتے۔ اُسنے ایک مرتبہ آدمیوں پر [illegible] کو جلوا دیا تھا کہ انسانوں کو اپنی آنکھہ سے زندہ جلتا ہوا دیکھے۔

[2] مارکس الپی ایس ٹراجانوس ڈومن قیصر ۵۲ء میں پیدا ۱۱۷ء میں فوت ہوا۔

[3] یہہ ۲۴۹ء میں قیصر ہوا اور پچاس برس کی عمر میں وحشی قوم گوتھ کے ساتھہ لڑائی کرتا ہوا جنگ میں قتل ہوا گبن اسکی بہت تعریف کرتا ہے۔

[4] پبلیس لوسی نی اس ولیریانس رومی قیصر سنہ پیدائش غیر محقق سنہ وفات ۲۶۰ء

(۱) بائی زنٹیم کی جائے وقوع۔ جب قسطنطین لسی نی اس سے جنگ ختم کر چکا تو اُس نے اپنی حکمت و تدبیر کی بھی ویسی ہی شہرت چاہی جیسی کہ اُسے فن سپاہگری میں حاصل ہو چکی تھی۔ اُس نے خیال کیا کہ بائی زنٹیم کی جائے وقوع قدرتی طور سے محفوظ ہے۔ اور وہاں کسی دشمن کے حملہ کا خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اور نیز وہ تجارتی آمد و رفت کے فوائد کیلئے بڑی کارآمد ہے قسطنطین کے زمانہ سے بہت پہلے ایک پرانے مؤرخ نے اس جائے وقوع کے فوائد بیان کئے ہیں (یہ زیر زرد عبارت ہیں)۔ جہاں سے ایک کمزور یونانیوں کی نوآبادی سمندر کی مالک ہو گئی اور اُس نے اس ایک آزاد جمہوری ریاست کی مستحکم بنا ڈال دی۔

۲ قسطنطنیہ کی قطع وضع۔ بائی زنٹیم جس کا مبارک نام قسطنطنیہ ہے ایک مثلث کی شکل میں ہے۔ اس کا ایک ضلع مشرق اور ایشیا کے کناروں کی طرف بڑھتا چلا گیا ہے اور اس ضلع سے نہر تھیں باسفرس کی لہریں ٹکراتی ہیں۔ شہر کی شمالی جانب بندرگاہ سے گھری ہوئی ہے اور جنوبی جانب پر بحیرہ مارمورا واقع ہے لیکن اُسکی گرد و نواح کی زمین اور پانی کی قابل تعریف قدرتی ہیئت اور تقسیم واضح بیان کے بغیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔

(۳) باسفرس۔ وہ پیچدار آبنائے جسمیں بحیرہ اسود کا پانی بڑی عجلت سے بہ کر بحیرہ روم میں گرتا ہے باسفرس کے نام سے نامزد ہے۔ اسکی ڈھلوان اور پُر از سبزہ زار کناروں پر بہت سے مندر اور معبد بنے ہوئے تھے جن سے یونانی ملاحوں کی تباہی خطرات اور بے ہنری کی شہادت ملتی ہے۔ ان لوگوں نے ارگونات[۱] والوں کی پیروی کر کے بحیرہ اسود کے خطروں کو معلوم کرنیکے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالدی تھی۔ روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ اسکے کناروں پر فاینوز کا محل جسمیں محبوب پریاں بھری پڑی تھیں بنا ہوا تھا۔ اور یہیں ایمی کس جس نے سیس ٹس کی لڑائی میں لیڈا کے بیٹے کو پچھاڑا تھا حکومت کرتا تھا۔ آبنائے باسفرس کے اختتام پر سینیس گھاٹیاں آباد ہیں۔ ان گھاٹیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سطح آب پر تیرا کرتی تھیں انکو لوگوں کی تعجب بھری آنکھ سے بچانیکے لئے دیوتاؤں نے بحیرہ اسود کے راستہ کی حفاظت کے لئے انہیں ٹھہرا دیا۔ سینیس گھاٹیوں سے لیکر بائی زنٹیم کے بندرگاہ تک باسفرس کا پیچیدہ راستہ قریباً سولہ میل لمبا ہے اور اسکی زیادہ سے زیادہ چوڑائی ½ ۱ میل ہے۔ یورپ اور ایشیا کے نئے قلعے سکریپس اور جیوپیٹر یوری اس کے مشہور مندروں کی بنیادوں پر بنے ہوئے ہیں۔ یونانی شہنشاہوں کے بنائے قلعے

[۱] یونان کے جزیرہ تماموریا کے شہر ارگوس کے رہنے والے۔ [۲] یونانی قدیم افسانوں کا ایک دیوتا۔

[۳] یونانی میتھالوجی کی ایک خوبصورت شہزادی جس پر دیوتا مشتری اسکو غسل کرتے دیکھ کر عاشق ہو گیا اور ہنس کی شکل میں اسکو ذار ا۔ اور لیڈا کے دیوتا سے دو بیٹے ہوئے۔

آبنائے کے اس تنگ مقام پر بنے ہوئے تھے جہاں سے بالمقابل کناروں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پانچسو قدم ہے۔ محمد ثانی نے جب قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو ان قلعوں کو گروا دیا اور انکی جگہ زیادہ مضبوط قلعے بنائے۔ لیکن ترکی فاتح کو غالبًا اس امر کی خبر نہ تھی کہ اسکی سلطنت سے دو ہزار سال پیشتر دارا نے بھی دو براعظموں کو کشتیوں کے پل سے باہم ملا دینے کیلئے یہی مقام پسند کیا تھا۔ پرانے قلعوں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر کرسوپولیس یا سقوطری[1] کا شہر آباد ہے جسے قسطنطنیہ کا ایشیائی حصہ خیال کرنا چاہئے۔ باسفرس جب پروپونٹس سے ملنے لگتی ہے تو بائی زنٹیم اور کلسیڈان کے درمیان سے گذرتی ہے۔ کلسیڈان کو یونانیوں نے بائی زنٹیم سے چند سال پیشتر آباد کیا تھا اور اسکے بانیوں کے اندھے پن پر جنہوں نے ساحل مقابل کے فواید کو نظر انداز کر دیا تھا۔ عام نفرت ظاہر کیجاتی ہے۔

۴۔ بندرگاہ قسطنطنیہ کا لنگر گاہ جسے باسفرس کا بازو سمجھنا چاہئے قدیم زمانے سے شاخ زریں کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا خم کسی قدر بارہ سنگا کے سینگ سے مشابہ ہے لیکن زیادہ تر بیل کے سینگ سے مشابہت رکھتا ہے۔ زریں کا لقب ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ ہوا دور دراز ملکوں سے قسطنطنیہ کے وسیع اور محفوظ بندرگاہ میں کیا کیا دولتیں لاتی تھی۔ دریائے لائکیس جو دو ندیوں کے ملنے سے بنتا ہے بندرگاہ میں تازہ پانی متواتر ڈالتا رہتا ہے جس سے تہ صاف ہو جاتی ہے اور مچھلیاں اس ایام دہ مقام میں جمع رہتی ہیں۔ کیونکہ لہریں ان سمندروں میں اکثر بے حس و ساکن رہتی ہیں۔ بندرگاہ کی گہرائی اس قدر ہے کہ جہاز اسباب کو کشتیوں کے بغیر ہی لنگر گاہ میں اتار سکتے ہیں۔ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض بعض مقامات پر بڑے بڑے جہاز مکانوں کی دیواروں تک آ سکتے ہیں۔ دہانہ لائکیس سے لیکر دہانہ لنگر گاہ تک باسفرس کا یہ بازو سات میل لمبا ہے۔ داخل ہونیکا رستہ پانچسو گز چوڑا ہے اور اکثر اوقات بندرگاہ اور شہر کو دشمن کے بحری حملے سے بچانے کیلئے ایک مضبوط زنجیر اسکے آر پار ڈال دی جاتی تھی۔

۵۔ پروپانٹس۔ باسفرس اور ہلیس پانٹ کے درمیان اور ایشیا اور یورپ کے کناروں کے مابین بحیرہ مرمورہ جو زمانہ قدیم میں پروپانٹس کے لقب سے ملقب تھا واقع ہے۔ باسفرس کے دہانہ سے لیکر ہلیس پانٹ کے آغاز تک جہازرانی کا رستہ قریبًا ایک سو بیس میل لمبا ہے۔ ان جہازوں کے سوار جو بحیرہ مارمورا کے وسط سے مغرب کی جانب چلتے ہیں۔ تھریس[2] اور بی تھنیا[3] کی سطح آب سے بلند قطعات زمین اور کوہ اولمپس[4] بلند

[1] ترک اسے اسکودار کہتے ہیں۔

[2] یوروپین ٹرکی کا صوبہ واقع بر لب بحیرہ مارمورہ [3] ایشیائی کوچک کا صوبہ واقع بر لب بحیرہ مذکور۔

چوٹیوں کو جو ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں دیکھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اُنکی دائیں جانب ایک گہری
خلیج پڑیگی جسکے سرے پر ڈائیوکلیشین کی شاہی رہائش گاہ شہر نکومیڈیا آباد تھا۔ اور گالی پولی ہیں جہانکہ سمندر
جو ایشیا اور یورپ کو علیحدہ کرتا ہے پھر ایک تنگ آبنائے سی ہوجاتا ہے لنگر زن ہونے سے پیشتر سنری کس
اور ریو کوئی سس کے چھوٹے چھوٹے جزیرے اُنکے رستے میں پڑینگے۔

۶۔ ہلیس پانٹ جغرافیہ دان جنہوں نے نہایت ہوشیاری سے تحقیق کی ہے بیان کرتے ہیں کہ ہلیس پانٹ
کا پیچدار راستہ ساٹھ میل لمبا ہے اور اس آبنائے کی معمولی چوڑائی قریبًا تین میل ہے۔ لیکن آبنائے کا نہایت
ہی تنگ رستہ پرانے ترکی قلعوں کے شمال کی طرف سیسٹس اور ابی دس شہروں کے درمیان پایا جاتا ہے
یہہ وہی مقام ہے جہاں بہادر لی اینڈر نے اپنی معشوقہ کو ہاتھ میں لانیکی خاطر دریا کی بلا خیز موجوں کا مقابلہ کیا تھا
اور یہی وہ مقام ہے جہاں خسرو نے بالمقابل کناروں کے درمیان جو پانچسو قدم کے فاصلہ پر ہیں اپنی ستر لاکھہ
فوج کو یورپ میں داخل کرنیکے لئے کشتیوں کا پل بنوایا تھا۔ جو سمندر اس حد تک تنگ ہو اسے فراخ
نہیں کہہ سکتے جیسا کہ ہومر اور آرفیوز نے ہلیس پانٹ کو فراخ بیان کیا ہے لیکن بڑائی اور چھوٹائی نسبتًا قیاس
کیجاتی ہے۔ وہ مسافر اور خاصکر شاعر جو کہ ہلیس پانٹ میں سے گذرتے ہیں اُسکے پیچدار رستوں کے خیال
اور اس قدرتی دہقانی نظارہ کے جو دونوں طرف برابر برابر چلا گیا ہے دیکھنے میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ اُنہیں
یہاں تک خبر نہیں ہوتی کہ وہ سمندر میں ہیں اور اُنکا خیال ہے مشہور آبنائے کو ایک سلسلہ تند اور تیز رفتار دریا
قیاس کیا ہے۔ جو کہ درخت دار اور اندرونی ملک سے بہکر آخرش ایک فراخ دہانہ کی راہ ایجین یا آرکی پلیگو[1]
میں جا گرتا ہے۔ قدیم شہر ٹرائے سے جو کوہ ایڈا کی ایک چوٹی پر واقع تھا ہلیس پانٹ کا دہانہ جس میں سیمو اس
اور سکامندر کی دائمی اور ابدی ندیاں گرتی ہیں بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ یونانی فوج محافظ کا لشکر گاہ سیجین سے
لیکر ریٹین کی پہاڑی تک کنارہ کے ساتھ ساتھ بارہ میل میں پھیلا ہوتا تھا۔ بائی زنٹیم کے موقع کے پسند
آنے سے پیشتر قسطنطین نے اُس وسیع میدان کو جو قدیم ٹرائے کے پاس ریٹین پہاڑی اور ایجکس کی قبر
کی طرف واقع ہے اپنے نئے دار السلطنت کیلئے پسند کیا تھا۔ اور تعمیر کا کام بھی شروع ہوگیا تھا مگر اُسے جلد
ہی ترک کر دیا گیا۔ تاہم نامکمل دیواروں اور برجوں کے شاہانہ نقش ان لوگوں کی توجہ کو جو ہلیس پانٹ کی آبناؤں سے
گذرتے تھے مدتوں تک اپنی طرف کھینچتے رہے۔

---

[1] بحیرہ مجمع الجزائر۔

۷۔ فوائد قسطنطنیہ۔ قسطنطنیہ قدرتاً ایک ایسی مقام پر واقعہ ہے کہ اُس کیلئے ایک بڑی سلطنت کا دار الخلافہ یا مرکز ہونا ضروری ہے اُسکی جائے وقوع سے بڑے بڑے فوائد ملحق ہیں۔ یہہ شاہی شہر سات پہاڑیوں پر بنا ہوا ہے۔ یہاں کی آب ہوا خوشگوار و معتدل ہے۔ زمین سرسبز اور بندرگاہ محفوظ اور وسیع ہے خشکی کے رستہ اُسکی طرف بڑہنا بہت مشکل اور اُسکی حفاظت بہت آسان تہی۔ باسفرس اور ہلیس پانٹ قسطنطنیہ کے دو دروازے خیال کرنے چاہئیں۔ یہاں کے بادشاہ ہمیشہ اُنکو دشمن کے جنگی بیڑہ جہازات کے برخلاف بند کر دیتے اور تجارتی جہازوں کی آمد و رفت کیلئے کھلا رکہا کرتے تہے قسطنطین کی یہہ پالیسی تہی کہ مشرقی صوبجات کو محفوظ رکہے چنانچہ یوکسائین کے باشندے جو زمانہ گذشتہ میں بحیرہ روم میں اپنی فوجیں لے آتے تہے لوٹ مار سے باز آگئے اور ناقابل فتح حد پر حملہ کرنیمیں مایوس ہوگئے۔ جب باسفرس اور ہلیس پانٹ کے دروازے بند کر دئیے جاتے تہے تو دار الخلافہ کے وسیع احاطہ میں ہر ایک پیداوار مہیا ہوتی تہی اور وہ اُسکی بیشمار باشندوں کی ضروریات اور سامان عیش کیلئے کفایت کرتی تہی۔ تہریس اور بی تھنیا کے سواحل بحر گو بد نسقی سے بہت کچھہ برباد ہوگئے ہیں۔ تاہم ابہی تک وہاں انگورستان۔ باغیچے اور فصلیں بہت اچھی حالت میں دیکہی جاتی ہیں۔ اور مشہور ہے کہ پروپانٹس میں اس کثرت سے مچھلیاں موجود ہیں کہ اُن کو موسم بہار میں بغیر کسی مشکل یا محنت کے پکڑ سکتے ہیں اور پھر بہی اُنکا ذخیرہ ختم نہیں ہوتا۔ لیکن جبکہ تجارت کا رستہ کھولدیا جاتا ہے قسطنطنیہ پہر یوکسائین اور بحیرہ روم کے جنوب اور مشرق کی قدرتی اور مصنوعی دولتوں سے مالامال ہو جاتا تہا اور وہ ذخائر وغیرہ جو جرمنی اور سیدیا کے جنگلوں میں ٹمینی آس اور بورس تھنیز کی منبعوں تک سے اکٹھے کئے جاتے تہے۔ جو کچھہ یورپ اور ایشیا کے کاریگر تیار کرتے تہے مصر کا غلہ اور دور دراز ہندوستان کے جواہر موتی قسطنطنیہ کے بندرگاہ میں جسنے کئی زمانوں تک قدیم دنیا کی تجارت کو اپنی طرف کھینچ رکہا تہا لائے جاتے تہے۔

۸۔ شہر کی بنا خوبصورتی مضبوطی اور دولت کا ایک مقام پر جمع ہونا قسطنطین کی پسند کی کافی تصدیق ہے۔ ہر ایک زمانہ میں رواج چلا آیا ہے کہ جب کسی بڑے شہر یا قصبہ کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ تو اُسکے بارے میں بہت سے قصے اور کہانیاں بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح قسطنطین نے قسطنطنیہ کی بنیاد ڈالتے وقت یہہ اظہار کیا کہ مجھے اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اسلئے خدا کے احکام کی فرمانبرداری میں میں اس شہر کی ہمیشہ تک قائم رہنیوالی بنیاد ڈالتا ہوں۔ لیکن اُس نے یہہ کبھی بیان نہیں کیا تہا۔

کہ اُسے الہام کس طریقہ سے ہوتا ہے۔ اس امر میں خاموشی اختیار کرنے سے مورخین یہہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسکو الہام نہ ہوا کرتا تہا۔ بلکہ جب وہ بائی زنطیم کی دیواروں کے اندر سویا کرتا تہا تو اُسکو وہم خوابوں میں اُسکی خیالات کی مجسم تصویر اُسکے روبرو پیش کر دیا کرتے تہے۔ خواب میں وہ کیا دیکہتا ہے کہ پیرانہ سالی اور بیماری کے بوجہہ سے دبی ہوئی معزز بوڑہی عورت جو شہر کی نگہدار چیلی تہی دفعتہً ایک نوجوان دوشیزہ نازنین کی شکل میں بدل آئی ہے جس کو خود اُس نے اپنی ہاتہوں سے تمام شاہانہ عظمت کے نشانوں کے ساتہہ ہار سنگار کیا ہے۔ یہہ دیکہہ کر وہ چونک پڑا اور یہہ خواب اوروں کو سُنایا اور بغیر کسی تاخیر کے خدا کی مرضی کی تعمیل کی۔ رومنز میں یہہ رسم مدتوں سے چلی آتی تہی کہ جب کسی نئے شہر یا نو آبادی کی بنیاد ڈالی جاتی تو وہ بڑی خوشی مناتے اور جلسے کرتے۔ گو قسطنطین عام لوگوں کی رسموں کے ادا کرنیکا زیادہ خواہشمند نہ تہا۔ لیکن پہر بہی اُس نے عوام کے دلوں پر اپنا کچہہ اثر جمانے کیلئے چند رسومات کو بڑی دہوم دہام سے ادا کیا۔ ایک جلوس شاہانہ کو ساتہہ لیکر شہنشاہ پیادہ پا اُنکے آگے آگے چلا۔ اسکے ہاتہہ میں ایک نیزہ تہا جس سے وہ نئے دار السلطنت کے حدود کو نشان کرتا ہوا چلا گیا اور اُسکا محیط یہاں تک بڑہ گیا کہ اُسکے نائبین دیکہہ کر حیران ہو گئے۔ لیکن شہنشاہ ابہی تک نشان کئے جا رہا تہا۔ آخر اُن سے نہ رہا گیا اور یہہ کہنے سے باز نہ رہ سکے کہ حضور بس فرمایئے شہر کی حدود بہت بڑہ گئی ہیں۔ قسطنطین نے جواب دیا۔ میں ابہی اور آگے بڑہونگا جب تک کہ میرا رہنما جو کسی کو نظر نہیں آتا اور جو میرے آگے آگے چل رہا ہے ٹہیرنا مناسب خیال نہ کرے۔ ہم اس عجیب رہنما کی خود کوئی تحقیقات کرنا نہیں چاہتے۔ اور اُسکو یہیں چہوڑ کر قسطنطنیہ کی حدود اور وسعت کو بیان کرتے ہیں۔

۹۔ وسعت بقول گبن۔ شہر کی اصلی حالت یعنی سراگلیو کے باغات اور محلات جو سات پہاڑیوں میں سب سے پہلی پہاڑی پر بنے ہوئے ہیں ایکسو پچاس ایکڑ رقبہ پر ہیں۔ ترکی غیرت اور مطلق العنانی کی نشست گاہ گذشتہ ایک جمہور کی بنیادوں پر بنی ہوئی ہے۔ لیکن یہہ بتا دینا مناسب ہے کہ باشندگان بائی زنطیم بندرگاہ کی راحت و آرام کو مد نظر رکہہ کر سراگلیو کی موجودہ حدود سے پرے آباد تہے۔ (یعنی قدیم محل شاہی) قسطنطین کی نئی دیواریں پرانی فصیلوں سے پندرہ سٹیڈیا[ع۱] کے فاصلہ پر بندرگاہ سے لیکر پروپانٹس تک پہیلی ہوئی تہیں۔ اور شہر بائی زنطیم اور سات میں سے پانچ پہاڑیوں کے گرد جو ایک ناظر کی نظر میں نہایت ہی خوبصورت ترتیب سے اُٹہتی چلی گئی ہیں بنی ہوئی تہیں۔ بانی کی وفات سے ایک صدی بعد بندرگاہ اور پروپانٹس کے اطراف میں اور بہت سی عمارات بن گئیں اور چہٹی پہاڑی کا تنگ کنارہ اور ساتویں پہاڑی کی فراخ چوٹی بہی اُنہیں گہر گئی

ع۱۔ ایک سٹیڈیا = ۲۰۲ گز ۹ انچ

شہر اور اسکی نواحیات کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کیلئے تہیوڈوسیس نے اپنے دارالسلطنت کے
گرداگرد ایک بڑی مضبوط فصیل بنوائی۔ مشرقی پہاڑی سے لیکر زرین دروازہ تک قسطنطنیہ کی زیادہ
سے زیادہ لمبائی تین رومن میل تہی۔ محیط دس اور گیارہ میلوں کے بین بین تہا اور اسکی سطح قریبًا دو ہزار
انگریزی ایکڑوں کے برابر تہی۔ موجودہ زمانہ کے سیاحوں کی جو یورپ اور ایشیا کے متصلہ دیہات کو قسطنطنیہ
کی حدود میں شامل بتاتے ہیں مبالغہ آمیز تحریروں کی تصدیق کرنی ناممکن ہے۔ لیکن پیرا اور گلاٹا کے محلے
کو وہ بندرگاہ سے پرے واقعہ ہیں شہر کا ایک حصہ خیال کئے جاسکتے ہیں۔ اور یہہ زیادتی بائی زینٹیم
کے اس مورخ کی تصدیق کریگی جس نے قسطنطنیہ کے محیط کو سولہ یونانی میل بتایا ہے۔ اتنی بڑی وسعت ایک
شاہی رہائشگاہ کیلئے کچہہ کم نہیں ہے۔ تاہم قسطنطنیہ قدیم بابل اور تہیبز قدیم روم۔ لندن اور نیز پیرس سے
نسبتًا چہوٹا شہر ہے۔

۱۰۔ صنعت وحرفت کی ترقی۔ رومن دنیا کے مالک نے جب اپنی سلطنت کی سطوت و شوکت قائم رکھنے
کیلئے ایک یادگار بنانیکی تجویز کی تو اس نے زر محنت اور اپنی لکہو کہا رعایا کی ہنر و فنون سے پورا پورا کام لیا
قسطنطنیہ کی دیواریں رواق اور حوض بنانے پر پچیس لاکہہ پونڈ کی لاگت آئی۔ یوکسائین کے جنگلوں اور
جزیرہ پروکونی سس کی سفید سنگ مرمر کی کانوں سے مصالحوں کا ذخیرہ سہولیت کیلئے کشتیوں پر لاد لاد
کر بائی زینٹیم کے بندرگاہ میں لایا گیا۔ کام کو انجام تک پہونچانیکے لئے بیشمار مزدور اور کاریگر لگائے گئے
جنہوں نے بڑی جانفشانی سے کام کو تمام کیا۔ لیکن قسطنطنیہ کو اس وقت معلوم ہوگیا۔ کہ صنعت و
حرفت کے تنزل سے اسکی سجاوٹ و شان و شوکت میں اسکی حسب منشا پوری نہیں ہوئیں۔ اور یہہ کہ عمارت کی خوبصورتی
وزیبائش نسبتًا اس سے بہت ہی کم ہے جو اس نے خیال کر رکہی تہی۔ اسلئے صوبجات کے اعلیٰ احکام کے نام حکم نافذ
ہوئے کہ ہر ایک جگہ سکول بنائے جاویں معلم مقرر کئے جاویں اور انعام و اکرام اور حقوق کی امید
دلاکر ذہین طلبا کی ایک کافی جماعت کو جنہوں نے معقول کتابی تعلیم پائی ہو صنعت و حرفت کی طرف مشغول کیا جاوے۔
نئے شہر کی عمارات انہی کاریگروں نے بنائیں جنہیں قسطنطین اسوقت مہیا کرسکا۔ لیکن انکی زیبائش کا کام
پیریکلیز اور سکندر کے زمانہ کے لوگوں کے ہاتھوں سے تمام پایا قدیم صناعوں فیڈیاس اور لسی پس کی سی
ذہانت کو از سر نو تازہ کرنا رومن شہنشاہوں کی حد قدرت سے اعلیٰ و برتر تہا۔ لیکن اعلیٰ
فنون و ہنر کی یادگاریں جو وہ پیچہے چہوڑ گئے تہے بعینہ کسی حفاظت کے ظالم بنیا کیلئے

کھلادی گئیں ۔ اُسکے حکم سے یونان اور ایشیا کے شہروں سے قیمتی زیور و جواہرات لوٹ لئے گئے
قابل یاد جنگوں کی نشانیاں ۔ مذہبی عزت کی اشیاء ۔ اور قدیم زمانے کے دیوتاؤں ۔ بہادروں
رشیوں اور شاعروں کے نہایت ہی خوبصورت بت قسطنطنیہ کی نذر کر دیئے گئے ۔

۱۱۔ عمارات ۔ بائی زنٹیم کے محاصرہ میں فاتح نے اپنا خیمہ دوسری پہاڑی کی چوٹی پر نصب کیا تھا
اپنی فتح کی یادگار قائم رکھنے کیلئے اُس نے بڑے بھاری فورم (چبوترا) کیلئے جو دائرہ کی شکل میں یا کسی قدر
بیضوی صورت میں تھا یہی کارآمد مقام پسند کیا ۔ بالمقابل کے دو دروازوں پر بڑی بڑی عالیشان
محرابیں بنی ہوئی تھیں ۔ اور دراصل میں جو چبوترہ کے چاروں طرف بنی ہوئے تھے بت بھرے پڑے تھے
اور اُسکے وسط میں ایک بلند مینار بنا ہوا تھا ۔ اِس کا بدنما بچا کھچا حصہ اب برنٹ پلر (جلا ہوا ستون)
کے نام سے مشہور ہے ۔ یہہ مینار ایک سو بیس فیٹ بلند سنگ مرمر کے پائے ستون پر بنا ہوا تھا ۔ اور
اس میں سنگ سماق کے دس ٹکڑے جن میں سے ہر ایک کی لمبائی دس فیٹ اور محیط قریباً تینتیس فیٹ تھا
لگے ہوئے تھے ۔ مینار کی چوٹی پر جو زمین سے ایک سو بیس فیٹ بلند تھی اپولو کا ایک بہت بڑا بت نصب تھا
یہہ پیتل کا بنا ہوا تھا اور ایتھنز یا فریجیا کے کسی شہر سے یہاں لایا گیا تھا ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ فیڈیاس نے اسے
بنایا تھا ۔ یہہ بت دِن کے دیوتا کی تصویر تھی ۔ یا جیسا کہ بعدازاں بیان کیا گیا ہے خود شہنشاہ قسطنطین
کی تصویر تھی جس کے بائیں ہاتھ میں ایک عصا تھا اور دائیں میں کرۂ زمین اور سر پر ایک روشن
تاج جگمگا رہا تھا ۔ سرکس یا ہپوڈروم ایک عالیشان عمارت تھی جس کی لمبائی چار سو قدم اور چوڑائی
ایکسو قدم تھی ۔ دونوں نشانوں کے درمیان کی جگہ میں بت اور مربع مینار بنے ہوئے تھے اور ابھی تک
قدیم زمانے کا بچا ہوا ایک حصہ موجود ہے یعنی تین سانپوں کے جسم جو ایک تانبے کے مینار کی شکل میں لپٹے
ہوئے ہیں ۔ کسی زمانے میں اُنکے تین سروں پر ایک طلائی تپائی رکھی ہوئی تھی جسے فتحمند یونانیوں نے
خسرو کی شکست کے بعد ڈیلفی کے مندر میں نذر کر دیا تھا ۔ ہپوڈروم کی خوبصورتی کو ترک فاتحوں کے سخت
ہاتھوں نے بالکل بدنما کر دیا ہے ۔ یہہ آت میدان (میدان اسپاں) کے نام سے ابھی تک اُن کے
گھوڑوں کی مشق کا مقام ہے ۔ تخت سے جس پر شہنشاہ بیٹھ کر سرینٹس کرتب دیکھا کرتا تھا ۔ ایک
پیچدار زینہ ایک عالیشان محل کو جو معہ اپنے ایوانوں اور رواقوں کے پراپنٹس کے کناروں پر ہیں اور گرجا سینٹ صوفیا کو دریا ایک تک

احاطہ زمین پر بنا ہوا تھا جاتا تھا۔ اسی طرح وہاں غسلخانے بھی تھے۔ جو ابھی تک زیوکسی پس کے نام سے مشہور ہیں انکو قسطنطین نے اپنے مال خیرات سے تیار کروایا تھا اور ان میں مختلف قسم کے پتھروں کے بلند مینار اور سیسہ سے اور پیتل کے بت بنے ہوئے تھے۔ اگر شہر کی ہر ایک عمارت کا مفصل ذکر کیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب تیار ہو جائیگی اسلئے یہہ کہہ دینا کافی ہے کہ ایک بڑے دارالسلطنت کے زینت و زیبائش اور اُسکے باشندوں کے تفریح گاہ کیلئے جو کچھہ ضروری ہے وہ سب قسطنطنیہ کی دیواروں کے اندر موجود تھا۔ اسکی بنیاد سے سو برس بعد جو حالات لکھے گئے ہیں اُنکے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت قسطنطنیہ میں۔ ایک تعلیم و تربیت کا سکول ایک کسرس۔ دو تھیٹر۔ آٹھہ عام اور ایک سو تریپن پرائیویٹ غسل خانے۔ باون رواق۔ پانچ غلہ کے گفتے۔ آٹھہ تالاب۔ سینیٹ یا عدالت کے اجلاس کیلئے چار وسیع کمرے۔ چودہ گرجے۔ چودہ محل اور چار ہزار تین سو اٹھاسی عالیشان اور خوبصورت مکانات تھے۔

۱۲۔ آبادی قسطنطین کی دوسری بڑی خواہش یہہ تھی کہ اُسکے پیارے شہر میں آبادی کی خوب رونق ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ روم کے شریف خاندان ممبران سینیٹ حکام اور اُنکے بیشمار نوکر چاکر سب اپنے بادشاہ کے پاس پروپانٹس کے کناروں پر چلے آئے۔ اور یہاں نے دارالخلافہ میں صرف ذیل قومیں ہی آباد ہوگئیں۔ اٹلی کی زمینیں جن پر اب تک باغات لگے ہوئے تھے خوب کاشتکاری کیجاتی تھی فوراً زراعت اور آبادی سے محروم ہوگئیں۔ یہہ خیال نہ کرلینا چاہیئے کہ قسطنطنیہ کی آبادی انسان کی تعداد اور محنت میں اضافہ ہو جانے سے بڑھہ گئی تھی بلکہ یہہ سلطنت کے دیگر شہروں کی تباہی سے بڑہی تھی۔ روم اور مشرقی صوبجات کے دولتمند سینیٹرز کو قسطنطین نے مجبور کیا اور یہیں رہنے اور اپنی قسمت اپنا دی کرنیکی فہمایش کی۔ تمام لوگوں نے اسے قبول کرلیا اور سب کو رہنے کیلئے محلات۔ زمینیں۔ وظیفے اور پنشن اور ایشیا میں جاگیریں عطا کیں۔ لیکن تہوڑے ہی عرصہ کے بعد یہہ سب کچھہ بند کر دیا گیا۔ کیونکہ جہاں کہیں بادشاہ رہے وہیں وزرا۔ امرا اور دیگر باشندوں کو رہنا پڑتا ہے اور اس طرح دارالسلطنت میں بہت ترقی ہو سکتی ہے اور وہاں مزدوروں سوداگروں اور کاریگروں کی بہت مانگ رہتی ہے۔ اس طرح پر قسطنطنیہ میں ہر قسم کا آدمی موجود پایا جاتا تھا اور یہی اُسکی آبادی میں ترقی ہونیکی وجہ تھی۔ باشندوں کی روز افزونی کے باعث پہلا احاطہ زمین کم ہو گیا اور اُس میں اور بہت سا قطعہ زمین شامل کرلیا گیا۔

قسطنطین اعظم شاہان روم کے زمانے میں قسطنطنیہ کی یہہ حالت تھی جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کئی

ایک بادشاہ گردیوں اور انقلابوں کے بعد ترکوں نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن کئی دفعہ انہیں منہہ کی کھانی پڑی۔ بایزید یلدرم سا بہادر بادشاہ جس نے ایشیا اور یورپ میں اپنا سکہ بٹھا لیا تھا اس پر حملہ کرنے سے جھجکتا رہا اور آخرش جب اُس نے فتح کر لیا تو تیمور کی پیشقدمی نے اُسے روک دیا۔ بالآخر سلطان محمد ثانی نے اسے فتح کیا اور ترکی گورنمنٹ کا دارالخلافہ قرار دیا۔ اُس زمانے سے لیکر یہہ آجتک خاندان عثمانیہ کا پایہ تخت چلا آتا ہے۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد بھی اس میں بہت سے تغیر واقع ہوئے اور اس نوجوان دوشیزہ نازنین نے آخرش آجکل وہ روپ اختیار کیا جسکی کیفیت بیان کرنیکے لئے سینکڑوں جادونگاروں نے زور قلم دکھایا اور ہزاروں آیندہ دکھاتے رہینگے۔ قسطنطنیہ کی بنا ایام گذشتہ کی تاریخ وہاں کی قدیم عمارات اور موجودہ شاہی محلات کا مفصل بیان حصہ اول میں درج کیا جائیگا۔ جو کافی مصالح بہم نہ پہونچنے کی وجہ سے اب تک تیار نہیں ہو سکا تھا مگر مخدوم منشی عزیز احمد صاحب لکھنوی مقیم گلاسگو کی امداد اور نوازش سے یہہ کمی تقریبًا اب پوری ہوگئی ہے۔ اس حصہ میں صرف موجودہ نقشہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس غرض کیلئے لیڈی ہیکیس ہولر اور ایف موین کرافورڈ کی کتابوں کا بجنسہ ترجمہ دینا کفایت کریگا قسطنطنیہ پر یہہ تازہ ترین یورپین تصنیفات ہیں۔ ترجمہ میں جابجا حسب ضرورت حواشی بھی ایزاد کر دیئے گئے ہیں۔ اور تمدن عرب کے بعد غالبًا یہہ پہلی کتاب ہے جس میں بعینہ ویسی اعلیٰ قسم کی الیکٹرو پلیٹ تصویریں دیگئی ہیں۔ جیسے کہ ولایتی کتابوں میں ہوتی ہیں۔

(خاکسار مترجم)

نقشہ قسطنطنیہ و باسفرس
پیمانہ بحساب انگریزی میل
بحیرہ اسود
بحیرہ مارمورا

خطوط

از

قسطنطنیہ
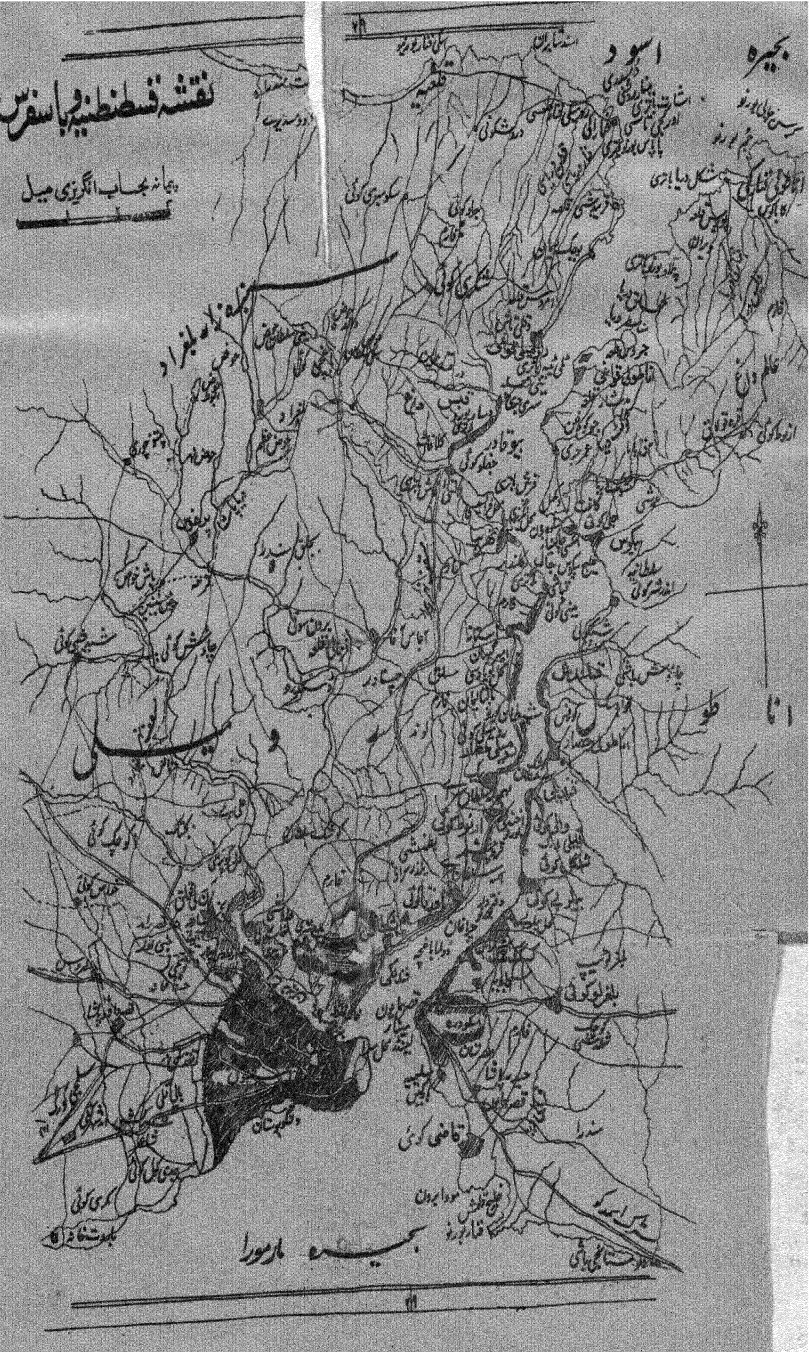
محررہ

لیڈی میکس مولر صاحبہ

فہرست مضامین

(۱۰) باسفرس پر تفریحی پارٹیاں

(۱۱) دربار قربان بیرام (عیدالضحیٰ)

(۱۲) نیا عجائب خانہ اور صیدان کے تعویذہائے قبور

(۱۳) بروصہ

(۱۴) امام حسن و حسین

(۱۵) ترکی خاتونیں

(۱۶) آخری باریابی سلطانی بارگاہ میں

فہرست تصاویر عکسی

گوشہ محلسرا

پل غلاطہ

چینی لی کوشک

سلاملک

جامع ایاصوفیا کا اندرونہ

محمود ثانی کی تربت

قدیم شہر پناہیں

والدہ بند

اسکندر اعظم کی قبر کا تعویذ

بلوری سس کی " "

بروصہ کی سبز مسجد

ترکی خاتون یشمق اور فرجہ میں

دیباچہ لیڈی صاحبہ

تین برس ہوئے جو خطوط میں نے قسطنطنیہ سے جہاں چند ایام مَیں نے نہایت خوشی اور مسرت سے بسر کئے تھے تحریر کئے تھے۔ اُن میں اور مضامین بڑہا کر یہہ خطوط لکھے گئے ہیں۔ مَیں وہاں اپنے خاوند کے ساتھہ جنہیں آبُ ہوا کی تبدیلی اور آرام کرنیکی ضرورت تھی اپنے بیٹے کو جو انگریزی سفارت کا سکرٹری تھا اور اب بھی ہے ملنے گئی تھی۔ ہمارے فرزند نے باسفرس کی بہار اور دلفریب خوبصورتی کے متعلق ہم کو اپنے خطوط میں مفصل لکھہ کر بہت کچھہ تیار کر دیا ہوا تھا۔ تاہم اس دریا کے پُر فضا نظارے اور قسطنطنیہ اور اُسکے قربُ جوار کی پُرانی یادگاروں کے عجائبات اور دلکشی کے مشاہدہ سے ہم ششدر رہ گئے۔ سر کلیر فورڈ انگریزی سفیر اور سفارت کے تمام دیگر ارکان ہم سے کمال خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آئے۔ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم نے ہمارے حال پر ایسی شاہانہ عنایات مبذول فرمائیں کہ محض مسافروں اور سیاحوں پر پہلے شاذ و نادر ہی اُنکو کبھی مبذول کیا گیا ہوگا۔ ہم نے کئی ایسی چیزیں دیکھیں جو بہت کم اجنبیوں کو دیکھنی کبھی نصیب ہوئی تہیں۔ اور اکثر کو نہایت ہی اطمینان کے ساتھہ خوب سیر ہو کر دیکھا۔ کیونکہ پورے تین مہینوں کی اقامت کے اوان میں محلسرائے ہمایون کا ایک اےڈی کانگ ہمارے ساتھہ رہا۔ اور اُسکی سرکاری درباری وردی کی طفیل ہم کو کئی ایسے مقامات میں گذر اور دخل نصیب ہو گیا جہاں اُسکے بغیر خواہ ہم کتنی رقم انعام و بخشش پر خرچ کرتے ہم کو ایک قدم بھی نہ رکھنا ملتا۔ یاور کی ہمراہ ہونے کی وجہ سے ہم کو استنبول کے پُر ہجوم بازاروں میں سے گذرتے وقت اور مساجد یا سلطنت قیاصرہ کی پُرانی اور متروک الاستعمال عمارات اور یادگاروں کو جاتے ہوئے ذرہ بھر خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ہم اِس سیاحت و اقامت سے ایسے خوش آئے کہ روانگی کے وقت ہم نے پھر بھی وہاں جانیکا ارادہ کر لیا تھا۔ اور اِس امر کی ہمیں سخت تمنا اور خواہش رہی۔ مگر افسوس پچھلے برس کے واقعات[۱] سے اب اوس تمنا کے پورے ہونیکے

---

[۱] مسس میکس مولر صاحبہ جو انگلستان کے مشہور و معروف پروفیسر اور ماہر علوم و السنہ مشرقی مسٹر میکس مولر کی زوجہ محترمہ ہیں اِن واقعات سے ارمنیوں کی بغاوت اور قسطنطنیہ میں اُنکے پے درپے فسادو ہنگامہ پردازی سے

بہت کم آثار دکھائی دیتے ہیں۔ نہ اب یہی توقع ہوسکتی ہے کہ جس غرض سے یہہ خطوط لکھے گئے تھے۔ وہ حاصل ہوسکیگی۔ اور اُن کو پڑھ کر اوروں کو بھی رخصت یا فراغت کے دن باسفرس کی لطیف آب وہوا اور دلفریب منظروں میں بسر کرنیکی ترغیب ہوگی۔

ان خطوط میں سے چند ایک جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوجائیگا میرے خاوند کے لکھے ہوئے ہیں۔

جارج لینا میکس مولر (جنوری ۱۸۹۷ء)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۔ مراد سے رہی ہیں لیکن میں حیران ہوں کہ اُن جیسی قابل اور منصف مزاج عورت ان واقعات سے یہہ نتیجہ کس طرح اخذ کر رہی ہے۔ اگر انکا یہہ منشا ہے کہ ان فسادوں سے ظاہر ہوگیا ہے کہ قسطنطنیہ میں جان و مال کی حفاظت کا اندیشہ ہے۔ اور اسلیئے وہ یا اور لوگ وہاں جانے سے خوف کرنے لگ گئے ہیں۔ تو شاید بہت کم لوگ اُن سے اتفاق رائے کرینگے۔ ارمنیوں کا فساد ایک اتفاقیہ معاملہ تھا۔ اور یورپ کا کوئی ایسا دارالخلافہ نہیں۔ جہاں مفسدہ مذکورہ سے بڑھکر سخت اور قسطنطنیہ کی نسبت بہت زیادہ بلوے اور ہنگامے ہر سال نہ ہوا کرتے ہوں۔ اور اگر وہ انگریزی اخبارات کی تحریروں کو درست تسلیم کرکے ترکوں کی متعصب مزاجی اور عیسائیوں کے خون کے پیاسا ہونیکے اتہام پر یقین کر بیٹھی ہیں اور قسطنطنیہ میں ارمنیوں کے قتل عام کی مبالغہ آمیز خبروں کو انہوں نے درست سمجھ کر پھر قسطنطنیہ جانیکا ارادہ فسخ کردیا ہے تو یہہ امر بھی انکی وسیع الخیالی اور نصفت پسندی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ انہی مبالغہ آمیز خبروں کے مشتہر کنندہ اخبارات سے انکو یہہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ کم و بیش جو سزا دیگئی وہ ارمنیوں ہی کو ملی تھی۔ کسی اور فرنگی یا دیسی عیسائی کو مسلمان رعایا یا حکومت نے میلی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ اُن فسادوں سے پہلے یا بعد دارالخلافہ یا صوبجات میں اُن کو کبھی ذرہ بھر تکلیف پہونچائی گئی ہے۔ ناظرین اس سے یہہ خیال نہ کریں کہ میں نے قسطنطنیہ میں اجنبی لوگوں کی آمد و رفت بغرض سیر و تفریح کے بند ہو جانے کو حکومت کے لئے مضر سمجھ کر مسس میکس مولر کی تحریر سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ اسکے برعکس میری ذاتی رائے ہے کہ ترکی میں بہت سی خرابیاں انہی اجنبی نوواردین کے حصہ کثیر کی طفیل ظہور میں آئی ہیں۔ اور انکی آمد و رفت میں جسقدر کمی ہو۔ اُسی قدر ترکی کو انکا زیادہ مشکور ہونا چاہئے۔ مگر اسکے ساتھہ ہی کوئی منصف مزاج یہہ گوارا نہیں کرسکتا کہ وہاں کی حکومت یا انتظام یا رعایا کے بہت بڑے حصہ پر بیجا بہتان یا الزام لگایا جائے اور وہ اسکی تردید یا تکذیب کی کوشش کرے۔ خواہ وہ الزام مذکورہ بالا مفسدی مدعا کے حصول ہی میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کیسا ہی ممد کیوں نہ ہو۔ مترجم

قسطنطنیہ میں ورود

مئی کا مہینہ تہا۔ اور ہمارا جہاز بحیرۂ مارمورا سے چلا جا رہا تہا کہ صبح کے سات بجے ہماری کوٹہڑی کے دروازہ پر کسی نے آواز دی "اُٹہنے کا وقت آگیا ہے جزائر شہزادگان دکہائی دینے لگ گئے ہیں"۔ اسکے لئے دوبارہ تقاضے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم سنتے ہی جلد جلد کپڑے پہن جہاز کے تختہ پر چڑہ گئے۔ مگر تاریکی اور دُہند کو دیکہہ کر ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔ اسکی وجہ سے ہم اُن مشہور جزیروں کو جو استنبول سے ایک گہنٹہ کے دخانی سفر کی مسافت پر بحیرہ مرمرا میں واقع ہیں اچھی طرح نہ دیکہہ سکے۔ رات کے سات بجے کے قریب ہم دارڈنیلز کے دہانہ پر پہونچے تہے یوم ماقبل کو جہاز بحیرہ مجمع الجزائر سے گذرا تہا۔ یہہ دن نہایت صاف و دلاویز تہا۔ اور چلتے چلتے ہم کو دور سے کئی جزیروں کا نظارہ ہوگیا تہا۔ جہاز پر ہم گہری شام کیوقت پائیرس دا تھنز دار الخلافہ یونان کا بندرگاہ سے سوار ہوئے تہے۔ اُس پر بہات بہات کے مسافر پہلے سے سوار تہے جن میں سے بعض بہت ہی عجیب و غریب تہے۔ تختہ زیریں[1] پر البانوی اور ماٹی نگرو وغیرہ بہرے ہوئے تہے۔ یہہ لوگ معاش کی تلاش میں استنبول کو جا رہے تہے۔ اُن میں سے جو متاہل تہے۔ ان کے عیال بھی ساتہہ تہے۔ وہ وحشی مزاج اور غلیظ شکل تہے اور کارتوس سے پر سوار ہوتے وقت بڑی احتیاط کے ساتہہ اُن سب کے ہتھیار لیلئے گئے تہے تاکہ جہاز میں آپس میں یا کسی اَور کے ساتہہ دنگہ فساد نہ کریں۔ وہ اپنے بستر سے چٹائیاں اور کہانے پکانے کے برتن ساتہہ لائے تہے۔ اور کہانے۔ پینے سونے یا جب ان تینوں کاموں سے فارغ ہوں تو جوا اور تاش کہیلنے کے سوائے اُن کو اور کوئی کام نہ تہا۔ جنکے پاس تاش کے پیکٹ تہے وہ اُن سے کہیلتے تہے اور باقیماندہ نے کاغذ کے ٹکڑے پہاڑ کر اُن پر ایسی طرح جسکو وہ خود ہی اچھی طرح سمجہہ سکتے تہے نشان کرلئے ہوئے تہے اور معلوم ہو رہا تہا کہ یہہ ٹکڑے اُن کو برابر چہپے ہوئے پتوں ایسا کام دے رہے ہیں۔ ہمارے کمرہ اور خزانہ کی درمیانی چوبی دیوار میں دریچے تہے افسران جہاز نے ہم کو خبردار کردیا تہا کہ اُنکو کبھی کہلا چہوڑ کر باہر نہ آیا کریں۔ پہلی رات سخت گرمی ہونیکی وجہ سے میں نے اُن کو سونے کیوقت کہلا رہنے دیا تہا۔ مگر لیمپ گل ہونے سے تہوڑی سی دیر بعد محافظ نے اُنکو باہستگی بند کردیا۔ اَول درجہ کے مسافروں نے اُن عجیب الخصلت ہمسفروں کے پاس پہنچنے چاہیے کہی تو نفرت کی ہم اکثر بالائی چہت پر کٹہرے کے پاس کہڑے ہوکر اُن کو مختصر سے کہانے پکانے تکلفات کے ساتہہ تناول کرتے

[1] معمولی جہازوں میں عموماً دو ڈیک یا تین تک ہوتے ہیں۔ ایک بالائی یعنی چہت۔ دوسرا زیریں جسے خزانہ بھی کہتے ہیں۔ یہہ عموماً درمیانی منزل میں ہوتا ہے۔ مترجم

ہوئے تاش وغیرہ کھیلتے یا اپنے ملک کے دلبرانہ راگ گاتے ہوئے دیکھتے رہتے۔ جن ڈولوں یا دستر خوانوں
میں وہ اپنے کھانے کی چیزیں چولہوں کے پاس لیجاتے تہے وہ نہایت ہی غلیظ اور گندے ہوتے تہے عورتیں
الگ بیٹھی ہوئی بچوں کو بہلایا کرتی تہیں۔ انکے چہروں پر بہی مردوں سے کچھہ کم وحشت نہ برستی تہی۔ خیر
ہم پائیریس سے روانہ ہوئے۔ فرانسیسی بیڑہ بندر رنڈکور کے قریب لنگرزن تہا۔ اور اسکے کمانیر نے
شاہ و ملکۂ یونان کی دعوت کی تہی۔ چنانچہ رات پڑتے ہی بیڑہ کے تمام جہازوں پر چراغاں کیگئی۔
انکی روشنی سے سمندر کے شفاف پانی پر عجیب و دلفریب سماں باندھ دیا تہا۔ اور جب ہمارے جہاز
نے حرکت کی تو ہم رات کی تاریکی میں عرصہ تک اسکا نظارہ کرتے رہے۔ جہاز پر ہمارے فرزند کا ایک
یونانی دوست بہی سوار تہا۔ وہ قسطنطنیہ کے محلہ پیرا میں سوداگری کرتا ہے۔ اسکی بیوی اور بیٹیاں
بہی ساتہہ تہیں۔ بعد ازاں پیرا اور تہراپیا کی اقامت کے دوران میں ہم نے انکی صحبت میں کئی
مرتبہ چند چند گھنٹے نہایت لطف سے بسر کئے۔

جزائر شہزادگان تعداد میں نو ہیں۔ بائی زنطینی قیاصرہ اُن کو بہت پسند کرتے تہے اور تفریح و آرام
کیلیے اکثر ان میں آکر رہائش رکہا کرتے تہے اسی سے انکا یہہ نام پڑ گیا۔ چار میں ابہی تک آبادی ہے
باقی غیر آباد چٹان پڑے ہیں۔ گو ان میں سے بہی بعض میں پرانے راہب خانوں کے کھنڈرات
موجود ہیں۔ بڑے چاروں جزیروں میں سے ہر ایک میں کئی یونانی راہب خانے اب بہی موجود اور
آباد ہیں۔ ترک ان جزائر کو سرخ جزیرے کہتے ہیں جسکی وجہ تسمیہ یہہ ہے کہ وہاں کے چٹان لوہا
بہت زیادہ ہونے سے سرخ رنگ کے ہیں۔ ہم اُن میں سے صرف جزیرہ پلیٹ (ہموار چٹان) کے
پاس سے گذرے۔ اس پر سر ہنری[۱] بلور نے جبکہ وہ قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر تہا۔ اینگلو سکسن (یعنی زمانہ متوسط
کی انگریزی طرز کا) قلعہ تعمیر کرایا تہا۔ اور افواہ ہے کہ اس میں بالکل ترکی پاشاؤں ایسے ٹہاٹہہ اور تزک
و احتشام سے رہتا تہا۔ اور کل نوکر چاکر بہی ترک ہی رکہے ہوئے تہے۔ اب یہہ قلعہ تقریباً منہدم ہوگیا ہے
اور اسکا بہت تہوڑا حصہ باقی کھڑا ہے۔ سب سے بڑے جزیرہ کا نام ’’پرنکیپو‘‘ ہے۔ قسطنطنیہ پہونچنے سے چند دن
بعد ہم اپنے سفیر کے ساتہہ یہاں آئے تہے اور ایک سربرآوردہ یونانی خاندان کے ہاں کہانا تناول

[۱] یہہ انگریزی مدبر اور مصنف لارڈ ڈفرن مرحوم سابق گورنر جنرل ہندوستان کا والد ۱۸۵۸ء میں لارڈ سٹریٹ فورڈ دی
ریڈکلف کے بعد قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر رہا۔ ۱۸۰۴ء میں پیدا اور ۱۸۷۲ء میں فوت ہوا۔ مترجم

کیا تہا۔ یہہ جزیرہ سمندر سے بالکل سیدہا اُٹھا ہوا ہے - اور دو پہاڑیوں سے بنا ہوا ہے جنکے درمیان ایک عمیق
گہاٹی حایل ہی - جزیرہ کے درمیانی حصّہ پر صنوبر کے گھنے جنگل موجود ہیں - دونو پہاڑیوں میں سے شمال کی طرف
کی بڑی ہے - اُسکے گرداگرد خوبصورت سڑک بنی ہوئی ہی جس پر پھرتے ہوئے سے ایشیائی ساحل تک
سمندر کا خوب نظارہ ہوتا ہے - سڑک کی بائیں پہاڑی پر خوبصورت بنگلے بنے ہوئے ہیں جنکے چاروں طرف
کمال روح افزا باغات ہیں - جو ساحل کی طرف ڈھلتے چلے جاتے ہیں - جیسی کثرت گلاب کے پہولوں کی مَیں نے
ان باغوں میں دیکھی ہے - ویسی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی - انکی زرخیزی منطقہ معتدلہ کی قوت نمویہ اور
باروری کو خجل کرتی ہے - پرنکیپو کے بعد ہلکی اور انٹی گونی باقی سب سے بڑے جزیرے ہیں - ہم ان میں سے کبھی کسی
پر نہ اُترے - لیکن کئی مرتبہ انکے پاس سے گذرنے کا اتفاق ہوا - ان پر بہی پرنکیپو کی طرح خوب گھنے جنگل موجود ہیں لیکن
مگر انکا ساحل نسبتًا زیادہ چٹانی ہے - ان سب جزیروں کی آب ہوا معتدل ہے - اور قسطنطنیہ یا تہراپیا
کی نسبت آب ہوا کی اس میں زیادہ یکسانی ہے - چنانچہ اگر گرمی جلد پڑنے لگ جائے تو سفراء دول (شہری
محلات کو چھوڑ کر) باسفرس کے کنارہ کے بنگلوں میں جانے سے پیشتر اکثر دن گذارنے کیلئے یہاں کپو
چلے جاتے ہیں کیونکہ اسکے لئے انکو کوئی خاص تردد نہیں کرنا پڑتا - غلطہ کے بیرونی دیا پہلے پُل اور جزیرہ
کے درمیان ہر وقت سٹیمر آتے جاتے رہتے ہیں -

جزائر شہزادگان کے پاس سے گذرنے کے بعد ہم استنبول کے پہلے نظارہ کو دیکھنے کیلئے بڑی اشتیاق سے
منتظر ہو بیٹھے - اور تہوڑی ہی دیر بعد ہمیں سات پست قامت پہاڑیوں پر جن میں سے ہر ایک کی چوٹی پہ شاہی
تاج کی طرح مسجد موجود ہے بنے ہوئے بتدریج اُٹھتے ہوئے خوبصورت شہر کا بعیدی نظارہ دکھائی دینے لگ
گیا - اسکا یہہ نظارہ جسکا اتفاق ہم کو پہلی مرتبہ ہوا تہا - گو ہم نے ایسے وقت کیا جبکہ مطلع کدر اور موسم غلیظ
تہا - تاہم اُسے دیکھتے ہی ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ جتنے مقام ہم نے اب تک دیکھے ہیں - یہہ ان سب سے بڑھ کر خوبصورت
ہے - بعد میں اسی نظارے کو اکثر مرتبہ اور مختلف وقتوں میں دیکھ کر ہم نے دل کے ارمان سیر ہوکر نکال لئے - دوپہر
کی تیز اور چمکتی ہوئی اور سہ پہر کی نرم روشنی میں - تاریک رات کو جبکہ صرف مکانات کی بیشمار چراغوں سے
شہر کے وجود کا پتہ ملتا تہا - اور چاند کی سہانی چاندنی میں جسمیں سب سے بڑھ کر کیفیت حاصل ہوئی اور جو ایسی

؎ بحری فوج کے افسروں کی تعلیم و تربیت کیلئے اس جزیرے میں عالیشان سرکاری کالج ہے جسکے مفصل
حالات واقعاتِ روم سے معلوم ہو سکتے ہیں - مترجم -

تہی کہ ایک ایک مکان جُدا جُدا صاف صاف دکہائی دیتا تہا - کوئی وقت ایسا نہ تہا کہ ہم نے اُس میں اس نظارہ کا لطف نہ اُٹہایا ہو - یہہ فخر قسطنطنیہ ہی کو حاصل ہو کہ اُسے کسی وقت اور کسی روشنی میں مرمرا سے دیکہو اُسکے نظارے کی دلفریبی میں کوئی فرق نہیں پڑیگا - پست پہاڑیوں کی بتدریج بلندی - گوناگوں رنگوں کی آمیزش اور شاندار عمارات ایک دوسرے سے ملکر ایسا مکمل نقشہ بنا رہی ہیں کہ سٹاک ہولم[1] - وینس - اور خلیج نیپلز[2] کی خوبصورتیاں سب ایک ہی جگہ اُس میں مجتمع ہو رہی ہیں - دہوپ میں طرح طرح کے رنگ ایسی شوخی سے چمکتے ہیں کہ اُن پر نظر نہیں ٹھہر سکتی - نظر ایک مسجد سے دوسری مسجد کو جنکے برف ایسے سفید مینار سُکر شیادر خشندہ مقابلہ پہ جو ہر مسجد کے متصلہ قدیم اور متروک الاستعمال مزاروں یا سکوتری (اسکودرہ) پیرا کے پہلی جانب اور پُرانی شہر پناہ سے باہر کے بڑے بڑے شہر ہائے خموشان میں سیدھے کھڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں اور زیادہ سفید نظر آتے ہیں تیرتی ہوئی چلی جاتی ہے - تقریباً تمام تر مکانات کی چھتیں شوخ بادامی رنگ کی دکہائی دیتی ہیں - اُنکے دوش بدوش ہر باغ میں بلند صنوبر کے درخت کھڑے ہیں جنکے پتے سبزی میں طوطی کے پروں کی سبزی کو شرمندہ کر رہے ہیں اور ان سب کے اوپر عظیم الشان چھتر کی طرح ایسا صاف شفاف اور نیلگوں آسمان چہایا ہوا ہے کہ چند ہفتوں کی اقامت کے بعد طبیعت خواہ مخواہ محض تغیر و تبدل کیلئے انگلستان کے مکدر اور غلیظ مطلع کیواسطے للچانے لگ جاتی ہے -

ہم دہند اور کہر میں سے جو کچھہ نظر آسکتا تہا اُسے آنکہیں پہاڑ پہاڑ کر دیکہہ رہے تہے کہ اتنے میں ہمیں خبر دیگئی کہ انگریزی سفارت خانہ کی دخانی کشتی تیز رفتاری کے ساتہہ جہاز کی طرف چلی آرہی ہے تہوڑی ہی دیر بعد ہمیں بہی وہ نظر آگئی - انگریزی علم کی بیرق اُس پر لہرا رہی تہی اور ہمارا ابیٹا جو سفارت میں سکریٹری ہے اُس پر سوار تہا - جب تک ہمارا جہاز محلسرا کے گوشہ سے جس پر سفید سنگ مرمر کے مکان اور سرسبز باغ موجود ہیں نہ مڑا وہ ہمیں برابر دکہائی دیتی رہی - جہاز گولڈن ہارن (خلیج قسطنطنیہ) کے دہانہ پر بیرونی یعنی غلطہ پل کے پاس جا کر لنگر انداز ہوگیا - چند لمحوں کے بعد کشتی اُسکے ساتہہ آلگی - اور ہمارا فرزند اوپر چڑھکر

سلہ اٹلی کے شمال مشرقی حصے کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے جو بحیرہ اڈریاٹک کے شمالی گوشہ میں واقع ہے اس شہر میں ڈیڑہ سو سے زیادہ چہوٹی چہوٹی نہریں ہیں جو بازاروں کا کام دیتی ہیں - اور اُن پر چار سو کے قریب پل بنے ہوئے ہیں - یہہ شہر سنہ ۴۲۱ء میں تعمیر کیا گیا تہا اور عرصہ دراز تک یہاں کی جمہوری ریاست کو اقتدار عظیم حاصل رہا - ٢ سوئیڈن کا دارالخلافہ یہہ شہر متعدد جزیروں اور اس موقع پر جہاں جہیل ملار بحیرہ بالٹک کی ایک کہاڑی سے ملتی ہے بنا ہوا ہے اسکا اکثر حصہ پیل پایوں اور ستونوں پر بنا ہوا ہے - آبادی دو لاکہہ کے قریب ہے -

سلہ نیپلز کی نسبت ایک عام [illegible]

اُس چہل پہل کا مزا لینے میں جو ہمارے اِردگرد ہو رہی تہی - ہمارے ساتہہ شریک ہو گیا - ہماری داہنی طرف غلاطہ و پیرا کے محلے - باسفرس کا دہانہ اور سقوطرے تہے جو اُسکے دوسرے ساحل پر واقع ہے - بائیں طرف مجلس اِر کا گوشہ اور تمام پُرانا اسٹنبول تہا - اور سامنے گولڈن ہارن خشکی کے اندر یورپ کے چشمہ ہائے شیرین تک چلی گئی تھی گو اُسوقت وہ غلاطہ پُل کی وجہ سے ہماری نظروں سے پوشیدہ تھی - قدیم زمانہ میں جنگی جہازوں کو داخل ہونے سے روکنے کیلئے اسی گولڈن ہارن کے دہانہ پر بڑی موٹی آہنی زنجیر پھیلا دیجاتی تہی - سینکڑوں چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور قائقین دتر کی سُبک کشتی جہاز کو گھیرا ڈالے ہوئے تہیں - اور ملّاح مسافروں کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے یورپ اور ایشیا کی بہانت بہانت کی بولیوں میں چیخ چہاڑ مچا رہے اور گلے پہاڑ رہے تہے - سب سے اوّل وحشی البانوی اور ساشی ہنگرو جہاز سے نیچے اُترے - اور بستروں اور چٹائیوں سمیت کشتیوں پر سوار ہو گئے - کئی مسافروں کو کُک اور کیز کمپنیوں کے ایجنٹ جہاز پر آکر اپنے ہمراہ پرمٹ خانہ کو لیگئے - اور جو مسافر شہر کے باشندے تہے - اُن میں سے اکثر اپنی اپنی قائقوں پر سوار ہو گئے - سفارت کے ایک قواص نے ہمارے اسباب کو احتیاط کے ساتہہ جلد جلد کشتی میں رکہوا دیا جسکو سفارت خانہ کی کشتی ہونیکی وجہ سے پرمٹ خانہ جاکر اسباب کا محصول ادا کرنیکی ضرورت نہ تہی [۱] - یہہ ایسی بڑی عزت تہی کہ ہم اپنے دلوں میں پہولے نہ سماتے تہے - اور بزعم خود سب مسافروں سے بڑے آدمی بنے ہوئے تہے - مسافروں کا تماشا دیکھنے کے لئے ہم سب سے پیچھے جہاز سے رُخصت ہوئے - کشتی پر سوار ہو کر جسے اہلی پیرا "موشی" پکارتے ہیں ہم توپخانہ عامرہ کی گہاٹ کی طرف جو گوشۂ مجلس اِر کے مقابل کے ساحل پر اُس موقع پر جہاں خلیج باسفرس سے اور باسفرس مرمرا سے ملتی ہے بنی ہوئی ہے چلدیئے - ہمارے مقابل باسفرس کے پرے سقوطرے نظر آرہا تہا جسکو دیکھتے ہی ہمیں محاربہ کریمیا اور کئی پُرانے دوست جو اِس محاربہ میں اپنے ملک پر فدا ہو کر سقوطرے کے دلکش انگریزی قبرستان میں دامی نیند سو رہے ہیں یاد آگئے - کشتی سے خشکی پر آتے کہ ہم گاڑی میں جس کے آگے دو چہوٹے چہوٹے عربی گہوڑے جتے ہوئے تہے سوار ہو گئے اور قواص کو اسباب اُٹھوا لانیکے لئے پیچھے چہوڑ گئے - گاڑی توپخانہ کے خوبصورت فوارہ کے پاس سے گذر کر جسکی جالیدار عمارت اور بیل بوٹے سفید

---

[۱] عثمانیہ گورنمنٹ نے اسلامی یا ایشیائی دریا دلی سے کام لیکر اُن تمام اسباب و اشیا کا محصول درآمد معاف کر رکہا تہا - جو دول اجنبیہ کے سفرا اور متعلقین کیلئے باہر سے آئے سفرا کے ساتہہ غالبًا کسی اور ملک میں یہہ رعایت نہیں کیجاتی مگر شکر ہونیکی بجائے اکثر قونصل اور سفیر اِس رعایت سے بیجا فائدہ اُٹہانے سے بہی دریغ نہیں کرتے - مترجم

سنگ مرمر کے ہیں۔ بینی چارشی کے فراخ و خوبصورت بازار کو اور وہاں سے پیرا کے بڑے بازار کی
طرف ہو گئی۔ بہادر ننھے ٹٹوؤں سے گھوڑے بلند بازار پر تیز رفتار کے ساتھہ چڑھ گئے۔ اُن کو راستہ میں
بار بار سوئے ہوئے کتّوں سے بچنے کیلئے اِدہر اُدہر ہونا پڑتا تھا۔ سارا بازار کتّوں سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی
سوتے تھے۔ باقی اِدہر اُدہر بدرُوں اور موریوں میں سے اپنی غذا ڈہونڈتے پھرتے تھے۔ اُن کی
شکلوں سے معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ کے ہاتھوں وہ چنداں خوش نہیں ہیں۔ اور بصد مشکل شکم پری کرتے ہیں
چہرے بھوک سے ایسے سکڑے ہوئے تھے کہ کتّوں کی بجائے وہ زیادہ تر بھیڑیوں سے مشابہ معلوم ہوتے
تھے۔ مجھے بدوران اقامت اِن کتّوں سے بتدریج ایک طرح کا اُنس سا ہو گیا۔ ہمارے ہوٹل کے قریب
کے چوک میں تیرہ کتّے رہتے تھے۔ میں اُن سب سے واقف ہو گئی تھی اور ہر صبح اُن کو فرداً فرداً رات
کی آوارہ گردی اور قزاقانہ مہموں سے واپس آتا ہوا دیکھا کرتی تھی۔ یہہ بالعموم دن سونے میں بسر کرتے
ہیں۔ اور جو شخص اُنکے ساتھہ مہربانی کے ساتھہ پیش آئے اُسکے ہمیشہ ممنون اور شکر گذار رہتے ہیں
اِن کا اصلی رنگ تو ہلکا سا زرد تھا۔ مگر اب سیاہ۔ سفید اور زرد رنگوں کی جس قدر آمیزشیں ممکن ہیں
وہ سب اُن میں دکھائی دیتی ہیں۔ اُن کے پِلّے بھی جو بازاروں میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ نہایت شوخ۔ بیباک
اور پورے آوارہ گرد ہوتے ہیں۔

بینی چارشی کی چوٹی سے ہم پیرا کے بڑے بازار کو مُڑ گئے۔ قسطنطنیہ کی بہترین دوکانیں اور اکثر
سفارت خانے اِسی بازار میں ہیں۔ ہم بازار کے اندر جانے کی بجائے عرضاً اُس میں سے گذر کر بائیں طرف
کو مُڑ گئے اور اپنی سفارت کے پھاٹک اور دیوار کے پاس سے گذر کر اُس ہوٹل میں پہنچ گئے۔ جہاں ہمارے
لڑکے نے ہمارے لئے کمرے لے رکھے تھے۔ اِن کمروں میں سے جو ہماری نشستگاہ کا کام دیتا تھا۔ اُس سے
ایسا وسیع اور دلآویز نظارہ دکھائی دیتا تھا کہ اُسکا عشر عشیر بھی بیان کرنا مشکل ہے۔ اُسکے نیچے گولڈن ہارن
اور سامنے استنبول تھا۔ گولڈن ہارن کا اندرونی پل کھڑکیوں کے نیچے کسی قدر فاصلہ پر ہٹ کر تھا۔ اور اُس سے
اوپر خلیج میں دس یا بارہ خوشنما آہن پوش لنگر انداز تھے۔ یہہ برسوں سے وہیں پڑے تھے اور ایک دفعہ بھی
اپنی جگہ سے نہیں ہلے تھے۔ کہا جاتا ہے وہ ایسے بوسیدہ ہو گئے ہیں کہ اگر اُن کو حرکت دیجائے تو فوراً سمندر
کی تہ میں چلے جائیں۔ ایک انگریز نے جو عثمانیہ بحری فوج میں امیر البحر ہے مجھہ سے ذکر کیا کہ اُسے کبھی
اِن جہازوں میں سے کسی پر جانیکی اجازت نہیں دیگئی۔ میرا خیال ہے اُسے غالباً اِس اندیشہ سے نہیں

جانے دیا جاتا کہ وہ اُنکی بوسیدہ حالت پر ضرور رپورٹ کردیگا[1] بائیں جانب ہم کو وہاں سے محلسرا کا گوشہ
واقع بر دہانہ خلیج۔ اور گرجا سینٹ ائرین و ایا صوفیا جو اُس سے پیچھے ہیں۔ دکھائی دیتے تھے۔ ہمارے واسطے
ساحل پر عین دریچوں کے نیچے فرانسیسی قبرستان تھا۔ جو اب عرصہ سے متروک الاستعمال ہے اور اکثر ترکی
مدفنوں سے بھی زیادہ خراب و خستہ حال ہو رہا ہے۔ اُس سے ایک ڈھلوان راستہ خلیج کے ساحل والے بازار کو جو
پیرا کے آباد ترین اور بارونق بازاروں میں سے ہے جاکر غلطہ کے بڑے بازار کو جو قسطنطنیہ کا سب سے بڑا تجارتی
مرکز اور زنجیروں کے ذریعہ سے چلنے والی ریلوے اور ٹریموئے کے ذریعے سے پیرا سے ملا ہوا ہے نکل جاتا ہے
ہماری داہنی طرف ہمارے اور اسلام بول کے درمیان خلیج محلہ ایوب اور وہاں کی مسجد کو بڑھی چلی جاتی ہے
اس مسجد میں آج تک کبھی کوئی عیسائی داخل نہیں ہو سکا۔ اور غازی عثمان بانی خاندان عثمانیہ کی تلوار
جو نئے ہر سلطان کو تخت نشینی کے وقت باندھی جاتی ہے۔ اسی مسجد میں بحفاظت رکھی رہتی ہے۔ شمشیر بندی
کی رسم جو ہمارے عیسائی بادشاہوں کی رسم تاج پوشی کے مساوی ہے حال کھیلنے والے درویش ادا کرتے
ہیں۔ گولڈن ہارن چشمہ ہائے شیریں۔ محلسرائے۔ ایا صوفیا اور بازارات۔ ان سب چیزوں کے نام
سُنکر ہزاروں باتیں گذشتہ زمانہ کی ہماری نظروں میں پھر گئیں اور ہم سخت بیقرار ہو گئے کہ کب وہ وقت
آتا ہے جبکہ ہم بچشم خود اس خوبصورت شہر کی یادگاروں کا جو ہمارے سامنے پھیلا ہوا ہے۔ اچھی
طرح مشاہدہ کرینگے۔

[1] اس بارہ میں میں مسٹر شیڈ کے اعتراضوں کے جواب میں کتاب بست سالہ عہد حکومت اور واقعات قیم
میں مفصل لکھہ چکا ہوں۔ اسلئے یہاں مختصر طور پر یہی بتا دینا کافی سمجھتا ہوں کہ مسٹر میکس ہولر صاحب کا بیان
اس حد تک بالکل درست ہے کہ اکثر آہن پوش کئی برسوں سے اپنی جگہ سے متحرک نہیں ہوئے تھے اور کہ عدم استعمال
اور سکون سے انکا وہ حصہ جو پانی میں غرق رہا لازمی طور پر بہت کچھہ مرمت طلب ہو گیا۔ مگر یہہ سہل انگاری بالارادہ یا
عمداً نہ تھی۔ نہ انکی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ وہ سمندر میں چلنے کے قابل نہ رہ گئے ہوں جس امر کی تکذیب
کالشمس فی النہار ۱۸۹۷ء کے محاربہ مع یونان سے ہو گئی ہے۔ یہہ جہاز پورے نو مہینوں سے سمندر میں حرکت
کر رہے ہیں۔ اور اب تک ان میں سے کسی نے غرق ہونے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ مگر جیسا کہ میں تسلیم کر چکا ہوں مرمت
طلب وہ ضرور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اُس معمولی مرمت کے بعد جو سمندر کو جانے سے پہلے ہی جون ۱۸۹۷ء میں کیگئی تھی
اب ان میں سے اکثر کی باقاعدہ مرمت بلکہ کلی تجدید کا کام شروع ہو گیا ہے۔ مترجم۔

غلطہ کا پُل

مَیں حیران ہوں کہ وہ لوگ جو ہر سال بہ تعداد کثیر رہائن (واقع جرمنی) سوٹزرلینڈ اور روما کو جاتے ہیں۔ کیوں قسطنطنیہ نہیں جاتے۔ وہاں دو چار دن کے مزید سفر سے وہ باآسانی پہونچ سکتے ہیں۔ جہاں ایک بالکل نئی دُنیا اُنکے مشاہدہ میں آئے۔ اور وہاں کی آب ہوا بھی سال کے بعض حصوں میں ایسی عمدہ صحت بخش اور کامل ہوتی ہے کہ ویسی بہت تھوڑی جگہوں کو نصیب ہے۔ روما کے چشمہ ٹریوی اور دریائے نیل کی تعریف میں جو کچھ آجتک لکھا گیا ہے۔ وہ باسفرس کے دریا پر بھی موبمو صادق آتا ہے جس نے ایک دفعہ اُنکا نظارہ کرلیا۔ اُسکا دل ہمیشہ اُدھر ہی کھنچا چلا جاتا ہے۔ اور اُسے یہی تمنا رہتی ہے کہ میں پھر وہاں پہنچوں۔ قسطنطنیہ بذاتہٖ شاید آرام کی جگہ نہیں ہوسکتی۔ مگر اُن لوگونکی صحت کی تازگی اور دماغی تفریح کے واسطے جو دماغی محنت سے تھک کر کچھ عرصہ سستانا چاہتے ہوں۔ تھراپیا[1] جیسا کہ خود اُسکے نام سے ظاہر ہوتا ہے نہایت عمدہ اور مناسب مقام ہے۔ قسطنطنیہ کے قریب پہونچنے اور گولڈن ہارن میں داخل ہونیکے وقت کا نظارہ ہزاروں جادو بیان تحریر کر چکے ہیں۔ تاہم میں یہہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ جو عظیم الشان نقشہ باسفرس میں داخل ہونے پر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اُسے نہ کوئی قلم بیان کرسکتی ہے نہ کوئی مصور اُسکا خاکہ اُتار سکتا ہے۔ یہہ درست ہے کہ اِس پرستانی نظارہ کی پوری کیفیت صرف دھوپ ہی میں نظر آسکتی ہے۔ لیکن دھوپ اِس نواح میں کوئی نادر شے نہیں۔ مئی مہینہ سے بعد موسم عموماً خوشگوار اور بحیرۂ مرمرا طلائی کرنوں سے جگمگاتا رہتا ہے۔ مساجد کے سنہری گنبد۔ سفید موم بتیوں ایسے سیدھے اور شفاف مینار جو ہر مسجد کے گرد موجود ہیں۔ بیشمار قصروں اور محلات کی سفید سنگ مرمر سے بنی ہوئی چمکدار پیشانیاں ترکی مکانوں کی بادامی رنگت کی چھتیں اور پیلی رنگ کے چوبی جھروکے سمندر پر جھکے ہوئے۔ ان مکانوں کے اردگرد کے سیاہ سرو بھی۔ اور آبنائے کے دونوں سواحل کی پہاڑیوں کے گھنے سبزہ زار اور بالآخر خود دریا بذاتہٖ نقری دھاریوں والے نیلگوں ساٹن کے رومال کی طرح بچھا ہوا۔ اور ہر رنگ کے بادبانوں سے از اوّل تا آخر بھرا ہوا۔ یہہ سب باتیں ملکر ایسی عالیشان تصویر بنا دیتی ہیں جنکی دُنیا میں

---

[1] قسطنطنیہ کا مضافاتی موضع جو باسفرس کے یورپین ساحل پر پیرا اور تو یوک دہ کے درمیان واقع ہے اکثر سفرائے موسم گرما میں وہاں رہتے ہیں جنکی رہائش کیلئے وہاں عالیشان محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔

غلطہ کے مشہور پل پر پہلا قدم دہرتے ہی انسان متحیر رہ جاتا ہے کہ یہاں کا نقشہ تو ہمارے گمان وخیال سے بھی بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ سیاح کو وہاں دنیا کی کل اقوام کے نمونے دیکھنے کی توقع ہوتی ہے۔ اور اوسکی ہر توقع درست ثابت ہوتی ہے۔ اوس طرح نہیں جیسے کہ تھیٹر کی سٹیج پر سوانگ بھر کر دکھا دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ تمام ممالک کے واقعی اور سچ مچ کے باشندے۔ جو پل پر اس طرح سے پڑ آتے ہیں کہ گویا بابل کا مینار ابھی گرا ہے۔ اور یہ مخلوق شنار کے میدان سے امڈی چلی آ رہی ہے۔

وہاں لندن یا پیرس کی طرح سامی نسل سے صرف ہر ایک قسم کے یہودی ہی نظر نہیں آتے۔ بلکہ سجیلے مضبوط اور چست وچالاک عرب بھی جنکے خط وخال واضح اور ناک کا انداز متکبرانہ ہے۔ اپنے موٹے جھوٹے سفید یا خاکی جبے پہنے ہوئے عموماً برہنہ پا اور سروں پر سفید ململ کے عمامے باندھے ہوئے افریقہ کی تنگ دلی کے تمام نمونوں کے حبشی اور حبشنیں جنکے گول چہروں چھوٹی آنکھوں اور بے معلوم سی ناک والے اصل منگولی قوم کے آدمیوں کا وجود بھی وہاں ناپید نہیں۔ یہ لوگ نسبتاً بیشک بہت کم ہیں۔ تاہم زرد فام دراز چوٹی والے جو صرف آسمانی بادشاہت (چین) یا جزائر ملایا ہی کے باشندے ہو سکتے ہیں۔ کہیں کہیں برابر دکھائی دیجاتے ہیں۔ آریا نسل کے ایشیائی اور یورپین فنون اقسام کے نمونوں کی تو کوئی کمی ہی نہیں۔ ان میں سب سے نمایاں سفید شلوار اور سنہری حاشیہ دار واسکٹوں کے پہننے والے خوبصورت یونانی۔ گہیرے دار جبوں اور سیاہ ٹوپیوں کے شایق ایرانی۔ قدیم پوشاک بھیڑ کی کھال کی پوستینیں پہننے والے البانوی اور ارمنیوں کے گروہ در گروہ ہیں جو عموماً تنگ لباس اور سرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ انہی پر ختم نہیں ہوتا۔ یہ بانکے ٹیڑھے اور وحشی مزاج ہیں قبض لگائے سینہ پر کارتوسوں کو جمائے اور تلوار کو پٹکے سے لٹکائے کون جا رہے ہیں؟ یہ چرکس ہیں۔ دنیا کے تمام حصص کے درویش لمبی خاکی کلاہیں سروں پر رکھے ہوئے۔ اور ہندوستان وبخارا کے باشندے ان سب کا دریا دونوں طرف ترکوں کے دل بادل سے جو کم وبیش اپنی قومی پوشاک مگر سرخ فیس بالالتزام پہنتے ہیں بہتا چلا جا رہا ہے۔ راہروؤں میں عورتیں بھی ہیں اور سیاح کی توقع سے زیادہ جو مردوں کے ہجوم غفیر سے بیخوف وخطر پل پر سے گذری چلی جا رہی ہیں۔ اونکی پوشاکوں کے سرخ۔ سبز۔ نیلگوں۔ ارغوانی اور سفید اور شوخ اور چمکدار رنگ تو سب کو نظر آ رہے ہیں۔ مگر سیاہ آنکھوں کے سوائے ہم اونکے باریک و

شفاف نقاب کی تہوں میں سے چمک رہی ہیں اُنکے چہروں کا باقی حصہ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے۔ ایشیائیوں کے چہرہ کا بہترین حصہ ہی عموماً سیاہ آنکھیں ہوتی ہیں۔ نزدیک سے شفاف نقاب میں سے چہرہ کو بغور دیکھا جائے تو چہرہ کو دیکھہ کر طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اور جس حسن خوبصورتی کی توقع ہوتی ہے اُسکا نام و نشان نہیں پایا جاتا[1]۔ ترکی۔ ایرانی۔ یونانی اور چرکس عورتیں اپنی بدشکل جبوں اور سایوں کی ننگوں کی شوخی دوسروں سے بڑھانے میں جنکو فرجہ پکارا جاتا ہے ضد بضد کوشش کرتی ہیں۔ اکثر شیمک یا نقاب پہنتی ہیں اور بعض اپنے چہروں کو سفید کاچ کی تہوں سے اس طرح لپیٹ لیتی ہیں کہ گویا دانتوں کا علاج کرنیکے لئے معالج امراض دندان کے پاس جا رہی ہیں۔ اونکی رفتار خوش ادا نہیں۔ پیر جوان ٹھمک ٹھمک کر چلتی ہیں۔ البتہ پیرا کی فرنگن خاتونیں جنہیں سے بعض کی پوشاکیں پیرس کے تازہ ترین نمونہ اور فیشن کے مطابق ہوتی ہیں ویسی ہی سبک خرامی اور خوش ادائی اور تیزی کے ساتھ چلتی ہیں جس طرح اونکی دوسری بہنیں یورپین شہروں کی گول سڑکوں پر چلتی ہیں۔ رہروں کے جمگھٹے میں طرح طرح کے گداگر بھی موجود پائے جاتے ہیں جنکے کپڑوں میں کوئی ایسا رنگ نہیں جس رنگ کا چیتھڑا نہ لگا ہو۔ اور اگر سارے کپڑے کا رنگ سفید ہے تو اوس کے بھی چیتھڑے لٹک رہے ہیں۔ ان بوسیدہ کپڑوں کو دیکھہ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اون کو اُتارتے اور پہنتے کیونکر ہیں۔ میرا خیال ہے وہ کبھی ایسا کرتے ہی نہیں۔ گو اون کا مذہب (یعنی اسلام) دن میں ایک دفعہ کامل (پورا غسل)[2] اور چار دفعہ جزوی غسل (وضو سے مراد ہے) کا حکم دیتا ہے۔

غلطہ کے پل پر ہر وقت چہل پہل رہتی ہے۔ شور و غل کبھی بند نہیں ہوتا۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو خلیج کے اس طرف یا دوسری طرف یعنی پیرا یا استنبول میں بہت ہی ضروری کام ہے۔ لوگ اندھا دھند قدم اُٹھائے اور ایک دوسرے کو کندھوں سے اِدھر اُدھر دباتے چلے جاتے ہیں حتی کہ منین و ثقہ ترکوں کو

---

[1] ایشیائی پروفیسر صاحب کے اس بیان سے برافروختہ نہ ہوں۔ ہر ایک قوم کا مذاق اور حسن کا معیار جدا جدا ہے۔ یہہ بعینہ وہی بات ہے جس طرح ہم لوگوں کو اون لعبتان فرنگ سے جو دور سے اندر کے اکھاڑے کی پریاں معلوم ہوتی ہیں نزدیک سے دیکھنے پر ۹۹ فیصدی چڑیلوں سے بھی بدشکل نظر آتی ہیں۔ مترجم

[2] مسلمان ناظرین کو اسبارہ میں پروفیسر صاحب کی غلط فہمی بتانیکی کوئی ضرورت نہیں۔ اون کو بخوبی معلوم ہے کہ ہر روز غسل کیسا ہی مستحسن اور مستحب ہو۔ مگر سوائے خاص خاص صورتوں کے ہر روز غسل مسلمانوں پر فرض یا واجب نہیں ہے۔ مترجم۔

بھی اس سیلاب کی رو میں آکر یہی رفتار اختیار کرنی پڑجاتی ہی۔ گداگروں جیب کتروں اور رہنماؤں سے
جو نو وارد کو دیکھہ کر اونپر جھپٹ جاتے ہیں باحذر رہنا لازم ہی۔ گاڑیاں اور گھوڑے بھی بکثرت پرانے
پُل پر سے گذرتے جاتے ہیں اور وہ اون کے بوجھہ سے لرزاں اور آہ سرد بھر رہا ہی۔ اودہر دوسری طرف سٹیمر برابر
چیختے رہکر جب تک کہ راہرو پُل سے نہ گذر جائیں اسکو باغ چاٹتے رہتے اور نہایت ہی سخت غلیظ دہواں چہوڑکر
اونکی آنکہوں کو نقصان پہونچاتے رہتے ہیں۔ ہر پیدل کو آدھہ آنہ اور ہر گاڑی کو پانچ آنہ محصول سرجری ادا کرنا پڑتا ہی
بو بیہ آمدنی اس محصول سی چارسو پونڈ ترکی ہوتی ہی۔ ترکی پونڈ (سوا) اٹھارہ شلنگ کا ہوتا ہی۔

قسطنطنیہ کو دیکھتے ہی انسان کو اوسکی جانداری کا یقین ہو جاتا ہی۔ اور اُسی معلوم ہو جاتا ہی کہ یہ زمانہ سطحی کا
اُجڑا ہوا مُنتظم (قسطنطنیہ کا ابتدائی نام) بایزنطیق قصبہ نہیں ہی۔ وہ دُنیا کے خوبصورت ترین قطعات میں سے
ہی۔ نصف ایشیائی اور نصف یورپین اور کل دُنیا کی تجارت کیلئے بہترین منڈی ہی۔ ترک اوس پر جتنا ناز کریں
بجا ہی۔ اور اگر اون کے ہمسائے اوسی بھی تحفہ کا باغ سمجھہ کر اوس پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں تو اس سی اونکو متعجب
نہ ہونا چاہیے قسطنطنیہ چیز ہی ایسی ہی جسی دیکھہ کر بے اختیار ہر ایک سلطنت کے منہہ سی رال ٹپک پڑتی ہے۔
ترکوں کو لاکھہ "مرد بیمار" کہو۔ اس بات کی ہشیار علامتیں موجود ہیں کہ ترک ابہی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے
اور جو کوئی اون کو نگلنے کا خواہشمند ہو اوس کا حلق اون کو نرم نوالے کی بجائے خشک ہڈی سے بھی سخت
پائیگا۔ خالص ترک برابر مضبوط اور ثابت قدم ہیں۔ اور جس کو وہ چارسو برس سی زیادہ عرصہ کا اپنا پکارتے
ہیں اوس کو حوالہ کرنے سی پہلے آخری دم تک جان توڑکر لڑنے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔ ترکوں کے
خصایل سی واقف ہونا اور اونکی اوصاف اور نقصوں کو معلوم کرنا مشکل کام ہی۔ میں اون لوگوں کی شوخ
چشمی پر اکثر متحیر ہوتا ہوں جو دس لاکھہ میں سی صرف ایک شخص کے راہ و رابطہ ہو جانے پر اوسی سی کل قوم
کے عام کیرکٹر اور خصایل کو قیاس کرکے اپنا قیاس دُنیا میں مشتہر کر دیتے ہیں۔ میں بھی یہی استقرائی
غلطی کرنی نہیں چاہتا۔ میں نے جو کچھہ ترکوں کی نسبت کہا ہی۔ وہ صرف اونہی معدودے چند آدمیوں پر صادق
آتا ہی جن سی قسطنطنیہ کی اپنی مختصر سی اقامت میں میری ملاقات ہوئی۔ یہہ کام میں دوسروں پر چھوڑتا
ہوں کہ اگر چاہیں تو وہ خود میری تحریر کے دایرہ کو وسیع کرکے عام قاعدہ وضع کریں۔ علاوہ بریں
جہاں تک مجھہ ذاتی تجربہ کرنیکا موقع ملا ہی۔ میں نے یہی پایا کہ ترک اجنبیوں سے ہرگز لمبی چوڑی باتیں کرنا یا اونکو
اپنے خیالات یا راز بتانا نہیں چاہتے۔ اور یہہ تو ظاہر ہے کہ اونکی خانگی طرز معاشرت تو ہماری نظروں سے

بالکل ہی پنہاں ہے۔ تاہم بات یہہ ہے کہ بارونق اور بھرے ہوئے بازاروں میں بہی انسان اونکی ثقاہت اور متانت کو کبھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔ نووارد بہی اکثر یہہ مشاہدہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ غریب ترین ترک بہی اپنی اولاد سے کیسی محبّت کرتا ہے۔ فقیروں کو خیرات کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ اور بے زبانوں کے ساتھہ کیسی شفقت سے پیش آتا ہے۔ جیسی نرم دلی سے قسطنطنیہ میں کتوں کے ساتھہ برتاؤ کیا جاتا ہے ویسا دنیا کے کسی قصبہ میں نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کتّے ہی ویسے ایذا رساں اور خونخوار ہیں جیسا کہ اکثر سیاحوں نے جو چند دنوں کیلئے ہوتے ہوئے قسطنطنیہ پہونچ گئے اون کو ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے شہر کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا ہے۔ اور ہر ایک گلی یا اوسکے حصّہ کو پانچ۔ دس یا بیس کی ٹولی اپنا ملک سمجھتی ہے۔ اگر کوئی اجنبی کتّا۔ خاصکر اگر وہ یورپین اور خوب صاف ستھرا ہو کسی محلہ میں داخل ہوگیا تو سمجھو اوسکی شامت آگئی۔ قدیم روما کی طرح وہ ہر اجنبی کو دشمن تصوّر کرتے اور اوسکے ساتھہ ویسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔ اسکے سوا وہ ہر طرح سے گلیوں کے کتّے نہایت شریف۔ امن پسند اور کمال شکر گذار حیوان ہیں۔ جس نے اون کو کبھی ہڈی کا ٹکڑا پھینکا ہو یا کوئی اور مہربانی کی ہو۔ اوسکا احسان کبہی فراموش نہیں کرتے۔ اونکی مذمت میں اب تک جو کچھہ لکھا گیا ہے وہ غلط ہو یا صحیح۔ اون میں یہہ وصف تو بالضرور موجود ہے کہ جب انہوں نے کبھی انسان کا شکریہ ادا کرنا ہو تو بعینہٖ دوسرے کتوں کی طرح دُم کو ہلاتے ہیں۔ اپنے مالک ترکوں کی طرح وہ بہی تقدیر کے قایل معلوم ہوتے ہیں۔ بازاروں میں لیٹے ہوئے ہیں۔ اور گاڑی بالکل پاس سے گذر رہی ہے۔ مگر اُٹھ کر پرے ہوجانیکا نام نہیں لیتے۔ اگر کا قضا کبھی پہیہ اونکے اوپر سے بہی گذر جائے تو ایک دفعہ پُر درد نعرہ مار کر راضی برضا ہوجاتے ہیں۔ کوچبان گو گاڑیوں کو سرپٹ دوڑاتے ہیں۔ مگر خوابیدہ کتوں کو بے آرام نہ کرنے کیلئے پوری کوشش کرتے ہیں اور گاڑی کو ایک طرف کر لیتے ہیں کہ اُنکو اور اُنکی کثیر التعداد کنبہ (پلّوں) کو ایذا نہ پہونچے۔ مجھہ سے کسی نے ذکر کیا کہ چند برس ہوئے سخت جاڑا پڑنے پر بلقان کے بھیڑیے بھوک سے لاچار ہوکر میدانوں کو اُتر آئے اور شہر کے قریب پہونچ گئے۔ اس پر شہر کے تمام کتّے باہمی جھگڑوں اور مقامی تنازعوں کو فراموش کرکے متفق ہوگئے اور بھیڑیوں کے ساتھہ لڑائی کرنیکے لئے سینکڑوں کی تعداد میں شہر سے باہر جاکر اتنے حملہ آوروں کو قتل کیا کہ باقیماندہ اپنی اصلی پہاڑی مسکنوں کو دم دباکر بھاگ گئے۔ اور فاتح و منصور واپس آکر ہر جماعت پھر اپنے اپنے محلوں میں چلی گئی اور اتحاد سے پہلے جو تنازعے تھے وہ پھر از سر نو برپا ہوگئے اور کوئی فریق دوسروں کو اپنے محلہ میں گھسنے نہ دیتا۔

شہر کے بازاروں کے فرش عمدہ نہیں۔ علاوہ بریں ٹریموں۔ گاڑیوں اور حمالوں کی وجہ سے
پیدل چلنا آسان کام نہیں۔ اور نہ تیز قدمی کے ساتھ ہی چلا جا سکتا ہے۔ بازاروں میں بہت غل برپا رہتا ہے
عام لوگ بہت بلند بولتے ہیں۔ مگر لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات جسے کبھی
فراموش نہ کرنا چاہیئے یہہ ہے کہ بدمست مرد یا عورتیں کہیں نظر نہیں آتیں اور اگر شاذونادر کوئی ایسا شخص
پایا بھی جائے تو یہہ یقین رکھو کہ وہ ترک مرد یا عورت نہیں ہے۔ اسکا جو کچھہ مطلب ہو سکتا ہے اوسے وہ
لوگ اچھی طرح سے سمجھہ سکتے ہیں۔ جنکو یہہ معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں ہر فساد بلکہ تقریباً ہر جرم کا
اصل موجب یہی میخواری اور بدمستی ہے۔ ایک انگریز بشپ (لاٹ پادری) نے ایکدفعہ اپنی رائے
ظاہر کی تھی کہ مجھے انگلستان کو مجتنب الخمر یا غیر مخمور دیکھنے کی نسبت آزاد دیکھہ کر زیادہ خوشی ہو
ترک مجتنب الخمر یا غیر مخمور ہیں اور بشرطیکہ یہہ خبریں درست ہوں کہ اعلیٰ جماعتوں کے بعض افسر شام میں
بلکہ زیادہ تیز شرابیں بالکل آزادی کے ساتھہ پیتے ہیں۔ اور اون کو کوئی روک ٹوک نہیں تو اسکے ساتھہ
ہی وہ آزاد بھی ہیں۔ اعلیٰ جماعتیں ہر جگہ مستثنیات میں داخل ہیں اور یہی کلیہ ٹرکی کی ایسی جماعتوں
پر حاوی ہے۔ کل قوم کی نسبت متوسط اور ادنیٰ درجہ کی جماعتوں سے رائے قائم کرنی چاہیئے۔ نہ کہ نام
نہاد طبقہ امرا کو دیکھہ کر۔ یہہ متوسط اور ادنیٰ طبقے۔ جو کہ قوم کی واقعی ریڑہ کی ہڈی ہوتے ہیں انتک
میخواری اور بدمستی کی برائی سے محفوظ اور بچے ہوئے ہیں۔ مگر وہ کسی دباؤ یا قانونی تعزیر کے خوف سے نہیں
بلکہ محض اپنی خود مختارانہ مرضی اور اپنے رسول کریم کے فرمان کے لحاظ سے۔

اگر ادنیٰ جماعتوں کے لوگ کبھی شراب کے عادی ہو جائیں تو ٹرکی میں اس سے جو خرابی پیدا ہو جائے۔ اسکو خیال
کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے تعلیم اوس تندمزاجی کو جو ترکوں کو اپنے تاتاری اور منگولی (مغل)
آبا و اجداد سے ورثہ میں ملی ہے اب تک بہت کم نرم کر سکی ہے جب کوئی عیسائی سیاح اونکو مساجد میں
جمع دیکھتا ہے تو اوس کے دل میں فوراً وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ممکن ہے کبھی ذرا سے اشتعال پر یہہ سیر و ملنگ
مجھہ پر کود نہ پڑیں۔ مگر یہہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ ترک عیسوی مذہب سے نفرت کرتے ہیں۔ نہیں اسکے
برعکس وہ اس مذہب کا ادب کرتے ہیں۔ اور وہ عیسائیوں سے اونکے عیسائی ہونیکی حیثیت سے نہیں بلکہ بلغاری
ارمنی روسی وغیرہ وغیرہ ہونیکی حیثیت سے نفرت کرتے ہیں۔ کسی دوسرے ملک میں غیر مذاہب والے
ٹرکی کی طرح اعلیٰ ترین عہدوں پر مقرر نہیں کئے جاتے اور نہ غالباً کئے جائیں گے۔ وہاں عیسائی وزیر

ہی نہیں بلکہ ممالک غیر کے سفرا رہی ہیں۔ اور یہہ ظاہر ہے کہ سفرا کو سلطنت کے نہایت ہی اہم
راز لازمی طور پر بتانے پڑتے ہیں۔ یہہ درست ہے کہ جب کوئی شخص قتل ہوچکا ہو۔ اوسوقت یہہ حد مقرر کرنا
کہ آیا وہ بحثیت ایک بلغاری ہونیکے یعنی بلحاظ قومیت قتل کیا گیا ہے یا بحثیت عیسائی ہونیکے مشکل امر ہے
اور نہ یہہ تعیین متوفی کے کبھی کارآمد ہوسکتی ہے خواہ باعث کچھہ ہو۔ مرنے والا تو مرچکا۔ تاہم جو کچھہ اسبارہ
میں میں اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہہ ہے کہ نفرت اور بغض کا اصل باعث قومی عناد ہے
نہ کہ مذہبی۔

ترکوں کو بوجہ ہمسائگیت یورپ کی تہذیب سے سابقہ پڑا ہے جسے دیکھہ کر ایک حد تک اونکے دماغ متحیر سے تو
ہوگئے ہیں اور کبھی کبھی انہیں رشک بھی ہوجاتا ہے۔ مگر دراصل دل میں وہ اوس کو سخت حقارت کی نظر سے
دیکھتے ہیں۔ اُنکے اعلیٰ طبقوں میں یورپین تہذیب کا دخل ہوگیا ہے۔ اور تعلیم یافتہ ترک سے ملکر جیسی طبیعت خوش
ہوتی ہے اور کسی دوسرے کی صحبت سے نہیں ہوتی۔ ہم کو یہہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کہ من حیث القوم
ترک یورپین نہیں ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ نہ کبھی بنیں گے۔ وہ جسمانی قوت کے لحاظ سے اور نیز اخلاقاً بھی قابل
تعریف زبردست مضبوط اور توانا ہیں۔ اور طبعاً تندخو بھی ہیں۔ اونکی خون کی حرارت اور تیزی اُنکی
ماؤں کی خون کی آمیزش سے جو اکثر ترکنیں نہیں ہوتیں ممکن ہے ایک درجہ تک کم ہوگئی ہو تاہم بایں ہمہ
ترک خوش نہیں معلوم ہوتے وہ یورپ کو اپنا مناسب ٹھکانا سمجھتے معلوم نہیں ہوتے۔ وہ بخوبی جانتے
ہیں کہ یورپ کی اقوام ہمکو اجنبی سمجھتی ہیں۔ اور ہم صلیبی لڑائیوں کے زمانہ کی طرح اب بھی صرف یورپ کی عیسائی
سلطنتوں کی باہمی رقابت کے طفیل یورپ میں ٹھہرے ہوئے ہیں پس جب تک وہ پل جو ایشیا اور یورپ
کے درمیان ہے اون کے قبضہ میں ہے وہ اون دہمکیوں کی جو اون کو دیجاتی ہیں جس برابر پرواہ نہیں کرتے۔
وہ روسیوں کو بائیزنطیم کی پرانی فصیلوں سے ایک گولی کے ٹپہ پر بمقام سین سٹیفانو دیکھہ چکے ہیں جہاں
سے وہ اگر انگریزی بیڑہ دار دنلز سے گذر کر روسی فوج کے غیر محفوظ کیمپ پر آتشباری کی دہمکی نہ دیتا
تو قسطنطنیہ پر گولہ باری کرسکتے اور بآسانی تمام حملہ کرکے اوسے فتح کرسکتے تھے حکمران جماعتوں کا عقیدہ خواہ کچھہ ہو
مجہو خیال ہے کہ ترکی آبادی کے حصہ کثیر کو ایشیا واپس چلا جانا چنداں ناگوار نہ ہوگا بشرطیکہ اوسے اپنا
کل مال و اسباب ساتھہ لیجانے دیا جائے۔ اونکا قدیم مذاق خانہ بدوشی تہا۔ اور اب تک بھی یہہ مذاق
اوس میں باقی ہے۔ میری رائے میں وہ پشت توسن پر اپنے دیوان خانوں کے گدیلہ دار تختوں سے زیادہ

خوش رہیں گی۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہو گیا۔ تو اوس وقت شام۔ آرمینیا۔ اور شاید مصر کا بھی جو کچھ حشر ہو گا۔
اوس کو قیاس کرنا مشکل کام ہے۔

قسطنطنیہ کے بازاروں کا ایک اور عجیب خاصہ دیکھکر یورپین سیاح متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ ان میں علانیہ حرامکاری کا کوئی وجود نہیں پائیں گے۔ اور اگر شاذ و نادر کہیں ایسا ہو بھی تو وہ اور اقوام کی عورتیں ہونگی۔ ترکی عورت ایک بھی نہیں ہوگی۔ گداگروں کی البتہ کثرت ہے۔ خاصکر غلطہ پل پر۔ اون میں سے بعض نہایت مکروہ اور غلیظ ہوتے ہیں کبھی کبھی جب پولیس کی دوڑ پڑتی ہے تو وہ تھوڑی دیر کیلئے غایب ہو کر پھر اپنے اپنے پہلے اڈوں پر آکر ڈٹ جاتے ہیں۔

انگلستان کی طرح یہاں بھی لڑکے اور لڑکیوں کے غول و غول مدرسوں کو جاتے دیکھکر طبیعت بہت خوش ہوتی ہے۔ مدرسے ابتدائی ہیں اور سرکاری خرچ سے چلائے جاتے ہیں انمیں سے اکثر سلطان حال کی ہمت کوشش اور تحریک سے قائم ہوئے ہیں۔ جناب ممدوح تخم بو رہے ہیں جسکا پہل دوسرے اٹھائیں گے پرانے خیال والوں خاصکر طبقہ علما نے سرکاری ابتدائی مدارس قائم کئے جانیکی بہت ہی سخت اور زبردست مخالفت کی تھی جب پر سلطان المعظم کو وہ اپنے خرچ سے قایم کرنے پڑے اور انکا خرچ اپنی ذاتی آمدنی سے دے رہے ہیں جو شخص بینا آنکھیں رکھتا ہے اوسے قسطنطنیہ کے بازاروں میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نئی اور قابل دید چیز دکھائی دیگی۔ صراف۔ بازیگر۔ جپسی۔ نٹ۔ مٹھائی فروش۔ خوانچہ والے۔ ناچنے والے ریچھ اور قلندر جاری ہیں۔ گدھوں والی جمال بڑے بڑے بوجھ اٹھائے ہوئے۔ سیاہ فام خواجہ سرا۔ سفید کوڑھی۔ الغرض ہزاروں ایسی چیزیں نظر آئینگی جنکو یورپین نظروں نے پہلے نہ دیکھا ہو جب مکان کے دریچے جالی دار ہوں۔ فوراً سمجھ لو یہہ کسی ترک کا مکان ہے۔ کبھی کبھی ان دریچوں میں سے مکان کی اندرونی حصہ کی کیفیت نظر آجاتی ہے۔ مگر یہہ اندرونی حصہ عموماً سلاملک یعنی مردونکی رہایش کے کمرے ہوتے ہیں۔ جالیدار کھڑکیوں کے پیچھے خواتین رہتی ہیں۔ اونکی نسبت یہی کہا جاسکتا ہے کہ بس وہاں نامحرم کا گذر نہیں۔ یا شاذ و نادر کبھی دیکھنے کا اتفاقیہ موقع مل جائے تو یہہ ع

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

محل سرا اور خزانہ عامرہ

قسطنطنیہ کی نہایت مشہور قابل دید چیزوں میں سے ایک قدیم محلسرا کا خزانہ عامرہ ہے۔ وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے
اوسکے دیکھنے میں اسقدر بخشیش دینی پڑتی ہے۔ کہ اس خرچ کے بٹانے کیلئے عموماً بڑی بڑی جماعتیں بناکر اوسکی
سیر کو جایا جاتا ہے۔ خاص حکم کے بغیر جس پر خود سلطان المعظم کے دستخط ہوتے ہیں۔ کوئی شخص وہاں نہیں جاسکتا
درخواست سفرا اور دول میں سے کسی ایک کی معرفت کیجاتی ہے۔ اور سلطانی حکم بھی اُسی کی معرفت وصول ہوتا ہے
مقررہ دن کو جماعت اوس سفارت میں جمع ہوجاتی ہے اور محلسرا ہمایون کا ایک اڈیگانگ سلطانی پروانہ لیکر
وہاں پہونچ جاتا ہے۔ اور جماعت کو اپنی نگرانی میں لے لیتا ہے۔ اس سلطانی حکم کی بغیر اوسکے پہلو درمیانی دروازہ
جس سے گذر کر محلسرا کے اندرونی صحن میں پہونچا جاتا ہے ہرگز نہیں کُھل سکتا۔ درخواست پر میرے خاوند کا
نام بھی درج تہا۔ اور غالباً اوسی سے سلطان المعظم کو اُسکے ورود کا علم ہوا تہا۔ جماعت میں بلجیم کا سفیر۔ اوسکی
لڑکی۔ کئی دیگر انگریز سیاح اور چند شہر کے باشندے شامل تہے۔ کیونکہ شہر دار اپنے لئے سلطانی حکم تقریباً قطعاً
حاصل نہیں کرسکتے۔ سب تعداد میں بیس سے اوپر تہے۔ ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار ہوگئی تہی۔ سب سے آگے
منیر پاشا رئیس التشریفات کا نوجوان بھتیجا نجیب بک سلطانی یاور تہا۔ اس سے بعد بھی ہم کو کئی دفعہ
مختلف سفارت خانوں اور نیز اوسکے چچا کے مکان پر نجیب بک سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کمال خوش
اخلاق اور راحت بخش رہنما ثابت ہوا۔

اوس پہاڑی یا گوشہ کے مشرق اور جنوب میں جس پر محلسرا ہے بحیرہ مرمرا اور شمال میں خلیج ہے اوسکے
اوپر تلے تین تختے ہیں بلند ترین تختہ پر مختلف تعداد کوشکیں جن سے ملکر محلسرا بنا ہوا ہے۔ بیچ والے تختے پر یوں کا صحن اور
سینٹ ارین کا گرجا ہے جو اب سلحہ خانہ کا کام دیتا ہے نچلے دونوں تختوں پر باغات تہے۔ انگریزی سفارت سے
سے چلکر ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار پیرا کی نشیب ڈسٹرک سے تیزی کے ساتھ اُترکر غلطہ کے پل پر سے
استنبول میں داخل ہوگئی۔ اور پہر بائیں ہاتھ کو ہو کر ٹریم لاین کے ساتھ ساتھ پہاڑی پر چڑھ کر ایک چھوٹے سے
دروازہ سے جو محلسرا کی بیرونی دیوار میں بنا ہوا ہے۔ قدیم شاہی باغات میں داخل ہوگئی۔ کسی زمانہ میں
یہ باغات جو اب حالت کس مپرسی میں پڑے ہوئے ہیں، دُنیا میں اپنا مثل نہ رکھتے تہے۔ ریل بنانے وقت

جو محلسرائی گوشہ کے گرداگرد جاتی ہی بہہ کم وبیش برباد کردیئے گئے ہتے۔ پہلے بہہ تالاب دریا تہی۔ اب پل کی سڑک بیچ میں حایل ہوگئی ہے جب آہنی سڑک کیلئے زمین کہودی جارہی تہی تو ایک بہت بڑی مسقف ہلوان سرنگ محلسرا سے مرمرا کو جاتی ہوئی برآمد ہوئی تہی جسکی راستہ وہ بدقسمت حرمیں اور کنیزکیں جو غضب سلطانی کی مورد ہوجاتی تہیں بوروں میں سی کر سمندر کو لڑہکا دیجاتی تہیں۔ یہاں سے گذرکر ہم کو ایک سیدہی بلندی پر جہاں سڑک بری حالت میں تہی چڑہنا پڑا۔ یہ ضبوط عرب گہوڑی اس مرحلہ کو بہی مردانگی کے ساتہہ طیکر گئے۔ بعدازاں چینی لی کوشک اور دوتین دیگر منفرد کوشکوں کے پاس سے گذر کر جنکی کل عمارت پر چینی کا کام تہا۔ ہم بالائی منزل پر پہونچ گئے چینی لی کوشک اب عجائب خانہ کا کام دیتی ہی۔ اوس کو ہم نے پہر بعد میں دیکہا تہا۔ ہم اب گاڑیوں سے اتر پڑے۔ اور باب ہمایون یعنی محلسرا کے بڑے دروازہ سی گذر کر اندر داخل ہوگئے۔ سلطان المعظم ہرسال رمضان کے مہینہ میں خرقہ شریف کی زیارت کیلئے بجلوس شاہانہ اس دروازہ سے محل سرا میں داخل ہوتے ہیں۔ دروازہ کے قریب ہی باہر کی طرف احمد ثالث کا فوارہ ہی۔ جو ان تمام خوبصورت عمارتوں میں سے خوبصورت ترین گنا جاتا ہی وہ ایک چہوٹے سی مکان کے برابر ہی اور سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے حاشیہ پر نیلگوں اور سنہری مینا کاری کا اور چاروں طرف پتہر کو تراش کر باریک جالی کا کام اور طلائی کتبے کندہ ہیں۔ یہہ گذشتہ صدی کے شروع میں تعمیر ہوا تہا۔ مگر ایسا صاف اور چمکدار ہی گویا کل کام ختم ہوا تہا۔ دروازہ میں داخل ہونے سی پہلے تہوڑی دیر ہم اوسے دیکہتے رہے تہی۔ دروازہ سے گذرنے پر ہم ینگچریوں کے صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں سی بحیرہ مارمورا کے اوپر سے کوہ اولمپس کی برفانی چوٹیوں تک نظر کام کرتی تہی۔ کوہ اولمپس ایشیا کوچک کے صوبہ بیتھنیا میں ہی اور بروصہ اوس کے دامن میں آباد ہی۔ اس صحن میں ہم گرجہ سینٹ ارین یعنی اسلحہ خانہ کے پاس سے گذرے۔ اس میں داخل ہونیکی ہم نے بعدازاں کئی مرتبہ کوشش کی۔ کیونکہ روایت مشہور ہی کہ بعض نادر یونانی قلمی کتابیں وہاں رکہی ہوئی ہیں۔ یہہ قلمی نسخے خواہ کسی جگہ رکہے ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ متلاشیان صنادید کی نظروں سے اون کو بڑی احتیاط سی بچا رکہا جاتا ہی۔ چنانچہ سلطانی یاور صادق بک بہی جو سلطان المعظم نے ہمراہ ساتہہ کردیا ہوا تہا ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہ دلا سکا۔ وزیر حرب کے پاس جب درخواست کیگئی تو اوس نے جواب دیا۔ "یہہ محض وہم ہے۔ کتاب وہاں کوئی نہیں"۔

جیسا ہم کو محاربہ کریمیا کے ایک پرانے افسر جنرل کنٹ کی زبانی جو اوسوقت ہمارے والے ہوٹل

میں ٹھہرا ہوا تھا معلوم ہوا کہ جب اوس نے بارکوں اور جنگی مدارس وغیرہ کا معاینہ کیا تو سلطانی اجازت سے گرجا سینٹ ارین کو بھی کو دیکھا تھا۔ اور چونکہ اوسی معلوم تھا کہ یہ فیسر کو ان قلمی نسخوں کے دریافت کرنیکی بڑی خواہش ہے اوس نے اسلحہ خانہ میں سب جگہ اونکی تلاش کی۔ مگر اوس میں اوسکو کوئی ایسی جگہ نہ ملی جسکی نسبت گمان کیا جاسکتا کہ یہہ نادر کتابیں اوس میں رکھی ہونگی۔ جنرل کو غالباً اسلحہ اجازت مل گئی ہوگی کہ اوس کو پرانی چیزوں کا کوئی شوق نہ تھا۔ بہرحال مجھے اس گرجے کو نہ دیکھ سکنے کا افسوس رہا۔ کیونکہ اوس کے گرداگرد چند بڑے بڑے تعویذ رکھے ہوئے ہیں جن پر صلیب اور مسیح کا طغرا بنا ہوا ہے۔ انکی نسبت خیال ہے کہ وہ بعض یونانی قیاصرہ کی قبروں کے تعویذ ہیں۔ اور قسطنطین اعظم کی قبر کا تعویذ بھی ان میں ہے۔ مگر اس بحث کو چھوڑ کر میں بر سر مطلب آتی ہوں۔

ینگچریوں کے صحن کا نام ہی ہم کو سخت مہیب معلوم ہوا۔ ہم کو ایک روش کے دوسرے سرے پر اون کا وہ مشہور صنوبر کا درخت دکھائی دے رہا تھا جسکے نیچے وہ بغاوتوں کی بحث و نزاع جن وزیروں سے خفا ہوجاتے تھے اونکی ہلاکت یا برطرفی کا سلطان سے مطالبہ کرنیکے متعلق صلاح و مشورہ کرنیکے لئے جمع ہوتے تھے۔ انکی بارکیں ایا صوفیا سے پرے آت میدان میں تھیں۔ مگر اونکی سطح محلسرا کی سطح کے متوازی تھی یعنی دونوں یکساں بلندی پر نہیں۔ بغاوت کے اظہار میں وہ اپنی دیگچیوں کو الٹ دیا کرتے تھے جسکا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حکمران سلطان سے وہ آیندہ کوئی رسد نہیں لینگے۔ اس اعلان سے تمام شہر پر دہشت چھا جایا کرتی تھی۔ صحن کے گرداگرد اصطبل اور غلاموں کی رہایش کیلئے مکان بنے ہوئے ہیں۔ اس سے گذر کر ہم اورطہ کپو پہونچے۔ وہاں سلطانی حکم دکھاکر ہم اندر داخل ہوئے۔ اب تو اس دروازہ کی قطع وضع بالکل سیدھی سادھی ہے۔ مگر کسی وقت اوسکے دونوں سروں پر مضبوط پھاٹک لگے ہوئے تھے اور دونوں پھاٹکوں کے درمیان کی گنبددار جگہ نعتل کا کام دیتی تھی۔ جہاں سیاہ فام بہرے اور گونگے اوس صدر اعظم یا وزیر کو جو مغضوب ہوگیا ہو سلطان کے آخری سلام سے واپس آتے وقت فی الفور کمان سے ہلاک کردینے کے لئے ہر وقت تیار کھڑے رہتے تھے۔ اس دروازہ سے ہم جس صحن میں داخل ہوئے۔ اوس میں درخت اور پھول لگے ہوئے ہیں اور دائیں طرف کو نو باورچیخانے ہیں۔ یہہ گنبددار ہیں۔ اور ہر گنبد میں دہوئیں کے نکلنے کے لئے ایک ایک سوراخ ہے پہلا باورچیخانہ سلطان کیلئے۔ دوسرا سرگروہوں کیلئے اور اسی طرح درجہ بدرجہ نواں باورچیخانہ سب سے ادنی درجہ کے خادموں کیلئے ہوتا تھا۔ ہم ایک خوشنما روش کے راستہ جسکے دونوں طرف خوبصورت سروں کی

قطاریں تہیں۔ باب سعادت پہونچے اور اوس میں سے محلسرا کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے۔
خزانہ کا محافظ ہم کو اوسکی سیر کرانیکے لئے ابہی تیار نہ تہا۔ ہم ذرا سویرے پہونچگئے تہے۔ اسلئے اوسکے تیار ہونے
تک نجیب بک ہم کو مجیدیہ کوشک میں لیگیا۔ یہہ کوشک ایک خوبصورت گلشن میں بنی ہوئی ہے۔ وہاں سے
ایک طرف ہم کو جزائر شہزادگان تک بحیرہ مارمورا اور اولمپس کی برفانی چوٹیاں۔ اور بائیں طرف خلیج کا
دہانہ اور ایشیا اور یورپ کی پہاڑیوں کے درمیان نقرئی دہاری کی طرح پیچ در پیچ گذرتا ہوا باسفرس کا دریا دکہا
دیا۔ اسکی آرایش فرنچ طرز میں کیگئی ہوئی ہے۔ چوطرفہ کے نظاروں سے سیر ہوکر ہم اوسکے بڑے کمروں میں
سے ایک میں چلے گئے اور وہاں ہمارے سامنے کہانا چن دیا گیا۔ دعوت میں ایک عجیب واقعہ گذرا۔ ایک
خدمتگار بلوری برتن میں کوئی لبیدار شیرینی یا مربہ لاکر مہمانوں میں تقسیم کرتا تہا کہ جونہی وہ ایک لیڈی
کے قریب پہونچا اوس کا پاؤں فرش کی نہایت ہی صاف اور چکنی چوبی تختہ بندی سے جس پر سیپ
اور ہاتہی دانت کا کام تہا پہسل گیا۔ اور اوسوقت جب وہ آگے کو جہکا تو مربہ برتن سے اچہل کر لیڈی
مذکورہ۔ فرش اور خود اوسکے کپڑوں پر گر پڑا۔ اس سے کوئی چنداں نقصان نہ ہوا۔ تہوڑے سے پانی سے سب
کچہہ ٹہیک ٹہاک ہوگیا۔ مگر غلام کے چہرہ پر کچہہ ایسی مردنی سی چہاگئی ہوئی تہی کہ ہم سب کو خیال پیدا
ہوگیا کہ اوس غریب کو کوئی بہت ہی سخت سزا ملیگی۔ کہانیکے بعد سگرٹ تقسیم کئے گئے۔ بعد ازاں غلاموں کی
ایک جماعت جنکی پوشاک اور عمامے سفید تہے۔ طلائی طاشتوں میں قہوہ کی پیالیاں لیکر آئے جو پیالیاں
مرد مہمانوں کو دیگئیں۔ اونکی پرچیں ٹہوس سونے کی تہیں جن پر نقش و نگار کا بہت کام تہا۔ اور جو لیڈیوں
کو دیگئی تہیں اونکی پرچیں نہایت ہی نفیس طلائی تاروں سے بنی ہوئی تہیں اور اون پر اس قدر ہیرے
جڑے ہوئے تہے کہ تل بہر جگہ خالی نہ تہی۔ سب سے آخر قہوہ جی آیا۔ وہ اپنے بائیں بازو اور کندہے پر نہایت
ہی بیش قیمت قرمزی دستر خوان جس پر طلائی بیل بوٹے کاڑہے ہوئے تہے ڈالے ہوا تہا۔ اسکو ایک
دوسرے غلام نے اٹہا لیا۔ اور اوسوقت ہم کو معلوم ہوا کہ اوس نے ہاتہہ میں ایک لمبی اور نازک سی قہوہ دانی
خالص سونیکی پکڑی ہوئی تہی جس سے اوس نے ہماری پیالیوں میں قہوہ ڈالدیا۔ جب ہم نے پیالیاں واپس
کیں تو اون کو بڑی احتیاط سے گن لیا گیا۔ خدام کی اس احتیاط اور خبرداری کو ہم بڑی دلچسپی
سے دیکہتے رہے۔

آخرش نجیب بک نے ہم کو اطلاع دی کہ اعلیٰ خزانچی تیار ہوگیا ہے۔ ہم سب جلد عمارت کے دروازہ پر

پہونچ گئے۔ اوسکی پیشانی پر بہی چینی کا کام بنا ہوا ہے۔ دروازہ صرف اوسی وقت کہولا گیا جبکہ ہم داخل ہونیکو لئے تیار ہو گئے۔ خزانہ تین کمروں میں ہے جو ایک دوسرے کے پیچھے ہیں۔ ہر ایک چیز بلوری الماریوں میں بند ہے۔ پہر بہی ہر ایک کمرہ خادموں سے بہرا ہوا تہا۔ جو کسی وقت بہی ہم سے نظر نہ ہٹاتے تہے۔ سب سے عجیب چیز پہلے کمرہ میں ہے۔ یہہ خالص سونے کا بہت بڑا تخت ہے۔ سونے پر مینا کاری ہے اور بیشمار الماس لعل۔ زمرد اور موتی اوس پر جڑے ہوئے ہیں۔ یہہ ایران سے غنیمت میں ملا تہا۔ ایرانی دستکاریاں نزاکت اور چمک دمک میں شہرہ آفاق ہیں۔ یہہ دونوں باتیں اس تخت میں بہی پائی جاتی ہیں۔ اوس سارے کو ایک نظر دیکہنے سے کوئی ایسا ارتسام چمک یا وحشیانہ عظیم انسانی نہیں پائی جاتی۔ وہ شکل میں ایک بہت ہی بڑی ایسی مدور کرسی کے مشابہ ہے جو لکہنے پڑہنے کے کمروں میں استعمال کیجاتی ہیں۔ جواہرات میں سے موتی بالخصوص بڑے بڑے اور کمال آبدار ہیں۔ اور خوب موقع بہ موقع نصب ہیں۔ اسی کمرہ کی گیلری در برآمدہ میں ایک اور تخت بڑی تر کی ساخت کا رکہا ہے وہ آبنوس اور چوب صندل کا ہے۔ جس پر سیپ اور سونے چاندی کا نفیس کام بنا ہوا۔ اور لعل۔ زمرد اور موتی جڑے ہوئے ہیں۔ اوسکا چہتر خالص سونے کا ہے جسکے وسط میں مرغی کے انڈے کے برابر ایک زمرد لٹک رہا ہے۔ وہ گو ان کٹا ہے۔ اور تراشا ہوا کر درست نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم آب و تاب میں بے مثال ہے۔ بوارو کے گرداگرد کے تمام خانے اسلحہ اور زرہوں سے بہرے ہوئے ہیں۔ یہہ سب کے سب اعلیٰ درجہ کے مرصع ہیں۔ اور بعض دمشق کی ساخت ہیں۔ جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ ایسی کئی تلواریں ہیں جنکو قبضے از تا سر پا جواہرات سے ڈہنپے ہوئے ہیں۔ زیتون کے چار جامے اور گہوڑوں کے ساز و یراق جملہ اقسام کے قیمتی پتہروں سے مرصع ہیں۔ اور انہی بیش بہا چیزوں کے دوش بدوش بالکل بے قیمت اور ناکارہ چیزیں مثلاً فوق البھڑک کلاک معمولی چینی اور گلٹ کے برتن۔ جو غالباً پیرس کے شاہی محل سے حاصل کئے گئے تہے۔ بناؤ سنگار کے فضول لوازمات باجے اور معمولی لیوالور اوپر تلے کسی سلیقہ یا لیاقت کے بغیر رکہے ہوئے ہیں۔ ایک کمرہ کے وسط میں خانہ دار گول منبر ہے۔ اوس میں سونے اور چاندی کے سکوں سے بہرے ہوئے پیالے رکہے ہیں۔ دنیا کا کوئی سکہ نہیں جو وہاں نہ ہو۔ اکثر بہت ہی پرانے زمانے کے ہیں جن میں ایران کے ساسانی بادشاہوں کے وقت کے ایسے طلائی سکے بہی ہیں جو پرانے سکوں کے شائقین کی نظر سے ابتک نہیں گذرے۔ ہر ایک پیالہ میں جدا جدا قسم کے سکے ہیں۔

دوسری ہیر میں ان کئی جواہرات قسم وار متعدد پیالوں میں اتنے اتنی رکھے ہوئے ہیں کہ انسان اونکی
کئی مٹھیاں بھر سکتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر اگر چاہے تو جواہرات سے ہاتھوں کو غسل دے سکتا ہے۔ دوسرے
کمرہ کی دیواری الماریوں میں سلطان محمد فاتح سے لیکر جس نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کیا سلطان
محمود ثانی مصلح تک جو ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا کل سلاطین کی درباری پوشاکیں رکھی ہیں۔ آخر الذکر سلطان
نے ہی عماموں کی جگہ فس کو رواج دیکر قدیم ترکی لباس بڑی بڑی شلواروں اور وزنی خمدار تلواروں کو
متروک کرکے موجودہ سادہ ترکی لباس رائج کیا تھا۔ یہہ لباس بیش قیمت ریشمی زربفت کے ہیں جنپر
طلائی اور نقرئی کام بہت کثرت کے ساتھہ ہے۔ اور ہر ایک کے کمربند میں ایک ایک بیش بہا
پیش قبض لگا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک کا قبضہ ایک سالم بڑے زمرد کا ہے۔ ہر ایک شاہی دستار کے
ایکطرف مرصع کلغی ہے۔ خدام نے ہم کو کمروں میں بیٹھنے نہ دیا۔ نہ ایک ہی چیز کے سامنے زیادہ
عرصہ ٹھہرنے دیا۔ گو جیسا کہ میں اوپر لکھہ چکی ہوں ہر ایک چیز بلوری خانوں میں بند اور محفوظ ہے۔ خزانہ
سے باہر نکلنے پر ہمیں بتایا گیا کہ اوس سامنے کی عمارت میں جو چھوٹی سی مسجد معلوم ہوتی ہے ملبوسات
متبرکہ ... ول کریم کا جبہ علم نیزہ اون کا عصا تلوار اور کمان رکھے ہوئے ہیں۔ سلطان سال میں
ایکدفعہ بماہ رمضان معہ اعیان و امرا وہاں جاتے ہیں اور اپنے ہاتھہ سے جبہ مبارک کو نکال کر
پہلے خود چومتے ہیں اور پھر باقی کل حاضرین کو اوسکی زیارت کراتے ہیں۔ پیغمبری جھنڈا اگر کھڑا
کیا جائے تو اس کا یہہ مطلب ہے کہ دنیا کے کل مسلمان غزا کے لئے اسکے گرد جمع ہو جائیں۔ اسلئے
اوس کو صرف سلطان بحیثیت خلیفہ اور بادشاہ کھڑا کر سکتے ہیں۔ اسی ۱۸۲۶ء میں سلطان محمود
مصلح نے ینگچریوں کے مقابلہ کے وقت باہر نکالا تھا جس لڑائی میں ینگچریوں کی طاقت ہمیشہ کیلئے معدوم
ہوگئی۔ اور مردانہ مقابلہ کے بعد اونکے سات ہزار آدمی تلوار اور توپ کا شکار ہوئے تھے۔ نوعمر سلطان نے
جنہوں نے تخت پر بٹھایا تھا اون کو اسلئے نیست و نابود کیا تھا کہ وہ اوسکے کہے پر نہیں چلتے تھے۔
استنبول اور پیرا کے تمام باشندے کمال تردد اور فکر سے لڑائی کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے۔
کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ اگر ینگچری غالب آگئے تو وہ کل آبادی سے نہایت سنگدلی اور سفاکی
کے ساتھہ بدلہ لینگے۔ خزانہ کے بعد ہم نے کتب خانہ کی سیر کی۔ اس میں کہا جاتا ہے کئی ہزار قلمی
نسخے عربی۔ فارسی اور ترکی زبان میں موجود ہیں اور ممکن ہے گم شدہ یونانی نسخے بھی شاید کسی دن ہمیں

سے برآمد ہو جائیں۔ مگر ہم نے وہاں ایک کتاب یا قلمی نسخہ نہ دیکھا سب اونچی اونچی بلند الماریوں
میں جو دیواروں کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی تھیں اور مقفل تھیں بند تھیں۔ اور مکان کی ظاہری صورت
دیکھ کر اوسکے کتب خانہ ہونے کا کبھی گمان ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس مایوسی بخش کمرہ سے
ہم جلد جلد باہر نکلکر دیوان یعنی ایوان تخت شاہی کو چلے گئے۔ وہاں سلاطین ایک جالی دار کٹہرے کے
پیچھے تخت پر بیٹھ کر سفرا اور دول کو شرف باریابی عطا کیا کرتے تھے۔ ایوان کی تمام دیواروں پر عجیب و غریب
بیل بوٹوں اور چینی کا کام ہے۔ اور ایک بہت بڑا دیوان یا تخت جسکی چھت میں قیمتی پتھر جڑے ہیں ایوان
کے بہت سے حصے کو روکے ہوئے ہے۔

ناظرین کو خیال ہے کہ ۱۸۶۵ء کی عظیم آتشزدگی میں کئی کوشکیں اور چھوٹے چھوٹے محل جلگئے تھے مگر سلاطین
اس سے پہلے محلسرا کی رہائش ترک کرکے باسفرس کے جدید قصرات۔ چراغاں اور دولما باغچہ میں چلے
گئے تھے۔ اس میں اب صرف سابق سلاطین کی حرمیں اور منظور نظر کنیزکیں رہتی ہیں جن میں سے بعض
بہت ہی معمر ہیں۔ دیوان خانہ سے نکلکر بغداد کوشک کو جاتے وقت ہم محلسرا کے ایسے حصہ سے گذرے
جہاں دوسرے حصوں کی نسبت باغات عمدہ حالت میں تھے اور بنا و سنگار کی نقرئی اشیا کی کچھ مقدار
دہوپ میں پڑی ہوئی تھی معلوم ہوتا تھا کہ اون کو ابھی صاف کیا گیا ہے۔ ہمارے میٹ نے پتہ لگایا کہ
یہہ چیزیں اُن منظوران نظر میں سے بعض کی ملکیت ہیں جو کسی وقت سیاہ و سفید کی مالک رہ کر اب محلسرا
کی اون کوشکوں میں جنکی حالت باقی سے بہتر ہے موت کے دن پورے کر رہی ہیں۔ آخری سلطان
جو محلسرا میں سویا۔ وہ عبد العزیز مرحوم تھا۔ جو معزولی کے بعد یہاں وہاں بھیجدیے گئے اور پھر چند دنوں کے
بعد چراغاں محل کو جہاں وہ فوت ہوئے بھیجدیے گئے تھے۔ بغداد کوشک بلندی پر واقع ہے۔ اور
سنگ مرمر کے زینوں پر چڑھ کر اوس تک پہونچا جاتا ہے جس قدر ترکی عمارتیں اس وقت موجود ہیں وہ
سب سے خوبصورت تصور کیجاتی ہے۔ دیواریں از سرتا پا نیلگوں چینی کی ہیں۔ دروازہ ہاتھی دانت آبنوس
کے اور جس قدر قالین دیوان اور پردے اوس میں موجود ہیں وہ سب مشرقی صناعی اور دستکاری
کے بہترین نمونے ہیں۔ رنگ گو شوخ ہیں مگر ایسی اُستادی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔
کہ کل مجموعہ کو ایک نظر دیکھنے سے کوئی بیہودہ بھڑک نہیں پائی جاتی اس کوشک سے ہم نے خلیج (یا بندرگاہ)
سے بیڑے جو ہلکی پھلکی قایق سے لیکر بڑے بڑے بدشکل سٹیمروں تک ہر ایک قسم کے مرکب تری سے

پڑتی تھی۔ پیرا اور غلطہ کا خوب نظارہ کیا۔ یہہ بڑے سٹیمر جن سے عموماً ہر وقت غلیظ دہواں نکلتا رہتا ہے باسفرس میں یا جزائر شہزادگان تک بحیرہ مرمرا میں آمد و رفت کرتے رہتے ہیں۔ کوشک کے پائین میں جو باغات تھے۔ اون میں ہم نے کانستی طرز کی ساخت کا ایک ستون دیکہا جو قیصر تہیوڈوسی اس اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس پر ایک ادہ شاکتبہ ہے جس سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہہ ستون قیصر کلاڈی اس گوتہی کس کے وقت کا ہے۔ اگر یہہ خیال ٹہیک ہے تو ستون مذکور شہر کی قدیم ترین اشیا میں شمار کئے جانیکا مستحق ہے سب سے پرانی چیز وہ ستون باران ہے جو آت میدان میں کھڑا ہے۔ اور اوس پر کسی وقت ڈیلفی کے مندر کی بت اپولو کی پجارن کا طلائی ترسولا نصب تہا۔ اس کو قسطنطین وہاں سے بائی زنطیم لایا تہا۔ سانپ کے تینوں سر اب غائب ہیں۔ ایک کو سلطان محمدؐ فاتح نے فتح کے دن ایا صوفیا کو جاتے وقت اپنے گرز سے توڑا تہا۔ تین میں سے ایک سر عجائب گہر میں پڑا ہے۔ ابتدائی قیاصرہ کے زمانہ میں محلسرائی گوشہ پر کئی سرکاری عمارات موجود تہیں۔

ہم اب محلسرا کے اوس حصہ میں تہے جو حرم سرا کا کام دیا کرتا تہا بغداد کوشک حرم کے وسط میں واقع ہے ہمارا دل تو یہی چاہتا تہا کہ خوبصورت بغداد کوشک میں اور عرصہ ٹہہرے رہکر اوس کے نرم اور گدگدے دیوانوں پر استراحت کریں اور اس حشیانہ شان و شوکت۔ سفاکیوں اور پراز درد و غم واقعات پر جنکو یہہ باغ مشاہدہ کرتے رہے ہیں خیال کریں یا ایک کمرے سے دوسرے میں گلگشت کرتے پہریں۔ مگر وقت گذرتا جاتا تہا۔ اور ہم نے خلیج کے پار جاکر ابہی بگلربک اور دولما باغیچہ کے محلات کو بہی دیکہنا تہا چنانچہ ہم متروک الاستعمال اور سنسان صحنوں میں سے واپس ہوتے ہوئے جن میں کبہی وزرا۔ امرا۔ عساکر غلامان شاہی۔ خواجگان۔ اور مشرقی مطلق العنان بادشاہوں کے دوسرے وسیع وعظیم لوازمات اور خدام وحشم کا جمگہٹا لگا رہتا تہا اور طہ کاپو سے باہر نکل آئے۔ اور ہمارے قواص نے جو ہر دروازہ اور ہر عمارت میں علیحدہ علیحدہ انعام اکرام خدام کو دیتا رہا تہا۔ آخری بخشیش محافظ اورطہ کاپو کو دی۔ وہاں سے ہم گاڑیوں پر سوار ہوکر پل کو دوبارا عبور کر کے غلطہ کے پرلے بازار میں سے توپخانہ کی گہاٹ پر پہنچکر وہاں خاص سلطانی قایقیں جن میں سے ہر ایک پر دس دس چپو تہے ہمارے انتظار میں کھڑی تہیں جیسا آرام مرمرا اس کشتی پر حاصل ہوتا ہے اور کسی قسم کے جہاز یا مرکب تری کی سواری میں نہیں ملتا۔ امن پر میں اور میرا خاوند پہلی مرتبہ سوار ہوئے۔ شاہی قایقچی بڑی گہیر سے دار شلوار میں۔ بر وصہ کے سفید باریک

ریشمی کپڑے کے کھڑکرتے جن پر طلائی ڈوری لگی ہوئی تہی اور فیس پہنے ہوئے تھے۔
ان پر ہم پہلے محل دولما باغیچہ کو گئے۔ سفید سنگ مرمر کی یہہ عظیم الشان عمارت باسفرس کے یورپی ساحل پر واقع ہے اور موجودہ مذاق کے مطابق نہایت شان و شوکت کے ساتھ سجائی گئی ہوئی ہو۔ وہاں کی سب سے عجیب چیزیں بڑا درباری ہال (ایوان) جس کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہو۔ اور عجیب غریب حمام ہو۔ حمام بھی وسعت میں لاثانی ہے۔ اوسکی دیواریں شفاف سنگ سفید کی اور فرش سنگ مرمر کا ہو۔ ہم وہاں کے مرتفع باکمرہ تصاویر کو دیکھہ کر بہت حیران ہوئے۔ اوس میں زیادہ تر فرانسیسی یا دیسی مصوروں کی تصاویر تہیں جو سب کی سب نہایت ادنی درجہ کی تہیں۔ درباری ایوان سے پرے حرم سرا ہے جس میں اب وہ کنیزیں رہتی ہیں جو منظور نظر نہیں رہ گئیں اونکے واسطے محل میں ایک خوبصورت باغ بھی ہے۔ اس موقع سے بعد ہم کئی دفعہ گاڑی پر سوار اوس محل کے پاس سے گذرے۔ مگر خشکی کی طرف کی بیرونی دیواریں بہت بلند ہیں جنکی وجہ سے محل نظر نہیں آتا۔ اس دیوار میں جدا جدا دو نہایت ہی خوبصورت پھاٹک ہیں۔ سلطان المعظم بیرام کے دن ان میں سے ایک میں سے اپنے درباریوں سمیت جو سب کے سب گہوڑوں پر سوار ہوتے ہیں گذر کر محل میں رونق افروز ہوتے ہیں اور وہاں عید کا دربار کرتے ہیں۔ محل کا وہ حصہ جو باسفرس کی طرف ہے کمال دلاویز اور خوشنما ہی۔ سنگ مرمر کے زینے محل سے لیکر جسکی عمارت نفاست کے ساتھہ ہی پائیداری غضب کی ہو پانی تک چلے گئے ہیں۔
یہہ تمام سلطانی محلات سے بہت ہی بڑا ہی مگر سال میں صرف دو دفعہ چند گھنٹوں کیلئے سلطان المعظم کے استعمال میں آتا ہو۔ اسکے سیر سے فارغ ہوکر ہم پہر کشتیوں پر سوار ہوکر اور باسفرس کو عبور کر کے ایشیائی ساحل پر پہونچگئے جس براعظم کی سرزمین پر ہم میں سے اکثر نے اب پہلی مرتبہ قدم دہرا۔ بگلربک کا خوبصورت محل جسے نصیب عبدالعزیز نے تعمیر کرایا تہا خالص سنگ مرمر کا ہو۔ اس میں اب کوئی نہیں رہتا۔ اور گو سلطان المعظم وقتاً فوقتاً اوس میں اپنے شاہی مہمانوں کو اُتارتے رہتے ہیں۔ مگر وہ ابہی تک پورا مکمل ہی نہیں ہوا۔ اوس کی اندرونی آرائش کمال شاندار اور بالکل ایشیائی مذاق کے مطابق ہو۔ پہلی منزل میں ایک بڑا ستون دار ایوان ہو جسکی وسط میں سنگ مرمر کا حوض معہ فوارہ بنا ہوا ہو۔ محل کے اس حصہ کے دریچے جالی دار ہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ کبھی وقت وہ حرم سرا

کا کام دیتا تھا۔ ہمارے چند رفقا چڑیا خانہ دیکھنے کے لئے جسے عبد العزیز نے بنایا تھا اوس پہاڑی باغ پر جو محل کے پچھواڑے میں ہے چڑھ گئے۔ لیکن اکثر نے چونکہ دن بہت گرم تھا سنگ مرمر کی ایک خوبصورت اور سر کوشک میں جو باسفرس کے ساحل پر تھی استراحت کرنے کو ترجیح دی گلاب ہر کنج و گوشہ میں بافراط اُگے ہوئے تھے۔ باغبان سجیب بک کے حکم دینے پر ہمارے لئے اون کے گلدستے بنا لائے۔ یہاں سے ہم فائیقوں پہ سوار ہوکر توپخانہ کی گھاٹ کو واپس گئے۔ وہاں فلہ تھچیوں کو فراخ دلی سے انعام اکرام دیکر رخصت کر دیا گیا۔ ہمارے رفیق ایک دوسرے سے جدا ہوکر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوگئے۔ اور اوس دن کی یہ تفریح بخیر و خوبی ختم ہوگئی۔

۴۔ سلاملک

ہمیں قسطنطنیہ میں آئے چند دن ہی ہوئے تھے کہ ایک دن ہمارے سفیر نے ہم کو کہا "مجھے سلطان المعظم کا پیغام پہونچا ہے کہ حضور ممدوح اب تک پرفیسر کے ورود کی اطلاع نہ دئے جانے پر حیران ہیں۔ جلالت مآب کی اس شفقت آمیز یادآوری کے جواب میں تم پر واجب ہے کہ اگلی سلاملک میں ضرور موجود ہو جاؤ۔ سلطان المعظم اس حاضری کو حاضر ہونیوالے کیطرف سے آداب بجالائے جانیکی برابر تصور کرتے ہیں"۔ سلاملک جمعہ کے دن سلطان المعظم کے بجلوس شاہانہ مسجد کو جانیکی رسم کو کہتے ہیں۔

چنانچہ جمعہ کے دن ہمارا بیٹا گیارہ بجے کے وقت گاڑی لیکر پہونچگیا۔ اوس کے کوچ بکس پر سفارت کا ایک قواص بیٹھا ہوا تھا۔ قواص اون دیسی ملازموں کو کہتے ہیں جنہیں سلطان المعظم سفرا اور ایلچیوں کی حفاظت کیلئے مقرر کرتے ہیں۔ اون کو تنخواہ اور وردی سفرا دیتے ہیں اور سلطان المعظم کے حضور وہ اپنے اپنے سفرا اور اون کے ماتحتوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ زمانہ سابق میں اگر سفارت کے کسی عہدہ دار پر کوئی حادثہ ہوجاتا تھا تو بدنصیب قواص خواہ اوس کا قصور ہو یا نہ ہو اپنی جان سے ہاتھ دہو بیٹھتا تھا۔ جن لوگوں نے پال یاتُوف کا قصہ پڑہا ہے۔ اون کو یاد ہوگا کہ آیا صوفیا سے سکندر یاتُوف کے نامعلوم طور پر گم ہو جانے سے قواص کیسے حواس باختہ ہوگئے تھے۔ انگریزی سفارت میں جو قواص ہیں اونکی غیر رسمی وردی سیاہ نیلگون کپڑے کی ہے جس پر گنجان سیاہ ڈوری بھری ہوئی ہوتی ہے۔ پیٹی سنہری اور چوڑی ہوتی ہے اور کندھوں پر پٹل بھی سنہری ہوتی

ہی۔ وہ سب تلوار اور تیز ایک سنہری چرمی تھیلے میں جو کمر بند سے لٹکا ہوا ہوتا ہی رکھتے ہیں اور ریوالور رکھتے ہیں انکی
رسمی پوشاک ہلکی سی قرمزی رنگ کی ہے۔ جس پر ڈوری بھی اسی رنگ کی ہوتی ہی۔ یہہ
صرف درباری موقعوں پر جبکہ وہ سفید کے ساتھہ ہوں پہنی جاتی ہے۔

ہم سب صباحی پوشاک میں تھے قسطنطنیہ کے سفرا اور اونکے ماتحت رسمی لباس بہت کم
پہنتے ہیں۔ ہم پہلے بڑے بازار کے نئے حصے سے گذرے۔ کل پیرا میں بھی بازار خوبصورت ہے
وہ ۱۸۷۰ء کی عظیم آتشزدگی کے بعد جس میں انگریزی سفارت خانہ بھی جل گیا تھا ازسرنو تعمیر کیا
گیا ہی۔ تمام بہترین دوکانیں۔ کلب گھر اور ہسپانوی سفارت خانہ یہیں ہی۔ اس بازار سے دائیں
طرف چکر کاٹ کر ہم قبرستان کی طرف ہو گئے۔ اس میں ابھی تک مردے دفن کئے جاتے ہیں۔ یہہ
پہلا ترکی قبرستان تھا جو ہماری نظر سے گذرا۔ مردوں کی قبروں کے سرہانے جو ستون کھڑے کئے
جاتے ہیں اون پر شناخت کیلئے عمامہ بنا دیا جاتا ہی۔ کئی ستون گر گئے ہوئے تھے۔ اور باقی میں سے
بھی سیدھا کھڑا ہوا کوئی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کم و بیش سب ٹیڑھے ہو رہے تھے۔ تمام ترکی قبرستانوں
کی بھی کیفیت ہی جس سے دیکھنے والے کو فوراً معلوم ہو جاتا ہی کہ ترک اپنے قبرستانوں کو درست
رکھنے کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ اسکے مقابلہ پر اچھی بات یہہ ہی کہ ہر قبرستان میں چھوٹا ہو یا بڑا۔
سینکڑوں سرو اتنے بڑے قد و قامت کے لگے ہوئے ہیں جس کا انگلستان میں کبھی خیال بھی نہیں ہو سکتا
شہر کو دور سے دیکھنے پر خواہ کدہر سے اور کب دیکھا جائے اونکی وجہ سے بہت ملا ہوا نقشہ آنکھوں کے سامنے
پھر جاتا ہی۔ کیونکہ وہ ہر مسجد کے گرداگرد کھڑے ہیں اور چمکدار سفید مینار وں کے مقابلہ پر اونکی سیاہ سبزی
عجیب معلوم ہوتی ہی۔ بعض طرح اور قبرستانوں کی طرح پہاڑیوں پر بھی سیاہ ستونوں کی مانند سربفلک کھڑے ہیں ترکی مستورات
قبرستانوں میں قالین بچھا کر سارا سارا دن اون کے سایہ میں گذار دیتی ہیں۔ وہ ایسا اس لئے
نہیں کرتیں کہ اون کو متوفیوں سے کوئی گہری محبت ہوتی ہے۔ برعکس اسکے ترک مردہ جسم کی جبکہ وہ
ایک دفعہ آغوش لحد میں چلا جائے بہت کم پروا کرتے ہیں۔ اون کا قول ہی کہ جسم کے قبر میں
پڑتے ہی روح بہشت میں پہونچ جاتی ہی۔ اور روح ہی وہ چیز ہی جس سے ہم کو الفت تھی۔ اسی وجہ سے
ترک لوگ اپنے جنازوں کو ایسی جلدی سے لیکر چلتے ہیں کہ ہم عیسائیوں کو یہہ حرکت بہت نازیبا معلوم
ہوتی ہے۔ اور وہ جلدی اس لئے کر رہے ہیں کہ جس قدر جلد مردہ قبر میں جائیگا۔ اوسی قدر اوسکی

روح کو بہشت میں جلد جانیکا موقع ملیگا۔ اگر کبھی نیک بخت اور متقی ترک کے پاس سے جنازہ گذرے تو وہ جنازہ برداروں کا جو جلد جلد چلنے سے جلد تھک جاتے ہیں ضرور ساتھ بٹائیگا۔ ایسا کرنے والا اگر چالیس قدم چلے تو اوسکا ایک کبیرہ گناہ بارگاہ خداوندی سے معاف ہوجاتا ہے۔ اس سے ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ترکی مستورات صرف تفریح کے لئے قبرستانوں کو جاتی ہیں۔ قلعہ ویلی حصار کے پائیں ایک چھوٹا سا متروک الاستعمال قبرستان ہے۔ جو باسفرس کے کنارہ تک ٹہلتا چلا گیا ہے۔ اوس نواح کی ترکی مستورات کیلئے وہ عام تفرجگاہ ہے۔ مجھے خیال ہے کہ ہم کبھی باسفرس سے نہ گذرے ہونگے جبکہ ہم نے قبرستان میں ادہر اودہر اور بالخصوص اوس کی حد پر کے خوبصورت سرو کے درخت کے نیچے سبزہ زار پر چمکدار قالین بچہائے ہوئے اون پر سفید پوش مستورات کے جہرمٹ کو نہ بیٹھا دیکھا ہو۔ عورتوں کی قبر کے سرہانے نیلے سے سیدھے ستون کھڑے کر جاتے ہیں۔ جن پر سنہری رنگ سے ایک شاخ بنا دیجاتی ہے۔ اور جس قدر متوفیہ کے بچے ہوں اوسی قدر اوس شاخ پر پھول بنا دیئے جاتے ہیں۔ جو پتوں میں باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس قدر ستون مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا اون میں سے بہت ہی کم ایسے تھے جنکی شاخوں میں فقط پتے ہی ہوں۔ پھول کوئی نہ ہو۔ سرو کی میٹھی اور بھینی بھینی خوشبو کی وجہ سے قبرستانوں میں زیادہ عرصہ بیٹھنے سے کوئی مضرت نہیں پہونچتی۔

پہلے قبرستان کے مقابل جرمنی سفارت کا گرانڈیل محل ہے جہاں سے باسفرس کے اوپر دور تک نظارہ ہوتا ہے۔ ترک یہاں بہت ٹہلا کرتے ہیں اور یہ دریچہ ہے۔ اوس پر سے ہم سنگ مرمر کی محل دولمہ باغچہ پہنچے جو باسفرس پر ہے۔ اور صرف عیدین کے دربار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے سلطان عبدالمجید نے بنایا تھا۔ وہ اور اوسکا جانشین بدقسمت عبدالعزیز اکثر اسی میں رہائش رکھتے تھے۔ عبدالعزیز جب ۱۸۷۶ء میں معزول کئے گئے تھے۔ تو وہ اوس وقت اسی محل میں سکونت گزین تھے۔ یہاں سے پہلے اون کو محلسرا اور پھر چراغاں محل کو جو اس سے کچھ پرے باسفرس پر ہے اور جہاں اونکی زندگی کا بے وقت خاتمہ ہوا بھیجدیا گیا تھا۔ محل مذکور سے لیکر تبکطاش کے کل فضا فاش کی۔ ترک فوج سے بھری ہوئی تھی۔ جو سلانک کو چلی جارہی تھی۔ ہر چوک پر ہم کو سالم کی سالم کمپنیاں ملیں جو غبار آلود سڑکوں پر لمبا سفر کرنیکے بعد وردیوں اور بوٹوں کو جھاڑ رہی تھیں کئی رجمنٹیں سلانک کے موقع پر استنبول کے بعید سی حصوں شہر پناہ کے باہر سے آتی ہیں۔ اون کے

زرق برق وردیاں پہنے قہوہ خانوں کے دروازوں پر جو بازار میں بہ تعداد کثیر موجود ہیں آرام کر رہے ہیں اور قہوہ و تنباکو پی رہے تھے۔ وہاں سے بائیں طرف خشکی کیجانب سیدھا چکر کاٹ کر ہم اوس سیدھی چڑھائی پر ہو گئے جو یلدز محل کو جاتی ہے۔ سلطان المعظم ہمیشہ اسی محل میں رہتے ہیں اور صرف مسجد کو جانیکے لئے جو محل سے ایک گولی کے ٹپہ پر ہے۔ یا عیدین کے موقع پر دولمہ باغچہ میں اعیان و ارا کین سلطنت کو شرف باریابی عطا کرنے کے لئے باہر تشریف لیجاتے ہیں۔ خرقہ شریف کی زیارت کیلئے جو رمضان میں کیجاتی ہے وہ ہر سال قدیم محلسرا کو نہیں جاتے اور جس سال وہ جانیکا عزم کر لیتے ہیں تو جس راستہ سے تشریف لیجانیکا قصد ہو اوسے آخری وقت تک خفیہ رکھتے ہیں۔ تاکہ اعدا اور مفسدین اونکی ذات خلافت پناہی پر کسی قاتلانہ حملہ کا کوئی انتظام پہلے سے نہ کر سکیں۔ پہلے جبکہ سلاطین باسفرس کے ساحلی محلات میں سے کسی ایک میں رہتے تھے تو شاہانہ جلوس بڑی بڑی گلٹ شدہ قایقوں پر جو ایک ایک سو فیٹ لمبی ہیں اور ہر ایک میں ۲۶ قایقچی ہوتے تھے باسفرس کے راستہ محلسرا کی گوشہ کے پائین تک جاتی تھے اور وہاں قایقوں سے اوتر کر سب شاندار گھوڑوں پر سوار ہو کر باغوں میں سے باب ہمایون کو جاتے تھے۔ اب یہہ کشتیاں خلیج کے دہانہ پر ایک عمارت میں جو بندرگاہ پر بنی ہوئی ہے بند ہیں۔ اس دورباری جلوس کا نظارہ واقعی بہت ہی شاندار اور خوشنما ہوتا ہوگا۔ کیونکہ تمام درباری اور امرا وزرا سلطان کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ پہلے سلاطین میں سے اکثر رمضان کے آخری سات راتوں کو جن میں قرآن شریف آسمان سے نازل ہوا اولیا صوفیا کو بھی جایا کرتے تھے اور ان موقعوں پر وہی تزک احتشام اور ٹھاٹھہ ہوتا تھا جیسا اب عیدین کے دربار کے لئے دولمہ باغچہ کو جاتے وقت ہوتا ہے۔ فرق صرف یہہ ہوتا تھا کہ اون جلوسوں میں تمام بڑی بڑی مساجد کے امام بھی جلوس میں شامل ہوتے تھے۔ موجودہ فرمانروا نے ایا صوفیا جانا بالکل ہی ترک کر دیا ہے۔ مکانوں کی جالیدار کھڑکیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ سارا محلہ مسلمانوں یعنی ترکوں کا ہے۔ غربا کے مکانات کی کل دریچے جنکی مستورات کو گھر کا کل کام کاج کرنا پڑتا ہے جالیدار ہیں۔ اور متمولوں کے مکانوں میں جنکے پاس خدمتگاری کے لئے باندیاں موجود ہوتی ہیں صرف حرم سرا کے دریچے اس طرح محفوظ ہیں۔ سلاملک یعنی مردانہ حصوں کے دریچے جن میں مستورات کبھی داخل نہیں ہوتیں بلا جالی ہیں۔ پست قامت مگر مضبوط و چابک عربی گھوڑے تم سیدھی پہاڑی پر ایسی تیزی سے چڑھ رہے ہیں کہ ہم کو اون پیدلوں کے متعدد جھنڈوں کو بھی جو ایک ہی

جگہ جانے کے لئے پہاڑی پر چڑھے چلے جارہے تھے دیکھنے کا پورا موقع نہ ملا۔ کہیں عرب عمامے باندھے اور لمبے لمبے بالکل جبے پہنے کہیں ہتین وثلہ ترکی فس اور لمبے کوٹ پہنے اور ان میں سے بعض بعض اپنے خورد سال بچوں کو بھی جو نیز اسی طرح کوٹ اور فس ڈاٹے ہوئے تھے ساتھ لئے ہوئے تھے۔ کہیں ادنیٰ جماعتوں کی مستورات سفید برقعے لئے کہیں درویش لمبی لمبی بھوری کلاہیں اوڑھے۔ اور کسی جگہ ترکی سائیس فوق السمرکی وردیوں میں اپنے اپنے آقاؤں کیلئے جو پہاڑی کی چوٹی پر محل کے قریب منتظر کھڑے تھے خوبصورت اور شاندار گھوڑے جن پر ساز بھی نہایت زرق برق کے پڑے ہوئے تھے لئے چلے جا رہے تھے۔ انکے علاوہ علما، شیوخ اور مفتی گروہ در گروہ سڑک پر موجود تھے۔ جو سب کے سب سلطان المعظم کے دیدار کے لئے جنکا وہ بحیثیت اپنے شہنشاہ کے ہی نہیں بلکہ بحیثیت نائب رسول اللہ و خلیفۃ المسلمین بھی ادب و عزت کرتے ہیں چلے جارہے تھے۔

آخر ہم مسجد (جامع حمیدیہ) کے مقابل ایک پست سفید عمارت کے سامنے جاکر جس کے دریچوں سے وہ لوگ جنکو سفارتی وکلا اور ایلچی ساتھ لیجائیں یا سرفراز کرائیں جلوس کو دیکھ سکتے ہیں گاڑی سے اتر پڑے اور صحن میں سے گذر کر جس میں وہ لوگ جن کے پاس داخلہ کے ٹکٹ نہ تھے اور نیز ہتیار بند پاشا اور پاور اپنے اپنے مقررہ مقام پر قائم ہونیکے وقت کے پہونچنے کے انتظار میں کھڑے تھے۔ گذر کر دروازہ پر پہونچ گئے۔ اور اپنے نام کے کارڈ دیکر عمارت کے اندر داخل ہوگئے۔ ہم کسی قدر سویرے پہونچ گئے۔ ابھی سارے دریچے نہیں بھرے تھے۔ جس سے ہم کو ایک دریچہ میں اگلی کرسیاں مل گئیں۔ اور گو جلوس کے آنے میں کچھ دیر تھی مکان سے باہر میدان میں خاصی چہل پہل اور رونق ہوگئی ہوئی تھی۔ ہمارے سامنے سڑک سے پرے وسیع پختہ فرش پر وہ چھوٹی سی سفید مسجد تھی جس میں سلطان نماز ادا کرتے ہیں۔ دائیں طرف اس سڑک کے پرلے کنارہ پر جس کے راستہ ہم پہاڑی پر چڑھے تھے فوج سواران کے دو زبردست برے پرے باندھے کھڑے تھے۔ ایک برہ کے گھوڑے سمند اور دوسرے کے بادامی رنگ کے تھے سواروں کے ہاتھوں میں نیزے تھے جنکی سرخ سبز فنیں دھوپ میں آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ انکے سامنے کئی سو ترکی عورتیں سروں پر سفید ململ کا چادرہ و مال برقعہ کا کام دینے کے لئے باندھے ہوئی کھڑی تھیں۔ یہہ غریب لوگوں کی مستورات کا لباس ہے۔ امرا اور متمولین کی عورتیں یشمک یعنی باریک ململ کا نقاب پہنتی ہیں۔ غریب عورتیں اس رومال کا ایک سرا منہ کے اوپر سے بھی باندھ لیتی ہیں

مرد تماشائی طرح طرح کی پوشاکیں پہنے جہان اُنکے سینگ سمائے کہڑے تہے۔ تہوڑی ہی دیر
میں پہلا بینڈ گونجا باجہ کی آواز سنائی دی اور پیدل رجمنٹیں یکے بعد دیگرے بسرعت پہاڑی
پر پہونچکر اون تمام سڑکوں پر جو مسجد کے ارد گرد ہیں اپنے اپنے موقع پر صف بستہ ہوگئیں بعد ازاں
ذوالجوقوں کی دو رجمنٹیں جنکے عمامے سبز سرخ ڈہیلی شلواریں اور سفید گیسبرز تہے۔ ہماری کہڑکیوں کے
نیچے صف آرا ہوئیں۔ وہ محل کی طرف سے پہاڑی کے اوپر سے یہاں آئی تہیں۔ باجہ اون کے
آگے آگے بجتا آتا تہا اور سپاہیوں کے قدم نہایت سبک اُٹہتے تہے جنکی رفتار واقعی سپاہیانہ اکمال
بانکی اور خوش وضع تہی۔ ہمارے بالمقابل سڑک سے پرے بحری سپاہیوں کی رجمنٹ تہی۔ انکے
سپاہیوں کے کالر ملاحانہ یعنی بہت اونچے تہے۔ الغرض ہر ہفتہ مسجد کے گرد جملہ تقریبًا آٹہہ ہزار
سپاہ جمع ہو جاتی ہے۔ اور یہ فوج بہی بذاتہا کچہہ کم فرحت بخش نظارہ نہیں۔ کیونکہ ترکی سپاہی اعلیٰ درجہ
کے قواعد دان ہیں اور انکی وردی بہی بہت عمدہ اور نفیس ہے۔ اون کے افسروں
کی وردیاں سنہری لیس سے آنکہوں میں چکا چوند ڈال دیتی ہیں اور بالعموم تمام افسروں کے سینے
نشانوں اور تمغوں سے ڈہکے ہوتے ہیں۔ ہماری کہڑکیوں کے نیچے ایک ایک دو دو کرکے اسپ سوار
افسروں کی درخشاں جماعت جمع ہوگئی تہی۔ اور سامنے نیلی وردیاں پہنے ہوئے لڑکوں کا ایک
گروہ تہا۔ یہہ سلطان المعظم کے فرزند اور وہ لڑکے تہے جو اُنکے ساتہہ تعلیم پاتے ہیں۔ دیدۂ
سلطانی کی منتظر فوج کی صفوں میں سقے پانی پلاتے پہرتے تہے پہلی صف والوں میں سے اکثر کو ہم نے
سقوں سے کٹورے لیکر پچہلی صف والوں کو دیتے دیکہا۔

اتنے میں ہمارے قریب کسی نے آواز دی "ہز اکسیلنسی وہ چلے آرہے ہیں" اس پر ہم نے
باہر جہانک کر دیکہا تو ہمارے سفیر کی گاڑی پہاڑی پر چلی آرہی تہی اور دو قواص سرخ درباری لباس میں
آگے بیٹہے ہوئے تہے۔ اسی وقت بادو سے بہری ہوئی متعدد گاڑیاں آگئیں۔ اون کے آگے گدہے
اور ٹٹو جتے ہوئے تہے۔ ان میں سے جہٹ پٹ ہمارے سامنے کی سڑک پر جس پر سے سلطان المعظم نے گذرنا
تہا۔ ریت بچہا دیگئی۔ یہہ آخری انتظام تہا جس پر تمام افسر جو نیچے کہڑے تہے خبردار ہوگئے۔ نوکر
چہوٹے چہوٹے سیاہ چرمی بکس لیکر مسجد کو دوڑ پڑے۔ اون میں اون کے آقاؤں کے وہ نشانات
وغیرہ لگانے بغیر گہوڑوں یا گاڑیوں پر مسجد کو چلے گئے تہے اور اوس کے دروازہ پر جلوس میں شامل

ہوتے۔ بغیر سلطان المعظم کا استقبال کرینگے۔ نشان تمغے اور کمربندوں کے سنہری جالیں بند
تھیں۔ اوس وقت اعلیٰ خواجہ سرا جو دراز قامت مضبوط جسم معمر حبشی ہے صحن سے آہستہ آہستہ نیچے
اُترکر مسجد کی طرف روانہ ہوگیا۔ ایک خادم اوسکے نشانات وغیرہ کا بکس لئے ہوئے آگے آگے تھا
اعلیٰ ترین ارکین سلطنت (التی سی) ہیں اوس کا درجہ تیسرے نمبر پر ہے یعنی خدیو مصر پر بھی
فوقیت رکھتا ہے۔ عین اس موقع پر ہمیں پیغام پہونچا کہ ہم اپنے سفیر کی کوشک میں جو اس عمارت
کی نسبت محل سے زیادہ قریب ہے۔ آجائیں۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے پہلی جگہ سے بدرجہا بہتر نظارہ
ہوسکتا تھا۔ ایک طرف بلدز کے پھاٹک دکھائی دیتے تھے اور دوسری طرف وہ پہاڑی جو فوج
سواراں کے عقب میں تھی ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے ہی تھے کہ کسی نے آواز دی "وہ دیکھو خاتونان
حرم آرہی ہیں" وہ نہایت خوبصورت چھ بند گاڑیوں میں سوار تھیں۔ جو یکے بعد دیگرے بلدز سے
نیچے اُترکر ہمارے دریچوں کے سامنے سے گذرتی ہوئی مسجد کے صحن کے آہنی پھاٹک پر پہونچ گئیں۔ وہاں
وہ ایک دوسری کے پیچھے کھڑی کردیگئیں۔ گھوڑے کھول دیئے گئے اور خاتونیں جلوس کا نظارہ
کرنیکے لئے گاڑیوں میں ہی بیٹھی رہیں۔ جن کے دریچوں کے پردے آدھے آدھے اُٹھے ہوئے تھے۔ ہر
گاڑی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ایک ایک بدشکل و مکروہ حبشی خواجہ سرا ہوتا ہے۔ والدۂ سلطان سب
پر فوقیت رکھتی ہیں۔ موجودہ والدہ سلطان فی الحقیقت سلطان المعظم کی دایہ ہیں۔ اونکی حقیقی والدہ
اُنکے پیدا ہونیکے وقت فوت ہوگئی تھیں۔ گاڑیوں کے مقابل سے گذرنے وقت اونکے نیم برداشتہ
چلمنوں میں سے ہم صرف بیگمات کی گلابی نیلگوں۔ اور زرد و زربفت کی پوشاکوں کی ایک جھلک دیکھ
سکے۔ البتہ سلطان المعظم کی ایک خوردسال دختر بلند اختر کا چہرہ جسکی عمر ابھی اتنی نہ تھی کہ اوسے
نقاب پہنایا جائے اور اوس نے چلمن کے اوپر سے طفلانہ اشتیاق اور اجنبی کی نظر سے ہماری طرف
دیکھا ہم کو اچھی طرح دکھائی دیا۔

اس وقت تک مسجد کا صحن پاشاؤں۔ باوردوں اور ہر قسم کے عہدہ داروں سے جو زرق برق وردیاں
پہنے ہوئے تھے بھر گیا۔ صرف سلطان المعظم کی گاڑی اور انکے ہمرکاب افسروں کیلئے جگہ باقی رہی۔ اب
بارہ بجکر کچھ منٹ ہوگئے تھے۔ موذن ماذنہ کی گیلری دربآمدہ پر جو مینار کی چوٹی پر اوس کے گرد اگرد بنی
ہوئی ہے نمودار ہوگیا۔ وہ ابھی انتظار میں تھا کہ جونہی جلالت مآب کی سواری محل سے روانہ ہو۔ اذان دینا شروع کرے

اب تک تمام رجمنٹوں کے بینڈ باری باری بجتے رہے تہے۔ موسیقی بالکل یورپین تہا۔ مگر اب وہ رک گئے اور موذن کی پہلی صدا اللہ اکبر ہوا کے لطیف جہونکوں نے ہم تک پہونچادی۔ وہ گیلری پر جنوب کی طرف گہوم گیا تہا۔ اور اس طرح اوس کے اور ہمارے درمیان مینار کے حایل ہوجانے سے ہماری نظر سے اوجہل ہوگیا تہا۔ وہ گیلری پر گہومتا ہوا۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ط اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ط حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ط حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ط حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ط اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر ط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ط کے موثر فقرے دہراتا گیا اور اوس کے بتدریج ہماری طرف کو گہومتے آنے سے اوسکی آواز زیادہ بلند ہوتی گئی۔ اتنے میں تازہ بچہائی گئی ریت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی

یہہ اون پاشاؤں کی لمبی قطار تہی جو جلوس کے اگلے سرے پر تہے۔ اونکی وردیوں پر جو تمغوں سے ڈہکی ہوئی تہیں نظر نہیں ٹہیر سکتی تہی۔ وہ سڑک کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے کے پیچہے قطار باندہے محل سے نکلکر پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے مسجد کے دروازہ پر پہونچگئے۔ اور وہاں اون لوگوں کے آگے جو پہلے سے منتظر کہڑے تہے صف باندہ کر کہڑے ہوگئے۔ اون کے بعد پانچ یا چہہ دوسرے عہدہ دار گذرے۔ یہہ وزرا تہے اور سڑک کے بیچوں بیچ چل رہے تہے۔ اس وقت ہم کو سلطانی ترانہ "حمیدیہ راگ" کی ابتدائی سُریں سنائی دیتی ہیں۔ یہہ اس امر کا نشان تہا کہ جلالت مآب بلدز کی پہاٹک سے باہر رونق افروز ہوگئے ہیں۔ اب نوسب کی گردنیں موکب ہمایون کی اول جہلک دیکہنے کے لئے محل کیطرف مڑ گئیں۔ سنو! سنو! یہہ نئی صدائیں کیسی ہیں؟ یہہ ہر ایک رجمنٹ کے خلوص دل سے بلند کئے گئے نعروں کی آوازیں ہیں جو وہ سلطان المعظم کے انکے مقابل سے گذرتے وقت نوبت بنوبت بلند کر رہی ہیں۔ یہہ نعرے انگریزوں کے پر آواز اور گونجتے ہوئے فوجی نعروں "ہرّاہ" یا اہالی سویڈن کے نعرہ ہائے "راہ۔ راہ" یا جرمنیوں کے نعرہ ہائے ہاک۔ ہاک" یا اہالی اٹلی کے مختصر نعرۂ "یوا" کے مشابہ نہیں بلکہ عمیق با جذبہ اور ثقہ مگر ساتہہ ہی جوش اور جراٴت انگیز مسلسل سریلی گونج کی سی آواز سے مشابہ تہا۔ چند لمحوں کے بعد از سر تا پا سنہری گلٹ کی ہوئی بروشم دایک قسم کی چوپہیہ گاڑی) جس پر سبز مینا کاری تہی دکہائی دینے لگ گئی۔ اوس کے آگے دو شاندار شکلی گہوڑے جن پر طلائی ساز پڑا ہوا تہا جتے ہوئے تہے۔ کوچبان شوخ نیلگوں رنگ کی وردی جو طلائی کام سے ڈہکی ہوئی تہی۔

پہنے ہوئے تہا۔ دونوں طرف بہی وردیاں پہنے ہوئے سائیس گہوڑوں کو تہامے ہوئے ساتہہ ساتہہ تہے۔
اور تمام طرف جہاں تک نظر کام کرتی تہی بحری۔ فوجی۔ ملکی۔ ملازم و آقا ہر ایک شخص کے سر پر بہی
کمال رواج یافتہ اور کمال زیبندہ فس ہی فس نظر آتی تہی۔ گاڑی میں ایک میانہ قامت مگر با جلال
شخص سیدہا سادہ فوجی اوور کوٹ (لمبا کوٹ) پہنے ہوئے بیٹہا تہا سینہ پر کوئی تمغہ یا نشان کسی
قسم کا نہیں صرف ایک خمدار شمشیر کمر سے بندہی ہوئی ہے۔ اور سر پر باقی تمام لوگوں کی طرح فس
رکہی ہے۔ خمدار لمبی ناک بتا رہی ہے کہ اون کی والدہ ارمن تہیں۔ گذرتے ہوئے اونہوں نے
اپنی تیز نگاہ آنکہیں اوٹہا کر ہمارے دریچہ کی طرف دیکہا۔ اوس وقت اون کے انداز سے معلوم ہوتا تہا
کہ اونہوں نے چند کے چہروں کو پہچان لیا ہے۔ مگر بظاہر اون کا چہرہ بدستور ساکن اور بے قرار رہا
اوس پر کوئی حرکت یا جنبش نہ پائی گئی۔ نہ کسی کو اونہوں نے سلام کا جواب دیا۔ گو اون کے تمام جسم پر
ایک خفیف سی ڈولتی ہوئی حرکت پائی جاتی تہی۔ جو ایسی خفیف تہی کہ ممکن ہے وہ صرف گاڑی کی حرکت سے
پیدا ہو رہی ہو اور عمداً نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت کے مقابل شیر پلیونا عثمان غازی بیٹہے تہے۔ حضرت غازی
ممدوح ہی ایسے شخص ہیں جو جلالت مآب کے ہر وقت کے رفیق و مصاحب ہیں اور جن پر سلطان المعظم
کو پورا اعتبار اور بہروسہ ہے۔ گاڑی کے پیچہے نہایت ہی شاندار زین سواری کے چہہ خالص عرب گہوڑے
آرہے تہے جنکو ایک ایک سائیس تہامے ہوئے تہا۔

چمکدار گاڑی آہستہ آہستہ گذر کر مسجد کے دروازہ میں داخل ہو گئی تمام پاشا نعرے بلند کرتے ہیں۔
اور گاڑی اون سنگ مرمر کے زینوں کے پاس جو عام کی آمد و رفت کے دروازہ سے بائیں طرف ہیں کہڑی
ہو جاتی ہے جب سلطان المعظم جو اس تمام شان و شوکت اور جاہ و جلال کے مرکز اور روح رواں ہیں اپنی
سیدہی سادہی صوفیانہ پوشاک میں گاڑی سے برآمد ہوئے تو موذن مینار کی گیلری کے کٹہرے پر
جہک گیا اور حضور ممدوح کو مخاطب کر کے یہہ فقرہ جو صرف اسی موقع پر کہا جاتا ہے با آواز بلند کہا
"یاد رکہہ کہ تجہہ سے بہی ایک بڑا موجود ہے" اسکے بعد سلطان[1] مسجد میں داخل ہو کر نظر سے اوجہل ہو گئے۔ اور

---

[1] مسجد کی اندرونی کیفیت سے ناظرین کو آگاہ کرنے کے لئے میں مولانا شبلی کے سفرنامہ سے سلاملق کا
پورا بیان یہاں درج کر دیتا ہوں۔ تاکہ اس ہفتہ وار شاہانہ جلوس اور مذہبی رسم کے پورے حالات سے
ناظرین کو واقفیت حاصل ہو جائے۔ اور ایک سیاح کے بیان کردہ حالات کی کسی دوسرے کی تحریر سے

پاشا عام دروازہ کے راستہ نمازمیں شریک ہونیکے لئے جلد جلد اندر چلے گئے۔ جب نمازی زیادہ ہوئے اور جامع حمیدیہ جو دوسری جامع مسجدوں سے بہت چھوٹی ہے بھر جاتی ہے۔ تو صحن مسجد کے صحن میں بھی بچھادیئے جاتے ہیں تاکہ سب نمازمیں شریک ہوجائیں۔ مسجد کے کھلے دروازوں اور دروں سے امام کی گنگناتی ہوئی آواز ہم کو سنائی دیتی رہی اور ہم صحن والے نمازیوں کو ہر تکبیر پر ایک ساتھ کمال باقاعدگی سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹ - پوری ہوجاتی۔ مولانا شبلی حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:-

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پُرشان اور دلچسپ نہیں ہے۔ سلاملق ترکی لفظ ہے جسکا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے۔ چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں اسلئے اس رسم کو سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلطان عام طور پر قصر شاہی سے کبھی باہر نہیں نکلتے صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے زبان یا قلم کے ذریعہ سے اسکی تصویر کھینچنی مشکل اور سخت مشکل ہے۔ باوجودیکہ مہینے میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ[1] یہ موقع پیش آتا ہے اور اس وجہ سے اس کو ایک معمولی چیز خیال کیا جاسکتا ہے تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے کہ لوگ درختوں اور دیواروں کے کندھوں پر چڑھ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ موکب ہمایونی کی گذرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے چنانچہ ہر ایک جمعہ کو ان معزز تماشائیوں کا ایک معتدبہ مجمع موجود رہتا ہے۔ میرے زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے اور اس مجمع میں شریک ہوتے تھے۔

میں ہندوستان میں یہ حالات سن چکا تھا۔ اس لئے قسطنطنیہ پہونچکر اول اسی کی سیر کا ارادہ کیا۔ ایک شامی عرب کو جن سے حال میں ملاقات ہوگئی تھی ساتھ لیا اور جامع حمیدیہ پہونچا۔ وہاں پہونچکر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے جمے ہیں اور موکب ہمایونی تک نظر کی رسائی بھی مشکل ہے۔ مجبوراً واپس آیا۔ حسین حسیب آفندی جو کسی زمانہ میں بمبئی میں ترکش کانسل تھے اور اب قسطنطنیہ میں پولکس پنشنر ہیں۔ وہ مجھ کو اس ذریعہ سے جانتے تھے۔ کہ ہمارے وسط ہند میں بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انہی کے ذریعہ سے قسطنطنیہ کو روانہ کی تھی۔ اسی تعارف کی بنا پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن مسجد حمیدیہ میں آنا تمہارے لئے میں ٹکٹ لے رکھونگا لیکن قسمتی سے اور سچ پوچھئے تو خوش قسمتی سے جب میں وہاں پہونچا تو وہ وہاں موجود نہ تھے دیر تک مسجد کے دروازہ پر انکا انتظار کرتا رہا۔ قریباً ایک بجے جب سلطان کی آمد آمد کا غل ہوا تو فوجیں دو رویہ تک

[1] باون دفعہ کہنا شاید زیادہ صحیح ہو۔ مترجم

رکوع وسجود اور قیام کرتے دیکہتے رہے۔ اب ہم کو اپنے دوستوں سے بات چیت کرنے کا موقع ملگیا۔ ہم کو فرنچ سفیر، سویڈن کے ایلچی اور دوسرے حاضرین سے روشناس کرایا گیا۔ سیاہ وردی پہنے خدام نہایت اعلٰی قسم کی چاء لائے۔ اور سب میں سگرٹ تقسیم کئے گئے۔ اور سلطان المعظم کی مراجعت کے انتظار کا وقت بڑے خوشی اور لطف میں بسر ہوا۔ تہوڑی دیر کے بعد رئیس التشریفات سب کو اپنے آقا نامدار کا سلام پہونچانے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۔ پہیل کر ہلال کی شکل میں صف آرا ہو گئیں اور تمام راستے رک گئے۔ میں مایوس ہو کر مسجد میں داخل ہوا اور افسوس کرتا تہا کہ یہہ جمعہ بہی خالی گیا۔ تہوڑی دیر گذری تہی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی اور تمام مسجد ان گونج اٹہا۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی سواری قریب پہونچی اور یہہ "بادشاہم چوق یشا" کا نعرہ تہا جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے۔ یہہ نعرے پے در پے تین بار بلند ہوئے۔ کوکبۂ سلطانی مسجد تک پہونچا اور نعروں کی گونج ابہی تہم نہیں چکی تہی کہ موذن نے جو سلطان کے مشاہدۂ جمال کا انتظار کر رہا تہا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں آوازیں ملکر دل پر عجیب اثر کرتی تہیں۔ سلطان کہلی ہوئی گاڑی پر سوار تہے چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں ہے یعنی وہاں نماز نہیں پڑہتے اور جوتے پہن کر جا سکتے ہیں۔ گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب آکر ٹہہری۔ مسجد دو منزلہ ہے اور اوپر کی منزل میں گیلری بنی ہے جو خاص سلطان کی نماز پڑہنے کی جگہ ہے۔ سلطان گاڑی سے اتر کر اوپر کی منزل میں گئے اور ان کے جانے کے ساتہہ گیلری کے دریچوں پر اطلسی پردے چہوڑ دئیے گئے کہ ان پہ کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے۔

لوگ اطمینان کے ساتہہ بیٹہہ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ خطیب ترک تہا عرب نہ تہا اسلئے اوس کے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تہی جو عرب کے ساتہہ مخصوص ہے۔ تاہم جب دوسرا خطبہ شروع ہوا اور اس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کر کے پرجوش آواز میں یہہ الفاظ پڑہے۔ اللہم انصر ہذا السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبد الحمید خان۔ تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ میرا یہہ حال تہا کہ آنکہہ سے متصل آنسو جاری تہے اور دیر تک بے اختیار دعائیہ الفاظ نکلتے رہے عین اس موقع پر یکبارگی پندرہ بیس شخص جنکے ہاتہوں میں عرضحال اور درخواستیں تہیں اٹہہ کہڑے ہوئے۔ یہہ لوگ سلطان کی طرف ہاتہہ اٹہا کر دعائیں دیتے جاتے تہے اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تہے۔ عرض بیگی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تہا۔ بعضوں کو میں نے دیکہا کہ سلطان کی طرف اشارہ کر کے زمین تک جہکے اور زمین کو ہاتہہ سے چہوکر ہاتہہ کو چوما۔ اگرچہ یہہ تمام باتیں خطبہ کے داب اور سکوت کے خلاف تہیں تاہم کیفیت سے خالی نہ تہیں۔ دریافت

کے لئے داخل ہوئی۔ اور ہم کو پیغام دیا کہ انگریزی اور فرانسیسی سفرا کے بعد جلالت مآب ہمیں پرائیویٹ باریابی کا شرف عطا فرمادیں گے۔ اس غیر متوقعہ خسروانہ کرم گستری اور عزت افزائی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۔ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا۔ وہ اس ذریعہ سے اظہار مطلب کرتے ہیں اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر رحیمانہ اور فیاض ہے۔ اس طریقہ کو بند نہیں کیا۔

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حسیب آفندی ملے اور شکایت کی کہ میں تم کو ڈھونڈتا پھرتا تھا تم کہاں غایب ہو گئے تھے؟ بالاخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا لیکن میں تمہارے لئے اس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں۔ نماز پڑھ کر تمام لوگ باہر چلے گئے تو سلطان گیلری سے اُترے اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاملق کی بخوبی سیر ہو سکتی تھی اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا آکر ٹھہرے۔ افسران فوج اور پاشا صحن کے دائیں طرف صف باندھ کر کھڑے ہوئے حسین حسیب نے مجھکو اسی صف میں لاکر کھڑا کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ایک معزز افسر حسن اخلاق کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا اور میرے لئے جگہ خالی کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان سڑک ہے فوجیں جو دور دور تک ہلال کی صورت میں صف آرا کھڑی تھیں۔ ایوان شاہی کے سامنے سے گزرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازہ سے داخل ہوتی تھیں اور دوسرے دروازے سے نکلجاتی تھیں۔ صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ بحری۔ بری۔ توپچی۔ برق انداز۔ ترک۔ کرد۔ عرب کے جدا جدا دستے۔ موزون اور باقاعدہ رفتار۔ زرق برق اسلحے مختلف اور خوشنما وضع کی وردیاں۔ فوجوں کا پے در پے آنا اور وفادارانہ جوش کے ساتھ اپنے شہنشاہ کے سامنے سے گذرنا۔ ایسا عجیب و غریب سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا۔ عربوں کا رسالہ جو امپیریل گارڈ ہے اُنکے سروں پر عمامے تھے اور سبز شملے ہوا میں اڑکر عجیب لطف دکھاتے تھے متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور کم و بیش دس ہزار فوجیں گذریں۔ آخیر میں سلطان کے دونوں شاہزادے آئے اور عجب شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں۔ اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور اون کے چہرہ سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا۔ شاہزادے بھی جا چکے تو سلطان زینہ سے اترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا دفعتہً سلام کو جھکیں۔ میں ابتدا سے محو حیرت تھا اور آنکھوں کو

سے ہم حیران سے ہوگئے۔ جب موسم خنک ہوتو نماز کے بعد سلطان المعظم ایک چھوٹے سے بالاخانہ میں جو ہمارے گرجوں کے بغلی کمرہ کی طرح مسجد کے متصل ہے رونق افروز ہوکر دریچہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲ ٹکٹکی لگ گئی تھی۔ پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجالاؤنگا۔ لیکن از خود رفتگی کا یہہ عالم ہوا کہ تمام صف کی صف دیر تک رکوع میں رہی اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا۔ البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے اور وہ بھی قصداً نہیں بلکہ ایک بے اختیاری حالت تھی۔

پانچ چار قدم پیادہ چلکر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے افسروں نے دوبارہ سلامی دی اور وہ عجیب و غریب سماں دفعتہً آنکھوں سے چھپ گیا۔ ع دیدہ من بار دیگر خواہم ہنوز۔ سلطان جسوقت زینہ سے اُترکر گاڑی کی طرف بڑھے۔ ہماری صف سے اُن تک صرف تین چار ہاتھہ کا فاصلہ تھا اور اس وجہ سے میں اچھی طرح اون کو دیکھ سکا۔ سلطان کا حلیہ یہہ ہے۔ قد میانہ بلکہ کچھہ نکلتا ہوا۔ بدن چھریرا۔ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہے بلکہ یہہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فکر میں ہیں۔ لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ۔ اور معمولی ترکش ٹوپی ہے۔

ترکوں میں سلاملق کا طریقہ ایک مدت سے چلا آتا ہے اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بنگیا ہے۔ اس سے فقط شاہانہ جاہ و جلال کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ بڑا فایدہ یہہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصہ کا جایزہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کل فوجیں جو پایٔہ تخت اور اوس کے اطراف میں رہتی ہیں سال میں چند بار ملاحظہ سلطانی سے گذر جاتی ہیں۔ سلطانِ وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہے اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہو جاتے ہیں۔

میں یہہ تماشہ دیکھہ کر قیامگاہ پر واپس آیا تو دل جوش و اثر سے معمور تھا۔ شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خودبخود جستہ جستہ مصرعے زبان پر آتے تھے۔ قلم و کاغذ لیکر بیٹھا اور کچھہ اشعار قلمبند کئے۔ پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بھی کچھہ بڑھ کر سامان ہوگا۔ اوس کو بھی دیکھہ لوں تو لکھوں۔ چنانچہ تمہید کے جسقدر اشعار اُسوقت تک موزون ہوگئے تھے لکھہ کر چھوڑ دئے تمہید کے آخر کے ان اشعار سے

وین کہ بہ پیر رسید کز ان جلوہ گاہ تاچہ بود حاصل چشم و نگاہ

اس شعر تک۔

اور فوج کے دستے باری باری سے اون کے سامنے سے گذرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اوس دن سخت گرمی تھی اور فوجیں باجہ بجانے کی بغیر آہستہ آہستہ روانہ ہونی شروع ہوگئیں۔ فوج سواران داہیں طرف کو چلی گئی۔ اور گھوڑوں کے سموں سے گرد وغبار اُٹھہ کر دور تک ہم کو اوس سڑک کا پتہ بتاتا رہا جس پر سے وہ واپس جا رہی تھی۔ اون کے بعد کئی دوسری رجمنٹیں بھی واپس چلی گئیں اور صرف وہ باقی رہ گئیں۔ جو مسجد اور محل کی درمیانی سڑک پر دورویہ صف بستہ کھڑی تہیں۔ ہم دیکھتے رہے تہے کہ سلطان المعظم جس پلٹن کے پاس سے گذر جاتے تہے وہ اپنا رخ سڑک کی طرف سے ہٹا کر مسجد کی طرف کر لیتی تھی۔ آدہ ایک گھنٹہ کے بعد مصلیٰ اُٹھا لیے گئے اور پاشا مسجد سے باہر نکلکر پھر صحن میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اوسوقت ایک چھوٹے قامت کی نقش سنگ مرمر کے زینوں کے پاس لائی گئی۔ اوس میں برف ایسی سفید دو کمال خوبصورت نقرئی گھوڑے جو قیصر آسٹریا نے تحفتاً ارسال کئے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۔ بزم چو از جلوۂ زیبا پر است + دامن چشم ز تماشا پر است۔

بھی پر اثر اور پرجوش نظارہ مراد ہے۔

عید کے دن سلاملق نہ تھی اوس اعتبار سے فوج کی تعداد کم تھی۔ لیکن شان وشوکت جاہ وجلال۔ جوش وہ اثر سلاملق سے بھی کچھ بڑہ کر تھا۔ قریباً آٹھہ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑہ گھنٹہ تک تاتا بندھا رہا۔ اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں معلوم ہوا کہ تمام وزرا۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی۔ سلطان کے جلوس میں پیادہ پا آرہے ہیں۔ یہہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدہ میل تک تہیں۔ اور اونکے وضع اور لباس سے عجیب شان وشوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ شانوں پر ہندہن پہول۔ دامن اور آستینوں پر کلابتوں کی تحریر بیشبو مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈہکے ہوئے۔ ان سب پر آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اُٹھا۔ یہہ صف جا چکی تو سلطان کا جمال جہاں آرا نظر آیا۔ جناب ممدوح گھوڑے پر سوار تہے۔ لباس بالکل سادہ تھا۔ چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر کاب میں تہے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا اور ہر قدم پر اس دوسرے بادشاہم چوق یشا کا نعرہ بلند ہوتا تھا کہ تمام میدان گونج اٹھتا تھا۔

میں یہہ سماں دیکھکر واپس آیا تو قلم دوات لیکر بیٹھا کہ جو کچھہ خود دیکھا ہے دوسروں کو بھی دکھا سکوں لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی۔ جو تصویر میں نے کھینچی ہے۔ وہ بالکل ناکمل تصویر ہے۔

تھمے جتے ہوئے تہے۔ سلطان باہر برآمد ہوئے۔ پاشاؤں نے زمین تک جھک کر فرشی سلام کیا۔ امیر المومنین گاڑی پر سوار ہو گئے۔ اوس کا پچھلا پردہ اٹھا دیا گیا۔ اور جلالت مآب باگیں خود پکڑ کر تیز دلکی سے محل ہمایون کو روانہ ہو گئے۔ سائیس۔ یاور اور پاشا۔ دبلی ہوئے سب کے سب پارکاب ساتھہ ساتھہ دوڑے گئے۔ جلالت مآب نے واپس جانے وقت دائیں بائیں کسی کی طرف توجہ نہ کی اور آناً فاناً محل کے دروازہ میں داخل ہو کر نظروں سے پنہاں ہو گئے اور سلاملق کا جلوس ختم ہو گیا۔

(۵) محل یلدز سرائے

مَیں اس مقام کا اوپر ذکر کر چکی ہوں کہ سلاملق کے بعد سلطان المعظم ہمکو پرائیویٹ باریابی کا شرف عطا فرمائینگے۔ چنانچہ سلطانی حاجب ہم کو ایک دکمروں میں سے ایک چھوٹے سے دیوانخانہ میں لیگیا۔ اسکی آرائش سیدہی سادی صوفیانہ تہی۔ البتہ قالین نہایت قیمتی بچھے ہوئے تہے۔ دیوان خانہ میں ہم نے اعلیحضرت گرینڈ ماسٹر آف سیرمنیز رئیس التشریفات، انگریزی سفیر اور اوس کے اول ترجمان کو پایا۔ جلالت مآب سے گفتگو آخر الذکر کی وساطت ہوئی۔ کیونکہ یہہ قاعدہ ہے کہ سلطان المعظم ترکی کے سوائے اور کسی زبان میں تکلم نہیں کرتے۔ اور گو وہ فرنچ زبان کے بڑے عالم ہیں یہہ آداب شاہی میں داخل ہے کہ وہ کسی غیر زبان کو سمجھہ سکنے کا بھی اظہار نہ کریں۔ پس حضور ممدوح جس سے گفتگو کر رہے ہوں اگر وہ فرنچ زبان ہی میں کیوں نہ کچھہ کہے جسے سلطان المعظم بخوبی سمجھتے ہیں ترجمان کو اوس کا ترجمہ ترکی زبان میں کرکے سلطان کو سنانا پڑتا ہے۔

جلالت مآب میرے خاوند سے ایسی خوش اخلاقی کے ساتھہ اور مجھہ سے اور میرے فرزند سے ایسی شفقت اور نوازش سے پیش آئے کہ وہ نہ صرف ہماری توقع سے ہزارہا درجہ بڑھہ کر تہی۔ بلکہ اوس سے زیادہ کوئی خوش اخلاقی اور شفقت ہو نہیں سکتی حضور ممدوح نے خود سگرٹ پیش کئے اور دست مبارک سے دیا سلائی روشن کرکے میرے خاوند کو دی۔ ہم سب دایرہ کی شکل میں کرسیوں پر بیٹھے۔ مجھہ کو سلطان المعظم نے اپنے دائیں ہاتھہ بٹھایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے پرفیسر کی ایک تصنیف کا فرانسیسی ترجمہ مطالعہ کیا تہا۔ اون کے خوبصورت دارالخلافہ کا جس قدر حصہ ہم اب تک دیکھہ چکے تہے اوسکی تعریف ہماری زبان سے سنکر بہت محظوظ ہوئے۔ اور جب ہم کو رخصت کرنیکے لئے کرسی سے

اُٹھے تو میرے خاوند کو مجیدیہ تمغہ عطا فرمایا۔ اور مجھہ کو اپنے بانو کا سہارا دیکر کمرہ کے دروازہ تک چھوڑنے آئے۔ عزت افزائی اور شاہانہ تواضع کا یہہ انتہائی درجہ تہا۔ اور دوسرے ہی دن کل اخبارات نے اسکا لمبا چوڑا ذکر کرکے ہم کو بڑی مبارکبادیں دیں۔

سلطان المعظم نے ازراہ عنایت خسروانہ بدوران ملاقات ارشاد فرمایا تہا کہ ہم کو حضور ممدوح کے پرائیویٹ عجائب خانہ۔ کتب خانہ اور باغ کا بہی معاینہ کرایا جائیگا۔ چنانچہ ہم ایوان سے باہر آئے تو ہم نے ایک چیمبرلین (حاجب)[1] اور اعلیٰ داروغہ اصطبل کو اس انتظار میں ایستادہ پایا کہ بارگاہ سلطانی سے برآمد ہونے پر ہم کو محلسرا سلطانی کے وہ مقامات دکہلادیں۔ جہاں اجنبیوں کو بار نہیں ملتا۔ مشہور سیاح پروفیسر ویمبری[2] کے بعد جو سلطان المعظم کا بے تکلف اور گاڑہا رفیق ہے غالبًا ہم ہی ایسے پہلے اجنبی ہیں۔ جنکو محل کے یہ حصے دیکہنے کا اتفاق حسنہ نصیب ہوا ہے۔ جس کوشک میں ہم کو شرف باریابی عطا کیا گیا تہا۔ وہ اس کمرہ کے عین عقب میں ہے۔ جہاں سے سفراء جلوس سلاملق کو معاینہ کرتے ہیں۔ کوشک مذکور سے باہر نکلکر ہم پہاڑی کے اوس ڈہالو راستہ پر جس پر سے اُتر کر سلطان المعظم گاڑی پر جامع مسجد کو تشریف لیجاتے ہیں اوپر کو چڑہے اور یلدز سرا کے بڑے پہاٹک میں سے گذرکر بائیں طرف کو مڑ گئے۔ دائیں جانب حرم سرا کی سر بفلک بے دریچہ دیواریں کہڑی ہیں۔ جن کے برابر انگلستان کے کسی جیلخانہ کی بہی دیواریں بلند نہیں۔ ہم ایک بند دروازہ کے راستہ جس پر زبردست پہرہ موجود تہا ایک چاردیواری کے اندر داخل ہوئے۔ بائیں ہاتھہ ایک خوبصورت کوشک بنی ہوئی تہی۔ اوس کے قریب سے ایک تنگ روش کے راستہ ہم اچانک ایسے موقعہ پر پہونچگئے جہاں کا نظارہ عجب کیفیت بخش اور تحیر خیز خوبصورت تہا۔ محل یلدز قسطنطنیہ کی سب سے بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ وہاں ہمیں اپنے سامنے ایک کلان جہیل یا مصنوعی دریا پہیلا ہوا نظر آیا۔ وہ ہر قسم اور وضع کی کشتیوں اور قایقوں سے پٹا ہوا تہا۔ اون میں ایک کشتی ایسی بہی تہی جو برقی طاقت سے چلائی جاتی تہی۔ چاروں

---

[1] یہہ شخص نہایت ہی دلفریب ہے۔ اور اوسکی ملاقات سے طبیعت کو کمال فرحت حاصل ہوتی ہے۔ آجکل وہ جلاوطن ہے کیونکہ نوجوان ترکی پارٹی کا وہ بڑا سرگرم رکن ہے۔ مصنفہ

نوجوان ترکی پارٹی کا بست سالہ عہد حکومت کے ضمیموں میں مفصل ذکر ہوچکا ہے یہاں توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں۔ مترجم

[2] اس ہنگرین پروفیسر کے بعض لیکچر کتاب بست سالہ عہد حکومت میں درج ہیں۔ مترجم

طرف سے باغ ڈہال کہاتے ہوئے اوسکے کناروں تک چلے آئے تہے۔ گہاس کے تختے سبزی میں انگلستان
کے بہترین باغ کو مات کر رہے تہے اور خود گہاس بہی کمال صفائی کے ساتہہ ترشا ہوا تہا۔ ہر طرف
نہایت خوبصورت چہوٹے چہوٹے پودے اور نمائشی کہجوریں لگی ہوئی تہیں اور پہولوں کے حاشئے تو بیچ بیچ
قطعہ نور معلوم ہوتے تہے۔ ہوا نارنگی کے پہولونکی خوشبو کے بوجہ سے دبی جاتی تہی اور باغبان ہر تختہ میں
گہاس بلکہ روشوں پر بہی جو کنکریوں سے بہری بہری ہوئی تہیں چہڑکاؤ کرنے میں لگے ہوئے تہے۔ حرم کی دیوار جو اب
ہمارے دائیں ہاتہہ تہی اس جگہ چاردیواری کے بیرونی حصہ کی طرح برہنہ نہ تہی۔ بلکہ بانک کے سیا سفید گلاب
سکوج ہکی خوشبودار ورنیا صلیب نما پہولوں اور دیگر کئی اقسام کی بیلوں سے تالب بام ڈہنپی ہوئی تہی۔ اسکے
ساتہہ ایک بہت بڑا کبوترخانہ بنا ہوا تہا جو نصف کے قریب انہی بیلوں سے چہپا ہوا تہا۔ اور ہزاروں سفید
کبود کبوتر جن جانوروں سے رسول خدا کو بہت محبت تہی اوڑتے ہوئے اوس سے باہر نکل رہے یا اندر داخل ہو
رہے تہے اور اس کل مجسمہ کو مشرق کی چمکدار دہوپ جس میں ہر چیز ایسی صفائی سے دکہائی دیتی ہے
کہ انسان میں بعد مسافت کی تمیز تقریباً معدوم ہو جاتی ہے سنہری رنگ سے رنگ رہی تہی۔ جہیل کے آخری
سرے پر صحرائی مرغابیوں کو پہسلانے کے لئے ایک پالتو بطخ موجود رہتی ہے۔ وہاں سلطان المعظم اکثر شکار
کہیلا کرتے ہیں۔ اوس سے پرے باسفرس کے کنارے تک رمنہ (سیرگاہ) پہیلا ہوا ہے۔ اوس کا کچہہ حصہ
ہم کو مندرجہ بالا موقع سے دکہائی دے رہا تہا۔

ہم کبوترخانہ سے پرے کی ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ اوس میں ایک ہی لمبا سا کمرہ ہے۔ جو بیش بہا
خزاین اور اشیاء سے معمور ہے اور یہی سلطان المعظم کا پرائیویٹ عجائب خانہ ہے۔ اوس میں وہ تمام تحائف جو حضور
ممدوح کو موصول ہوئے ہیں اور نیز اون کے بعض متقدمین کے وقت کی بہی بیشمار قیمتی چیزیں نہایت سلیقہ اور
خوبصورتی سے ترتیب وار رکہی ہیں بیشمار کلاک دیواری گہڑیاں، اور جیبی گہڑیاں مرصع زر ہیں۔ زمرد کی بنی
ہوئی چیزیں۔ صندوقچے۔ کمال خوبصورت مجلد کتابیں۔ تمام قسم کے ظروف چینی۔ بڑی اور چہوٹی تصویریں۔
مرصع زیورات ہر قسم کے۔ الغرض نوع نوع کی گوناگوں بیش بہا اشیا اوس میں موجود ہیں۔ جو سب کی
سب الماریوں میں اس طرح سے باسلیقہ چنی ہوئی ہیں کہ انسان ہر ایک
کو فرداً فرداً بغور دیکہہ کر پورا حظ اوٹہا سکتا ہے۔ اوس میں اوس گڑبڑ اور خلط
ملط کا نام ونشان نہیں جو قدیم مجلسوں کے خزانہ میں پائی جاتی ہے۔ ایک سفید ہی الماری

میں سیور[1] کی ساخت کی نہایت ہی خوبصورت ۴۸ رکابیاں نیلگوں چینی کی رکھی ہیں۔
یہہ شہنشاہ نپولین نے بطور تحفہ بھیجی تھیں۔ ہر ایک کابی نہایت دبیز مخملی غانہ میں ہے۔ ۲۴ الماری
کی ایک طرف ہیں اور ۲۴ دوسری طرف۔ ایک ایک کابی صناعی و دستکاری کا اعلیٰ اور کامل ترین نمونہ
ہے چیزوں کے نام لکہنے میں بعض بعض جگہ غلطی ہوگئی ہوئی ہے۔ مثلاً ایک تصویر کی نسبت تختی پر جسے ہم نے
پہچان لیا کہ لارڈ پامرسٹن[2] مرحوم۔ سابق وزیر انگلستان، کی ہے۔ شوہر ملکہ معظمہ لکہا ہوا ہے۔ ایک ایک
چیز کی پڑتال اور معاینہ میں اگر ہم کئی کئی گھنٹے لگا دیتے تو بہی طبیعت سیر نہیں ہوسکتی تہی۔ مگر وقت
تہوڑا تہا۔ اور اوس میں کل مقام دیکہنے تہے۔ یہاں سے ہم پرائیویٹ اصطبلوں کو گئے۔ یہہ بہی حرم سرا
کی چار دیواری کے اندر ہیں۔ اُن میں خالص ترین عرب نسل کے بارہ عرب رہوار بندہے ہوئے تہے۔
سلطان المعظم یلدز سرا کے رمنہ میں ان ہی پر زین سوار ہو کر یا اون کو گاڑی میں جتوا کر ہوا خوری کرتے
ہیں۔ وہ سب کے سب نقرئی یا سمند تہے۔ ہم نے کتوں کا کہیں وجود نہ دیکہا۔ مشرق میں اونکی کوئی
قدر و منزلت نہیں۔ ہاں یہہ سُنا کہ سلطان المعظم کے پاس انگورہ (انقرہ) کی سفید بلیونکی ایک نہایت
ہی خوبصورت اور بے نظیر نسل ہے۔ اون سے اون کو کمال محبت ہے۔ اور کبہی کبہی اون کے بچے اپنے دوستوں
کو بہی عطا کر دیتے ہیں۔ مگر میں نے ان بلیوں میں سے کسی کو نہیں دیکہا۔ دل بہلانے والے جانوروں
کی قسم سے ہمیں صرف ایک کلاں جسم طوطا نظر آیا جو حرم سرا کے دروازہ پر پنجرہ میں بند تہا جب ہم
اوس کے پاس سے گذرے تہے تو کسی نامعلوم زبان میں جو غالباً ترکی ہوگی اوس نے چند فقرے کہے
حرم سرا کے دروازہ سے باہر نکلنے پر حاجب ہم سے رخصت ہوگیا۔ وہاں دو گاڑیاں ہم کو
شاہی اصطبلوں میں پہونچانے کے لئے کہڑی تہیں۔ ہم سوار ہوگئے۔ اور حرم سرا کی چار دیواری کے
گرداگرد خوبصورت درختوں کے رستہ میں سے پتہر کی ایک بڑی عمارت پر پہونچ گئے۔ ہم گو حرم سرا کی
چار دیواری سے باہر ہوگئے تہے۔ مگر ابہی تک یلدز سرا کی بیرونی چار دیواری کے اندر ہی تہے۔ رمنہ ایسا پر فضا
تہا کہ اگر اوس کے پرلے سرے پر ہم کو باسفرس کا دلفریب پانی نظر نہ آرہا ہوتا تو بلا مبالغہ یہی

---

[1] فرانس کا ایک شہر جو وہاں کے دار الخلافہ پیرس سے بجانب جنوب مغرب چہہ میل کے فاصلہ پر واقع اور ظروف چینی کیلئے شہرہ آفاق ہے۔ وہاں کی آبادی سات ہزار کے قریب ہے۔ مترجم

[2] سنہ ۱۷۸۴ء میں پیدا اور سنہ ۱۸۶۵ء میں فوت ہوا۔ مترجم۔

گمان ہوتا کہ ہم انگلستان کے کسی رمنہ سے گذر رہے ہیں۔ پتھر کی اس عمارت میں صرف گھوڑوں کا اصطبل ہے۔ سیاہ فام اور سفید رنگ سائیس چمکدار وردیاں پہنے ہر طرف موقع بموقع کھڑے تھے۔ طویلے دو رویہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک ایک طویلہ یا کمرہ میں ایک ایک گھوڑی بندھی تھی۔ ہم گاڑیوں سے اتر کر درمیانی راستہ پر پیدل چلکر ان خوبصورت جانوروں کو جن کے چمڑے ملائم اور چمکدار۔ آنکھیں مست اور نیز فہم اعضا کامل وضع دار تھے دیکھتے گئے۔ میر آروغہ نے ان میں سے خوبصورت ترین گھوڑی کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا کہ زین کسکر اوسے ہمارے سامنے پھرا کر دکھایا جائے اوسکا رنگ سفید براق تھا دم لمبی اور خمدار۔ اور بعینہ اوس شکل کی تھی جیسی کہ تصویروں میں ترکوں اور اون کے گھوڑوں کی دکھائی جاتی ہے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ مجھے اسلئے پھرایا جارہا ہے چنانچہ اوس نے اپنا فرض ٹھیک کسی ویسی ملکہ حسن وجمال کی طرح جو اپنی خوبصورتی اور رعنائی سے واقف ہو۔ قابل تعریف طریق سے ادا کیا۔ یہاں سے سوار ہو کر ہم پھر دوسرے اصطبل میں گئے۔ یہ گھوڑوں کا تھا جو سب کے سب سانڈ ہیں۔ گھوڑے مختلف نسلوں کے تھے۔ ان میں دو وہ سفید آسٹرین تھے۔ جو صبح واپس آتے وقت سلطانی گاڑی میں جتے ہوئے تھے۔ چند نہایت ہی مضبوط مشکی رنگ کے روسی گھوڑے تھے۔ سائیسوں نے ہم کو جاتے ہی کہدیا کہ اُن کے قریب نہ جائیں۔ کل اصطبلوں کا انتظام خفیف جزئیات تک کمال پسندیدہ اور جدید ترین فیشن کے مطابق تھا۔ یہاں بھی ایک گھوڑے پر زین ڈالی گئی اور ہمیں پھرا کر دکھایا گیا۔ اس اصطبل سے باہر کئی بڑی بڑی مسقف عمارتیں تھیں جنکی چھتیں دیواروں کی بجائے ستونوں اور محرابوں پر قایم ہیں۔ ان میں سلطان المعظم کی طرف سے رمضان کے مہینہ میں ہر رات کئی ہزار غربا کو اور عید کے دن بیشمار مخلوق کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ یہاں سے ہم اوسی راستہ جس پر سے آئے تھے۔ یلدز سرا کے پھاٹک کو واپس گئے اور ان سب نظاروں سے جو فرحت حاصل ہوئی تھی۔ اوس کا اظہار کر کے وہاں پر میر آروغہ سے رخصت ہوئے اور پھر اپنی گاڑیوں پر سوار ہو کر اپنے مکان کو واپس چلے آئے۔

اوس سے دو دن بعد سلطان المعظم کی دعوت پر میرا خاوند اور فرزند رات کے وقت محلسرا سلطانی میں شریک ضیافت ہوئے۔ اوس موقع پر جب میرے خاوند نے جلالت مآب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ وہ یلدز سرا کے متذکرہ بالا انتظامات کو دیکھ کر کمال محظوظ ہوا ہے تو حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا ”تم نے میرا پرائیویٹ کتب خانہ نہیں دیکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اوسے بھی تم ضرور دیکھو“ ہم نے اس کا

ذکر صادق بک سے کیا۔ بک موصوف کو جو سلطانی یاور تھا۔ جلالت آب نے اس کام پر مامور فرما
دیا تھا کہ جب تک ہم ممالک محروسہ میں ہیں جہاں ہم جائیں ہمارے ساتھہ جاکر ہم کو ہر ایک چیز کی
سیر کرائے۔ وہ بہت خوش اخلاق شخص ہے۔ اور یہہ زیادہ تر اُسی کی مسلسل نوازش و شفقت اور توجہ کا
باعث تھا کہ قسطنطنیہ میں ہمارا وقت ایسی خوشی اور مسرت کے ساتھہ بسر ہوا۔ اوس نے فوراً اس بات کا انتظام
کر دیا کہ ہم دوسرے دن کتب خانہ کو دیکھہ سکیں۔

چنانچہ ہم پھر یلدز سرا کے بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہوئے۔ مگر داخل ہوتے ہی دائیں طرف کو
مڑ گئے۔ اور حرم سرا کی چاردیواری سے باہر باہر ہی رہکر جلد ایک کوشک میں جس میں ایک ہی طویل و
بلند کمرہ بنا ہوا ہی پہونچ گئے۔ یہہ سلطان المعظم کا پرائیویٹ کتب خانہ تھا۔ اس کا مہتمم ایک پیرانہ سال
مقبول صورت اور خوش خلق ترک تھا۔ وہ اپنی مادری زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول سکتا۔ تاہم اپنے
زیر اہتمام کتابوں کا عاشق شیدا اور اُن پر کمال نازاں ہے۔ اور اسکے ماتحت سات یا آٹھہ ذہین طبع اسسٹنٹ
تھے۔ مہتمم نے ہم کو جھٹ پٹ ایک میز کے گرد بٹھا کر کتابوں کی فہرست جو نہایت احتیاط سے تیار
کیگئی ہوئی اور خوب پُرتھی ہمارے سامنے رکھہ دی۔ اور صادق بک ترجمانی کا کام دینے کے لئے
ہمارے قریب کھڑے ہو گئے۔ میرا خاوند جس کتاب کا نام بتاتا۔ اوسی وقت معمر ایسی مخلصانہ مستعدی سے
تلاش کر کے فی الفور لے آتا۔ کہ اوسے دیکھہ کر دل پر نہایت اثر ہوتا تھا۔ اسسٹنٹ بھی قابلیت کے
ساتھہ اوسے امداد دیتے رہے۔ پہلے وہ چند خوبصورت فارسی زبان کے قلمی نسخے لائے۔ اون کے
صفحوں اور جلدوں پر سنہری کام تھا۔ پھر میرے خاوند نے ترجمان کی معرفت اُنہیں کہا کہ کتب خانہ میں
اگر ہندوستان کی کوئی کتابیں ہوں تو میں اون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ چند لمحوں میں پھرتی کر کے
ویسی سب کتابیں لے آئے۔ مگر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ زیادہ تر فن موسیقی پر تصنیف کتابیں ہیں۔ بعد ازاں
وہ قرآن شریف کے چند قلمی نسخے اور تفسیریں ہمارے سامنے لائے۔ اور اسکے بعد ہم سے درخواست
کی کہ کمرہ میں گشت کر کے کل کتابوں کو ایک نظر ملاحظہ کرلیں۔ الماریاں گول اور بہترین ساخت
کی تھیں ادھر اُدھر ہٹائی جا سکتی تھیں۔ کمرہ کے ایک سرے پر انگریزی۔ فرنچ اور جرمن زبان کے مستند
مصنفین کی تصنیفات کا بہت عمدہ ذخیرہ تھا۔ کمرہ کے وسط میں آئینہ دار الماریاں تھیں۔ جو زرنگار
جلدوں کی باتصویر کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان میں سے اکثر بطور تحفہ موصول ہوئی تھیں جب تک میرا

خاوند صادق بک کی وساطت سے پیرانہ سال مہتمم کے ساتہہ باتیں کرتا رہا۔ اسسٹنٹ مجہہ اور میرے فرزند کو استنبول کی شاہی عمارات اور ممالک محروسہ عثمانیہ کے دیگر مقامات کی چند نہایت ہی خوبصورت عکسی تصویریں دکہلاتے رہے۔

ان لوگوں نے ہم کو خوش کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکہا اور کمال خوش اخلاقی اور توجہ سے پیش آئے سلطان المعظم نے اون کو ہمارے آنیکی پہلے سے خبر بہجوادی تہی۔ مہتمم نے ہم سے ذکر کیا کہ جلالت مآب کو اس کتب خانہ سے بہت اُنس ہے اور تقریبًا ہر روز بلا ناغہ یہاں تشریف لاتے ہیں۔ میرے خاوند نے حضور ممدوح سے اپنی تصنیفات پیش کرنیکی اجازت ملنے کی درخواست کی تہی۔ مہتمم نے ہمیں بتایا کہ سلطان المعظم نے مجہے حکم بہیجدیا ہے کہ جب وہ کتابیں آئیں اون کو نمایاں جگہ پر رکہو۔ ہم اس دلکش مقام سے طبیعت پر بڑا جبر کرکے رخصت ہوئے۔ حضرت مہتمم مع اپنے تمام عملہ کے دروازہ تک ہمارے ساتہہ آیا اور وہاں سے وہ مشرقی قاعدہ کے مطابق موربانہ فرشی سلام کرکے یعنی دایاں ہاتہہ پہلے سینہ اور پہر پیشانی پر رکہہ کر واپس ہوگئے۔ ہم کتب خانہ میں دو گہنٹے ٹہہرے۔ جو وقت وہاں کے عملہ کی نوازش اور خوش اخلاقی سے بہت خوشی کے ساتہہ بسر ہوا۔

(۶) رسول اللہ

زمانہ قدیم یعنی بت پرستی کے زمانہ کی عجائبات کا بہی ایک عجائب گہر اب قسطنطنیہ میں قایم ہوگیا ہے جس سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ زمانہ کی رفتار اور ترقی کے سامنے بتدریج کل تعصب اور توہمات دور ہوتے جاتے ہیں عجائب گہر کی عمارت کے گرداگرد جو یونانی سنگی مورتیں رکہی ہوئی ہیں وہ سب کی سب بے سر ہیں۔ یہہ امر اوس سلوک کو جو زمانہ قدیم کی ان نادرہ روزگار عجوبات سے گذشتہ زمنہ میں ہوتا تہا۔ بخوبی واضح کررہا ہے۔ مگر اب نقشہ بالکل بدل گیا ہے۔ ان بے سر اور شکستہ مورتوں کو درست کرنے کی گو کوئی کوشش نہیں کیگئی جنکی اگر درستی کردیجائے تو اشیاء قدیم کے تمام شایقین نہایت ممنون ہوں۔ تاہم اسوقت جمع پرانی چیزیں نئی دستیاب ہوتی ہیں۔ اونکا ایک ایک ذرہ اور ٹکڑہ نہایت احتیاط سے جمع کیا جاتا ہے اور اگر ممکن ہو تو اس شکستہ ٹکڑے کو اوس کے مناسب موقع پر جوڑ دیا جاتا ہے اسلامی ملک میں ایسا ہونا بالکل نئی بات ہے۔ اور اکثر دیگر چیزوں نے مثلاً بیل۔ ماربرقی۔ اور روزانہ اخبارات

وغیرہ کے اجراء کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ ٹرکی بالیقین ترقی کر رہی ہے
اور اکثر لوگوں کا جو یہہ خیال ہے کہ اسلامی ممالک کبھی ترقی نہیں کر سکتے اور اسی طرح ٹرکی بھی مسلمانوں
کا ملک ہونیکی وجہ سے بالکل بے حس و حرکت پڑی ہے - وہ بالکل غلط ہے - اہالی فرنگستان کا یہہ مقولہ ہی
کہ اسلام اور ترقی دو متضاد چیزیں ہیں - ان بیشمار غلط اور مشہور عام مقولوں میں سے ہے جن میں صداقت کا
صرف چھوٹا سا ذرہ غلط فہمی کی مقدار کثیر سے ڈھنپا ہوا ہے - یہہ بالکل درست ہے کہ مسلمان اپنے مذہب
اور اپنی پرانی رسم و رواج اور احادیث و روایات قدیمہ کے سخت گرویدہ ہیں - وہ ان روایات کو تقریبًا
ویسا ہی مقدس سمجھتے ہیں جیسا کہ قرآن شریف کو - اور معاشرت و زندگی کے روزمرہ کے کاروبار
میں بھی انہی پر دار و مدار رکھتے ہیں - اسی طرح ترک بھی لا کلام بڑے پابند مذہب اور لکیر کے
فقیر بلکہ بعض معاملات میں وہمی مزاج اور تنگ خیال بھی ہیں - وہ ہر قسم کی فلسفیانہ بلند خیالیوں کے
بڑے مخالف ہیں - گو ان میں سے چند اشخاص صوفیاء کے پراسرار طریقہ کے پیرو ہیں - تاہم عوام جس
بات میں آزادخیالی کی بو بھی پائی جائے اوس سے سینکڑوں کوس پرے بھاگتے ہیں - حتی کہ ایران میں
جو کئی باتیں گوارا کر لی گئیں ہیں - ان کو ٹرکی میں کبھی پسند نہ کیا جائے - جس خلوص اور صدق دلی سے
ترک اپنے مذہبی فرائض کو ادا کرتے ہیں اوسے دیکھکر غیر مذہب والے کو بھی سچی فرحت حاصل
ہوتی ہے - کوچہ و بازار میں راہ چلتے چلتے تم اکثر دیکھوگے کہ جب نماز کا وقت ہوا - عام آدمی ہوں یا سپاہی
حمال ہوں یا گداگر - فورًا قبلہ رخ ہو کر رکوع و سجود میں مصروف ہو جاتے ہیں - مسجدوں میں ہر روز لوگ نماز
پڑھنے جاتے ہیں اور اوس سے فارغ ہو کر پھر گھروں یا دکانوں کو لوٹ جاتے ہیں اور اپنے دنیاوی
کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں - مساجد میں زیادہ تر مرد جاتے ہیں جن میں جوان بوڑھے سب عمر کے
ہوتے ہیں جمعہ کے دنوں کو تمام مسجدیں بھر جاتی ہیں - اور نمازیوں کا بڑا کام یہہ ہوتا ہے کہ یا چپکے چپکے
دل میں نماز پڑھیں یا امام کے پیچھے چپ چاپ کھڑے ہو کر قرآن شریف کی قرات سنیں - یا نماز کے بعد
اخلاقی و مذہبی بلکہ پولیٹکل (سیاسی) امور پر وعظ و نصیحت اور خطبہ سنیں - جامع ایا صوفیا میں امام کو
تلوار پر سہارا لگائے محراب پر چڑھتے ہوئے اور پھر تلوار کو کندھے کی اونچائی سے ہلاتے ہوئے خطبہ دیتے
یا وعظ کرتے دیکھنا قابل دید نظارہ ہے خواہ اوس کے دیکھنے سے ہم عیسائیوں کے دلوں میں جو خیالات پیدا
ہو جائیں وہ کسی طرح کے ہی کیوں نہ ہوں - وعظ ہمیشہ اخلاقی اور مذہبی معاملات پر ہی نہیں بلکہ بعض

وقت پولیٹیکل قسم کا بہی ہوتا ہی - اور عوام الناس اوس کو ویسے ہی غور سے سنتے ہیں جیسے غور سے کہ وہ قرآن شریف کی کسی سورت کو سنیں - البتہ یہہ امر قابل افسوس ہے - کہ دیگر مذاہب کی مقدس کتابوں کی طرح قرآن شریف میں بہی فقط مذہب کے بنیادی اصولوں کا ہی نہیں بلکہ معاشرت[۱] اور تمدن کی چہوٹی چہوٹی سی باتوں کے متعلق بہی متعدد جزوی قواعد درج ہیں - اُن معاشرتی قواعد میں سے بعض ایسی ہیں کہ وہ فقط صحرا کے بدوؤں کے حسب حال تہی - اُن پر یورپ کے موجودہ بڑے بڑے شہروں میں سے کسی ایک میں کاربند ہونیکی چنداں احتیاج ہی نہیں - بلکہ یہہ کہ وہاں اُن پر عمل ہو ہی نہیں سکتا - اونکی سوسائٹی کا نقشہ اوس سوسائٹی سے جو ان اخلاقی قواعد کو وضع کرتے وقت (حضرت) محمد[۲] (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے موجود تہی بالکل مغایر ہے - معلوم ہوتا ہی کہ جناب ممدوح کے پیروؤں نے اون کے اس ارشاد کو بالکل بہلا دیا ہی - کہ میں[۳] بہی تم جیسا ایک انسان ہوں جب میں مذہب کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں - تو اوسکی تعمیل کرو مگر جب میں تم کو دنیاوی معاملات کے متعلق کچہہ حکم دوں تو اوسوقت میں بہی تم جیسا انسان ہوں" - حالانکہ حضرت ممدوح کے وقت سے اب زمانہ کی ہر چیز کا رنگ ڈہنگ بدل گیا ہی - اور ان کے کئی قواعد جدید حالات پر اطلاق کئے جانیکے قابل نہیں رہگئی - جس نقطہ سے ابتدائی خلفا کے فاتح و منصوبوں[۴] غیر مذاہب کے لوگونکو

---

[۱] میں اسجگہ پروفیسر بیک ہولر کے ساتہہ بحث کرنا پسند نہیں کرتا ایسی سطحی اعتراضات کے جوابات قبلہ سر سید مرحوم اور آنریبل سید امیر علی صاحب ایسے جادو نگار مفصل اور واضح طور پر دیچکے ہیں انہی قواعد کی خوبیاں کم نظر عیسائی مہذبین پر جو پچاس ساٹہہ برس ہوئی اس بات کے قایل ہی نہ تہے کہ اسلام کے کسی قاعدہ میں بہی کوئی خوبی ہو سکتی ہی اب خود بخود بتدریج واضح ہوتی چلی جا رہی ہیں - اور وہ وقت بعید نہیں کہ اونکی سب احکام کی موزونیت اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے حسب حال ہونیکی کیفیت پوری طور پر واضح ہو جائیگی - مترجم

[۲] پروفیسر کے اس فقرہ سے عیسائیونکی غلط فہمی کی اصل کنہ ناظرین کو معلوم ہوگئی ہوگی بات یہہ ہی کہ منصف مزاج سے منصف مزاج عیسائی بہی یہی خیال رکہتا ہی کہ یہہ احکام و قواعد حضرت سرور کائنات کے خود وضع کردہ تہی - حالانکہ اونکی واضع وہ ذات برتر و اعلی ہی جس کے علم سے ماضی حال اور استقبال کی ذرہ ذرہ چیز پوشیدہ نہیں - مترجم

[۳] یہہ حدیث بہی درست محل پر استعمال نہیں کیگئی حضرت سرور کائنات نے صرف اپنے ارشادات کی ایک قسم کی نسبت ایسا بیان فرمایا تہا - نہ کہ قرآن کریم کے احکام کی نسبت جنکو وہ صادر کنندہ نہ تہی بلکہ محض سنا دینے اور پہونچا دینے والے - مترجم

[۴] یہاں بہی پروفیسر صاحب بقول کجا بود مرکب کجا تاختم عجب غلط فہمی میں پڑ رہی ہیں بحث تو کر رہی تہے حضرت سرور کائنات

دیکہنے تہے ویسی نظر سے کم از کم قسطنطنیہ ایسے شہر میں جہاں اعلیٰ ترین منصبوں میں سے کئی ایک پر عیسائی
مامور ہیں اور جہاں عیسائی اور مسلمان سٹیمروں۔ ٹریم گاڑیوں اور ریل کی گاڑیوں میں ایک دوسرے کے دوش
بدوش بیٹھے سگرٹ پیتے اور اپنے اپنے اخبار پڑہتے رہتے ہیں مسلمان غیر مذاہب والوں کو نہیں دیکھ سکتے
ہیں یہہ نہیں کہنا کہ ترکوں کی متوسط اور ادنیٰ جماعتوں کے دلوں میں عیسائیوں اور اجنبیوں کی طرف سے
مطلقاً عناد اور دشمنی موجود نہیں ہوگی۔ اگر قسطنطنیہ کے بازاروں میں کوئی بلوہ ہو جائے۔ یا ترکوں کو
مفصلات میں عیسائیوں کے بغاوت کر دینے کا اندیشہ ہو جائے تو اون کے دلوں میں عیسائی کتوں
کی طرف سے جو نفرت خوابیدہ موجود ہے وہ باسانی بہت مشتعل ہو سکتی ہے۔ ہر ایک پکے ترک کا عقیدہ ہے
کہ جو لوگ قرآن شریف کو خدا کا کلام نہیں مانتے وہ بلے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ پس
جن لوگوں کی یہہ کیفیت ہو۔ ہمکو (اون کے تعصبات اور توہمات کی اصلاح کے بارہ میں) بے اندازہ
توقع نہیں رکہنی چاہئے۔ ہم کو اپنے عیسائی ممالک کے فرقہ پیوریٹن[1] کی تنگ خیالی کیا معلوم نہیں۔ یہہ
کوئی زیادہ برسوں کی بات نہیں ہے کہ کلیسیائے سکاٹ لینڈ کے چند ارکان نے اپنی رائے ظاہر کی تہی۔
کہ جو لوگ گرجا میں ارغنون (باجہ) کے استعمال کو پسند کرتے ہیں وہ کبہی عذاب اخروی سے مخلصی
نہیں پا سکتے۔ ترک لوگ سکاٹ لینڈ والوں سے نہ سہی پیوریٹن فرقہ کے معتقدوں سے کئی باتوں میں مشابہ
ہیں۔ اور اون کا مذہبی جوش بڑی آسانی سے مشتعل ہو سکتا ہے۔ ہم بے تعداد کہانیاں سن چکے ہیں کہ
بلگیریا میں ترکوں نے ناگفتہ بہ ظلم و ستم کئے ہیں۔ مگر عیسائی یہہ تو بتائیں کہ لڑائی میں کون قوم اس ہی بری
رہتی ہے۔ مان لیا کہ ترک سفاک اور ناگفتنی ہیں۔ بلغاری عیسائیوں کی اسوقت کیا کیفیت تہی جبکہ وہ
چیرہ دست ہو گئے تہے اور اون کو بدلہ لینے کا موقع ہاتہہ آگیا تہا۔ یہہ درست ہے کہ موجودہ علما ترک
سپاہیوں کو بہی تلقین کرتے ہیں کہ موقع حرب پر جس قدر زیادہ عیسائیوں کو قتل کیا جائے اوسی قدر بہشت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳۔ کے وضع کردہ قواعد پر جنکی زمانہ مبارک میں مسلمانوں کو عیسائیوں پر کوئی منتجہ خیز فتح
نہیں حاصل ہوئی تہی۔ بلکہ الٹا عیسائیان حبش کا ممنون احسان ہونا پڑا تہا اور پہونچے ہیں۔ ابتدائی خلفا کے
زمانہ میں جنکو قواعد کی توضیع میں کوئی دخل نہیں حاصل تہا۔ علاوہ بریں اون کا یہہ خیال بہی غلط ہے کہ اس زمانہ
میں غیر مذاہب بالخصوص عیسائیوں کو حقارت یا عناد کی نظر سے دیکہا جاتا تہا زیادہ توضیح کیلئے دیکہو مضمون مظالم اینیا۔ مترجم

[1] یہہ فرقہ عیسائیوں کا گویا وہابیہ فرقہ ہے۔ مترجم۔

کا ملنا زیادہ یقینی ہوجاتا ہے۔ اور جب ایسی تعلیم ہے تو ظاہر ہے کہ سپاہی بہشت میں جانیکے لئے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھیگا۔ لیکن اسکے ساتھہ یہہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ دیگر مقدس کتابوں[1] کی طرح قرآن شریف اسیروں کے ساتھہ نرمی کرنے کا حکم دیتا ہے اور عورتوں اور بچوں پر سختی نہ کرنیکی خاص طور پر تاکیدی ممانعت کرتا ہے۔ افسوس ہے تو یہی کہ عام درجہ کے ترک قرآن شریف جانتے نہیں وہ عربی سمجھہ نہیں سکتے۔ اور تر کی ترجمہ کے چھپنے کی اجازت نہیں۔ چند برس ہوئے۔ مدراس میں ایک مسلمان اس جرم میں اسلام کے دایرہ سے خارج کر دیا گیا تہا کہ اوس نے عربی کے بجائے قرآن شریف کی آیات کا اردو ترجمہ نماز میں پڑہا تہا۔ جو عربی جانتے ہیں۔ اُنہوں نے تو قرآن شریف کا مطلب درست سمجھہ لیا۔ مگر جو نہیں جانتے اون کو جو کچہہ مُلا اور امام بتائیں درست ماننا پڑتا ہے۔ مسلمانوں میں مذہبی تعند اور کا ویسا کوئی طبقہ موجود نہیں جس طرح ہم عیسائیوں میں پادریوں کا۔ اسلامی ممالک میں علما کی ایک جماعت ہوتی ہے جو الہیات فقہ اور دیگر مذہبی علوم میں ماہر ہوتے ہیں۔ اہل محلہ و دیہات انہی میں سے امام مقرر کر لیتے ہیں مساجد میں باجماعت نماز پڑہانا اُنکا کام ہوتا ہے۔ مفتی (مشیران قانونی) اور قاضی (جج) گورنمنٹ مقرر کرتی ہے۔ ان علمار کی تعلیم بالطبع اُنکے ذاتی خیالات سے رنگی ہوتی ہے۔ جن خیالات میں سے اِس کا باعث خواہ مذہبی یا سیاسی وجوہات ہوں) ایک یہہ ہوتا ہے کہ اون کے دلوں میں عیسویت کی طرف سے رنجش اور نفرت ہوتی ہے۔ مذہبی اور سیاسی پرجوشی اور تحریک کے اوقات میں اُن لوگوں کو عوام الناس پر بڑا اقتدار حاصل ہوتا ہے اور اوس موقع پر وہ گورنمنٹ کی صلح کل اور زیادہ وسیع الخیال پالیسی کو ہزیمت دیکر بہت کچہہ نقصان پہونچا سکتے اور شرارت کہڑی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ترک عیسویت سے بے خبر رہنے اور اوس سے نفرت رکہنے کی وجہ سے مستوجب ملامت ہیں تو پہر عیسائی تو اون سے بدرجہا زیادہ اسکے مستوجب ہیں۔ ترک تو صرف بیخبر رہتے ہیں یا دل میں نفرت رکھتے ہیں۔ ہماری عیسائی حضرات مذہب اسلام کی نسبت علانیہ حقارت کے ساتھہ ذکر اذکار کرتے ہیں۔ عیسائی فقیہ اور عالمان علوم مذہبیہ اس کے جواب میں یہہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم قرآن نہیں جانتے۔ قرآن کے متواتر کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔ اور گو اسلامی علوم دینی کو درست طور پر سمجھنے کے لئے احادیث اور روایات کا علم ہونا ضروری ہے تاہم صرف قرآن شریف کو ہی بغور پڑہنے سے انسان مذہب اسلام سے خاصی واقفیت پیدا

[1] کیا توریت اور وید میں بہی ایسی ہی نرمی کا حکم ہے۔ مترجم

کر سکتا ہے۔ دنیا میں تمام ضروری اصولوں میں کوئی دو مذہب ایسے کامل متفق اور متحد نہیں جیسے کہ اسلام اور عیسویت۔ یہہ دونوں ملتیں ایک ہی باپ کی بیٹیاں ایک دوسری کی سگی بہنیں۔ اور ایک ہی روح سے فیضیاب ہیں۔ اگر حضرت محمدؐ کو عیسویت کے بعض عقاید کے مدعا کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوجاتی تو ظن غالب ہے کہ رسول خدا اور اون کے معتقدین عرب صاف اور سادی عیسویت کو اپنا مذہب قبول کر لیتے۔ اس کو کل تسلیم کرتے ہیں اور سب سے بڑھکر خود آنحضرت صاف صاف تسلیم فرما چکے ہیں کہ اونہی منبعوں سے جو کہ یہودی اور مسیحی مذہب کے تہے اون کو علم اور الہام حاصل ہوا اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے مخالفین کو بہی اس بات کا پورا پورا علم تہا۔ کیونکہ رسالت سے انکار کرتے وقت وہ یہہ کہا کرتے تہے کہ یہہ باتیں کسی انسان نے آنحضرت کو سکہائی ہیں۔ اسبارہ میں دو یہودیوں جبر اور یاسر کا نام لیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت کو عہدنامہ عتیق پڑھکر سنایا تہا۔ حضرت کی حرم محترم میں سے ریحانہ پہلے یہودی المذہب اور ماریہ مسیحی المذہب قبطن تہیں۔ حضرت خود نہیں پڑھ سکتے تہے۔ اور اس امر کا سخت افسوس ہے کہ اون کو یہودیت اور نصرانیت کا علم کسی پاک اور زیادہ براہ راست ذریعہ اور وسیلہ سے نہ ہوا یعنی عیسائیت اور یہودیت کے اچھے نمونے اونکی نظر سے نہ گذرے)۱ عیسائیوں کے جو فرقے اونکی نظر سے گذرے اونہوں نے عیسویت کو خراب کردیا ہوا اور اوس کے چند لازمی اور ہمسر کردہ عقاید کو غلط لباس پہنا دیا ہوا تہا۔ اوسوقت عیسائی علمار کا یہہ حال تہا کہ اون میں فی الواقع اس مسئلہ پر بڑے زورشور سے بحث مباحثہ ہورہے تہے کہ آیا مریم دیوی تہیں یا انسان اور آیا وہ معصوم تہیں یا خطاکار۔ ایسی صورت میں کیا حضرت محمدؐ اور اور اون کے پیرؤں کے عیسائیونکی اصلاح سے مایوس اور اون کے عقاید سے متنفر ہوکر عیسویت سے روگردان ہوجانے اور تثلیث کے کل عقیدہ کو تین خداؤں کی پرستش اور توحید کا (جو کہ حضرت ممدوح اور اونکے معتقدین کے اعتقاد اور دین و ایمان کا اصل اصول تہی) نقیض قرار دینے پر کوئی تعجب ہوسکتا ہے ؟۔ اوسوقت اونہوں نے عیسائیوں کے اعتقادات کو دیکہہ کر یہی رائے قائم کرلی تہی کہ عیسائی تثلیث سے

---

۱ پروفیسر کا یہہ بہی خیال غلط ہے۔ کئی پاکیزہ صفات عیسائی اور یہودیوں سے آنحضرت کو سابقہ پڑا۔ اور جونہی اونکو رسالت کا حال معلوم ہوا وہ فی الفور ایمان لے آئے۔ بلکہ یہہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ وہ بعثت کی منتظر بیٹھے تہے دعوت اسلام کی خبر پاتے ہی مسلمان ہوگئے۔ مترجم

باپ - ماں اور بیٹا کی مراد لے رہے ہیں یعنی اللہ کو باپ - کنواری مریم کو ماں اور مسیح کو فرزند بنا رکھا ہے
زمانہ مابعد میں بیضاوی نے عیسوی تثلیث کا نسبتاً زیادہ درست مطلب سمجھا - وہ لکھتا ہے کہ مجھے ایک عیسائی
نے بتایا ہے کہ تثلیث فی الحقیقت اب (باپ) یعنی وجود باری تعالیٰ - ابن (فرزند) یعنی عقل ایزدی
اور روح القدس یعنی حیات ایزدی پر مشتمل ہے -

حضرت محمدؐ کو اپنے ابنائے ملک کے شرک سے جو ہزارہا معبودوں کے بت بنا کر پرستش کرتے تھے سخت نفرت تھی - اون کے نزدیک ہر ایسی چیز جس میں ایک خدا سے زیادہ معبودوں پر اعتقاد کرنے کا ذرا سا شائبہ بھی پایا جائے نہایت ہی پلید اور ناپاک تھی پس کوئی شک نہیں کہ یہی وجہ تھی جس کے باعث وہ عیسویت سے بیزار ہو گئے - گو عیسی مسیح سے تعلق برابر قائم رکھا - کسی نے نئے مذہب کے بانی نے دوسرے مذہب کے بانی کا کبھی ایسے ادب اور احترام سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ آنحضرت نے حضرت مسیح کا کیا ہے - آنحضرت کا عقیدہ تھا کہ خداوند کریم باوقات مختلف اپنا منشا رسولوں کی وساطت سے مخلوق پر واضح کرتا رہا ہے - ان پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کی آنحضرت کے دل میں اسقدر وقعت اور عزت نہیں تھی جیسی کہ حضرت عیسی کی - وہ مسیح کو عیسی مسیح اور روح اللہ پکارتے ہیں اور اونکی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ "عیسی خدا کا رسول ہے - جو اس دنیا میں بحیثیت پیغمبر نامدار آئے اور دوسری دنیا میں بحیثیت شفیع" وہ عیسی کو ابن اللہ نہیں پکارتے - کیونکہ وہ جانتے تھے - کہ ان الفاظ کے پہلی ہی کیسے غلط معنی سمجھ لئے گئے ہیں مگر اس کے عوض وہ اون کو اس سے بھی اعلیٰ لقب کلمۃ اللہ کا عطا کرتے ہیں - اس سے اعلیٰ و ارفع صفت آج تک کسی انسان کے خیال میں نہیں آسکی نہ کسی انسانی زبان میں اس سے بڑھ کر کوئی صفت ہو سکتی ہے - یہہ "ابن اللہ" سے بھی زیادہ ملید اور زیادہ پاکیزہ ہے - یہہ ایسی اعلیٰ ترین صفت ہے کہ ہمارے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا مسیح کو یہہ خطاب دیتے وقت حضرت محمدؐ نے اس کے معنی بھی جو نہایت ہی عمیق اور گہرے ہیں سمجھ لئے تھے یا نہیں - تاہم یہہ امر بالکل صاف ہے کہ وہ ابن اللہ کے استعارہ دار نام سے غلط فہمی کے پیدا ہو جانیکے خطرہ سے جو کہ فی الواقع مسیحیت کے اوایل ہی سے پیدا ہو گئی تھی - بخوبی واقف تھے -
ہم عیسائیوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عیسائیت کے ابتدائی زمانہ کے ہی کئی عیسائی علماء کو اس خیال کی کہ خدا بیٹا جن سکتا ہے - تردید کرنی پڑی تھی - انہی معنوں میں حضرت محمدؐ فرماتے

ہیں "بیٹا جننا خدا کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ کل شان و شوکت اوسی کو حاصل ہے" دوسری جگہ جہاں خداوند کریم حضرت کو مریم کے حمل کی بشارت کا قصہ سناتا ہے۔ قرآن شریف میں یہہ درج ہے:- "فرشتہ نے کہا۔ اے مریم تحقیق خدا تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔ اوس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔ وہ اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں آبرو[2] اور خدا کے مقربین میں سے ہوگا۔ وہ گہوارہ میں بہی لوگوں سے اوسی طرح باتیں کریگا جس طرح کہ جوان ہوکر۔ اور وہ عاقل ہوگا" ...... مریم نے کہا "یا خدایا۔ میرے ہاں بیٹا کس طرح ہوگا جبکہ مرد نے مجھے چھوا بہی نہیں" فرشتہ نے کہا۔ "اسی طرح ہوگا خدا جیسا چاہیگا پیدا کریگا جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اوسے صرف کہا جاتا ہے۔ ہوجا۔ اور وہ ہوجاتی ہے۔ اور وہ اوسے کتاب۔ دانائی۔ توریت اور انجیل سکہائیگا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا"

لیکن گو حضرت محمد ہر جگہ اور ہمیشہ خود حضرت مسیح کا اس عزت و احترام سے ذکر کرتے ہیں۔ مگر مسیحی فرقوں کے باہمی تنازعوں اور ان خرابیوں پر جو عیسائیوں نے مسیح کے پاک عقاید میں داخل ہوجانے دی تہیں علانیہ حقارت اور نفرت ظاہر فرماتے ہیں۔ آنحضرت کا تصور ذات باری تعالی کی نسبت عہد جدید (انجیل) کی نسبت زیادہ تر عہد عتیق (توریت) کے بیانات کے مشابہ تہا۔ چنانچہ قرآن شریف میں انجیل کی نسبت توریت سے بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے جو بآسانی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن آنحضرت یہود اور نصاری ایسا ہر دونوں سے ناراض ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی پاک تعلیم کو بگاڑ دیا ہے۔ وہ ان کو ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکہو تمہارے باہمی جہگڑے ہی بتا رہے ہیں کہ تم سب غلطی پر ہو۔ وہ اس بارہ میں حسب ذیل فرماتے ہیں:- "فرقوں میں باہمی اختلاف پیدا ہوگئے ہیں۔ یہود کہتے ہیں نصاری ناحق پر سہارا کئے ہوئے ہیں۔ اور نصاری کہتے ہیں کہ یہود کسی شے پر سہارا نہیں کئے ہوئے۔ حالانکہ دونوں فریق کتاب اللہ کو پڑہنے والے ہیں۔ مگر قیامت کے دن جس بات پر وہ مختلف تہے خدا اس کا ان میں فیصلہ کردیگا۔ ..... مشرق و مغرب کا مالک خدا ہے۔ پس جس طرف تم پہرو۔ ادہر ہی خدا کا چہرہ ہے" عیسویت پر آنحضرت نے جس قدر اعتراض کئے ہیں وہ سب کے سب سچی عیسویت پر نہیں بلکہ صرف اوس جہوٹی عیسویت پر ہیں

---

[1] یہہ مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ ہے۔ سبحانہ ان یکون لہ ولد (نساء ع ۲۳ سیپارہ ۶ - ۲۲)۔ اذ قالت الملئکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ (آل عمران رکوع ۵ سیپارہ ۳) -

جو اون کے مشاہدہ اور علم میں آئی۔ اگر ہم اس امر کو ذہن نشین کرلیں تو آنحضرت کی مخالفت کرنیکی بجائے اونکے اعتراضات کے لفظ لفظ سے اتفاق رائے کریں۔ قرآن شریف کی چوتھی سورت کی ۱۶۹ آیت ہے "پس خداوند کریم اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو"۔ اس آیت سے کون عیسائی انکار کرسکتا ہے۔ بالیقین ہر سمجھدار عیسائی آنحضرت کے ساتھ اتفاق کریگا۔ نہ کہ اون عیسائی فرقوں سے جنکی تثلیث۔ اب۔ مریم اور مسیح پر مشتمل تھی۔ آنحضرت یہہ ثابت کرنیکے لئے کہ مسیح نے کبھی خدا یا خدا کے برابر ہونیکا دعوی نہیں کیا خود مسیح کو ثالث بناتے ہیں۔ سورہ پنجم آیت ۱۱۶ میں ہم یہہ عبارت پاتے ہیں "اور جب خداوند کریم کہے گا۔ اے عیسی بیٹے مریم کے۔ کیا تو نے بنی آدم کو کہا ہے کہ مجھکو اور میری ماں کو خداوند تعالی کے علاوہ خدا سمجھو۔ تو وہ جواب دیگا۔ بار الہا سب تعریفیں تجھی کو ہیں۔ میں وہ بات کس طرح کہہ سکتا تھا۔ جسکو میں جانتا تہا کہ غلط ہے۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا۔ تو تجھے لازمی طور پر اسکی خبر ہوجاتی۔ جو کچھہ میرے دل میں ہے تو اُسے جانتا ہے۔ مگر جو کچھہ تیرے دل میں ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ کیونکہ تو پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے"۔

آنحضرت کو فقط اپنے ابناء ملک کی کراہیت انگیز بت پرستی کی بیخکنی کے لئے نہیں۔ بلکہ ان غلطیوں کو دور کرنیکے واسطے بہی جو یہودیت اور نصرانیت دونوں میں داخل ہوگئی تہیں نیے مذہب کی تشہیر اور تبلیغ کی ضرورت محسوس ہوئی تہی۔ مگر وہ اپنے مذہب کو نیا مذہب نہیں کہتے۔ بلکہ ارشاد فرمایا کہ "تمام پیغمبر یہی مذہب مجھہ سے پہلے سکھا چکے ہیں۔ لیکن لوگوں نے اُنکی باتوں پر بہت کم توجہ کی ہے"۔ آنحضرت خود کو آخری پیغمبر فرماتے ہیں۔ مگر یہہ کبھی دعوی نہ کیا کہ میں سب پیغمبروں سے بڑا ہوں۔ آنحضرت رسول اللہ پکارے جاتے ہیں۔ لیکن یہہ دعوی کبھی نہیں کیا کہ رسالت کا فخر صرف مجھے ہی حاصل ہوا ہے۔ یا یہہ کہ میں سب رسولوں سے مرتبہ میں بڑا ہوں۔

اگر حضرت محمد نے مسیح کی حیثیت کلمۃ اللہ کا مطلب درست سمجھہ لیا ہوتا۔ اور یہہ جان لیا ہوتا کہ فقط انہی معنوں میں وہ "ابن اللہ" ہے تو غالبًا وہ عرب بلکہ کل دنیا میں عیسویت کے سب سے[1] زبردست رسول ہوجاتے

[1] ہم مسلمانوں کو پروفیسر کے اس بیان سے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ یہہ خیال کرکے کہ یہہ عبارت ایک عیسائی کی قلم سے نکلی ہے اوسے معذور سمجھنا چاہیے۔ لیکن اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اس میں کوئی قباحت کی بات ہی نہیں پائی جاویگی۔ اسلام مسیحی صبوریت سے متغائر نہیں ہے۔ اور حضرت سرور کائنات نے اوسی توحید کو تازہ کیا تہا جسکی ہدایت از آدم تا عیسیٰ کل پیغمبر کرتے آئے ہیں۔ بہرحال ایک عیسائی اور پہر میکس مولر کی قسم کے عیسائی سے اسلام کی اس قدر خوبیاں ہی سننا جو اوپر مندرج ہیں مسلمانوں کو کچھہ کم فرحت بخشنے کا باعث نہیں ہوسکتا۔ پس اگر اوس سے بوجہ بیگانگت کہیں خطا ہوگئی تو اوسے نظر انداز کردینا واجب ہے۔ مترجم

اگر اون عیسائیوں نے جن سے آنحضرت کو سابقہ پڑا۔ ابن اللہ کے خیال کو بگاڑ کر کفر یہ دیوتا پرستی کے ہمرنگ نہ بنا دیا ہوتا تو وہ غالباً عیسائی یعنی اوس صداقت کے جس کی تلقین موسیٰ اور عیسیٰ نے کی تہی ایک اور جدید پیغمبر ہو جاتے۔ یہہ تثلیث ہی کا غلط سمجہا گیا عقیدہ ہے جس نے عیسویت کو کروڑہا معتقدین سے محروم کردیا اور حضرت محمدؐ کو دوست کی بجائے دشمن بنا دیا۔ اگر ہم عیسائی اور کچہہ نہ کریں صرف آنحضرت کے اعلیٰ مقاصد کو اور بالخصوص اون مقاصد کو جو اظہار نبوت کی ابتدائی زمانہ میں وہ رکھتے تھے جان جائیں اور اون کو سمجہہ لیں تو ہم کبھی حضرت ممدوح کو پیغمبر کا لقب دینے سے خست اور تنگدلی نہ کریں۔ یہہ امر واقع کل دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ آنحضرت نے اوس جگہ جہاں پہلے وحشیانہ بت پرستی کے سوائے اور کسی چیز کا نام و نشان نہیں پایا جاتا تہا۔ ایک مذہب قایم اور نصب کردیا ہے اسوقت کم از کم سترہ کروڑ انسان ۵۰۰۰، ۵۹ یورپ میں ۰۰۰ ،۵۰۴۱۶ افریقہ میں اور ۱۱۲،۳۹۰۰۰ ایشیا میں حضرت محمدؐ کے معتقد اور نام لیوا موجود ہیں۔ اے عیسائیو انصاف کرو۔ کیا وہ شخص جو اتنے دلوں کا مالک ہو پیغمبر کہلانے کا مستحق نہیں ہے؟

{ مرقومہ پروفیسر الیف میکس مولر مترجم وید۔ زندآوستا۔ سپاسان قرآن شریف۔ و دیگر مقدس کتب مذاہب مشرق }

(۷) مساجد و مقابر

میں اون بیشمار مساجد اور مقابر کا جنکو ہم نے ٹرکی میں دیکہا مفصل بیان تحریر کرنیکا ارادہ نہیں کرتی۔ بلکہ بشرط امکان صرف اوس عام کیفیت کو ضبط تحریر میں لانیکی کوشش کرتی ہوں جو انسب سے سب شاندار عمارات کے دیکہنے سے انسان کے دل پر وارد ہوتی ہے قسطنطنیہ کی مساجد وغیرہ کے بعد ہم نے بروصہ جاکر ایسی مسجدیں دیکہیں جو ٹھیٹھ اسلامی طرز میں بنی ہوئی ہیں قسطنطنیہ کی مسجدیں ایا صوفیا وغیرہ کی طرح یا تو پرانے عیسوی معبد ہیں یا ایسی ہیں جو ایا صوفیا جامعسی کی طرز پر بنائی گئی ہیں۔ ایا صوفیا کو باہر سے دیکہنے پر کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو نگاہ یا تصور کو عجیب معلوم ہو۔ ہاں میں مسجد میں کھڑا ہونے پر مسجد کا درمیانی بڑا گنبد اور اوسکی دونوں طرف کے چاروں نیم گنبد مستکل دکہائی دیسکتے ہیں اور مسجد کے گرد اگرد چاروں طرف باقی مسجدوں کی طرح مدرسے

حمام - مزار اور باورچیخانے بنے ہوئے ہیں - گمرڈیوڑہی میں داخل ہوکر بوٹوں پر سلیپر پہن لینے کے بعد (کیونکہ اگر اُن کو نہ چڑہایا جائے تو بوٹ اُتار کر برہنہ پا اندر جانا پڑیگا) اور مسجد کے وسط میں جسے ایوان کلان کہنا زیادہ مناسب ہوگا اور جس پر درمیانی گنبد اور دو نیم گنبد بنے ہوئے ہیں پہونچ جاؤ اور وہاں تہوڑی دیر ٹھیر کر نظر کو فرش سے لیکر بالائی منزل کی گیلریوں (برآمدوں یا لمبے جہرکوں) کی محرابوں تک جو نچلی محرابوں سے چہوٹی ہیں سیر کرنے دو اور اس بڑے ایوان کی وسیع فضا کو اپنا اثر ڈالنے دو - تو تم چند لمحوں میں فرگسن (سیاح) کے قول کی تصدیق کرکے پکار اُٹھوگی کہ بیشک "آج تک ایسا خوبصورت اور کامل گرجہ کسی عیسائی قوم نے تعمیر نہیں کیا" نچلی محرابیں سبز سنگ سماق کے چار بڑے بڑے ستونوں پر جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دیی ڈانا کے مندر واقع مقام افی سس سے لائے گئے تہے - کہڑی ہیں گیلریوں کے ستون بہی جو ان سے ہلکے ہیں اسی پتھر کے ہیں - اس درمیانی ایوان کے چاروں کونے گہرے سرخ رنگ کے سنگ سماق کے ستونوں پر قایم ہیں - یہہ ستون روایت ہے کہ بعلبک کے بڑے مندر سے جو بعل یا سورج دیوتا کی پرستش کیلئے بنا ہوا تہا لائے گئے تہے - اکثر ایسے ستونوں کی چوٹیوں جو خاص قسطنطنیہ میں تیار کئے گئے تہے اب تک قیصر جسٹنین اور اوسکی ملکہ تھیوڈورا کے طغرے موجود ہیں موجودہ عمارت انہی دونوں نے قسطنطین اور تھیوڈوسی اس کے تعمیر کردہ پرانے گرجوں کے موقع پر جو دونوں یکے بعد دیگرے جل گئے تہے تعمیر کرائی تہی - دیواریں اور گنبد کسی وقت از سر تا پا بیل بوٹوں سے ڈھنپے ہوئے تہے مگر چار بڑے فرشتوں (جبرئیل - میکائیل - اسرافیل اور عزرائیل) کی تصویروں کے سوائے جو گنبد کے نیچے بنی ہوئی ہیں اوسکی باقی کل نقش و نگار پر چونا پھیر دیا گیا ہوا ہے - گیلریوں میں البتہ اُن بیل بوٹوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو گہرے نیلگوں بلکہ سیاہ زمین پر نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں ابتک کہیں کہیں موجود ہیں چونکہ مکہ معظمہ یروشلم سے زیادہ جنوب رویہ ہے - محراب جسکا مکہ کے رخ ہونا ضروری ہے مشرقی دیوار کی عین وسط میں نہیں ہے بلکہ کسی قدر جنوب کی طرف ہٹی ہوئی ہے محراب کے قریب ہی وہ ستون ہے جس پر بہت اونچا کرکے ایسا نشان لگا ہوا ہے جیسا کہ خون آلودہ ہاتھ کا چہاپہ ہوتا ہے - روایت ہے کہ فتح قسطنطنیہ کے بعد جب محمد فاتح مذبوح عبادت کنندگان کی لاشوں پر سے زین سوار گرجہ میں داخل ہوا تہا تو اُس نے یہہ دیکہنے کے لئے کہ کہاں تک ہاتھ پہونچتا ہے - یہہ نشان لگایا تہا - گیلریوں میں جاکر ہم نے مشہور مندروازہ دیکہا - عام خیال ہے کہ وہ پادری جو اوسوقت بڑی نماز پڑہا رہا تہا - اوسکے راستہ سے بچ کو لیکر بہاگ گیا تہا -

دروازہ اسکے پیچھے بند ہوگیا۔ اور اب تک نہیں کھل سکا۔ مگر جب ترک قسطنطنیہ سے نکال دئیے جائیں گے اور آیا صوفیا پھر عیسائی کنیسہ ہوجائیگا تو پادری مذکور پھر خود نمودار ہوکر اپنی نماز کو جسے ادہورا چھوڑ گیا تھا پورا کریگا

ایا صوفیا کی پوری کیفیت جمعہ کی نماز کیوقت دکھائی دیتی ہے۔ بیرام کی نمازکے سوا سے اور نمازوں کیوقت اندر جانیکی اجازت بمشکل ملتی ہے۔ ہم نے صادق بک سے اسلئے ہم کو وہاں اپنے ساتھ لیجانے کی درخواست نہیں کی تھی کہ شاید اُسے یہہ امر ناگوار گذرے کہ جو امر اوسکی نگاہوں میں ایسا متبرک اور مقدس ہو۔ ہم اوسے محض کھیل سمجھکر اوسکا نظارہ کرنے جاتے ہیں۔ تاہم سفارت کے ایک قواص کی نگرانی میں ہم اجازت لیکر اپنے فرزند سمیت گیلریوں میں چلے گئے۔ اور عمداً مغربی کونہ میں بیٹھے۔ تاکہ نمازیوں کے پس پشت ہونے کی وجہ سے اونکی نظر ہم پر نہ پڑے اور اون کو برا منانے کا موقع نہ ملے۔ ہم دوپہر سے کچھہ عرصہ پہلے گئے تھے۔ ارادہ تھا کہ مسجد کی دوبارہ پھر کر بخوبی سیر کریں۔ مگر اوسکی اجازت نہ دیگئی۔ کیونکہ نمازی جمع ہوگئے ہوئے تھے۔ مصلوں کی لمبی صفیں جو محراب دیہ ہونیکی وجہ سے کسی قدر ترچھی بچھے ہوئے تھے اوپر سے دیکھنے سے دل پر عجیب اثر پیدا کرتی تھیں تھوڑی ہی دیر میں ہر ایک مصلی اُٹھ گیا اور امیر و غریب دوش بدوش قیام و سجود میں مشغول ہوگئے۔ قطاروں میں اسقدر فاصلہ تھا کہ نمازیوں کو سجدہ کیلئے جگہ ملجائے۔ نمازی سب مرد تھے عورتوں کیلئے علیحدہ پردہ دار جگہ ہے۔ مگر جہانتک مجھے دریافت کرنیکا موقع ملا ہے معلوم ہوا ہے کہ صرف نہایت ہی غریب جماعتوں کی مستورات مساجد میں جاتی ہیں۔ نماز شروع ہوگئی اور امام نے بلند چبوترہ پیکھڑا ہوکر قرآن شریف کی قرات سے دار دہیمی آواز میں آغاز کردی۔ نمازیوں کو صف بستہ اوپر تلے ہاتھہ رکھے ہوئے ایستادہ اور پہر امام کی تکبیر پر ایک ساتھہ رکوع و سجود اور قیام اور دائیں بائیں منہہ پھیرتے دیکھتے رہنا نہایت ہی موثر نظارہ تہا۔ بالآخر خطیب نے تقریباً عمودی زینوں پر سے منبر پر چڑھکر منہہ نمازیوں کی طرف کرلیا اور خلیفہ وقت اور اسلام کی فتح و نصرت کے لئے دعا مانگکر خطبہ پڑھا۔ اوس کا چوغہ ساٹن کا تہا جسکا رنگ ہلکا بسنتی تہا۔ سر پر سفید عمامہ۔ دائیں ہاتھہ میں برہنہ تلوار جو بلند کی ہوئی تھی اور دونوں طرف بطور نشان فتح ایک ایک جھنڈا لٹکا ہوا تہا۔ اس خطبہ کے بعد جس میں دعا اور وعظ دونوں باتیں شامل تہیں۔ کل نمازی پہر سربسجود ہوگئے اور سجدہ کے بعد قعود کرکے پہلے سروں کو دائیں طرف اور پھر بائیں طرف پھیرا جس پر نماز جمعہ ختم ہوگئی۔ اور وہ سب جلد جلد مگر چپ چاپ مسجد سے روانہ ہوگئے ہم بھی اپنے دلوں میں یہہ اطمینان لئے ہوئے مسجد سے باہر آگئے کہ ہم نے دلی ذوق سے ادائیگی

اور نہایت سچی عبادت ربانی کا نمونہ معاینہ کیا ہے۔ ہر شخص متوجہ و مصروف اور ملحقات سے بالکل بیخبر
معلوم ہوتا تہا۔ مَیں نے بعد میں صادق بک کو جب بتایا کہ ہم مسجد میں گئے تہے جہاں نمازیونکی توجہ اور
اخلاص کو دیکہہ کر ہم پر بڑا اثر ہوا تو اسکا چہرہ خوشی سے چمک اٹہا اور اوس نے سچی پرجوشی سے جواب دیا
"اثر کیوں نہ ہوتا۔ یہہ نماز ہے" ہمارے گرجوں کی طرح نمازیوں کی توجہ کو مایل کرنے کیلئے کوئی موسیقی
گلدستے۔ پہولوں کے ہار اور بے تعداد پادری نہ تہے۔ بلکہ سب کچہہ نہایت ہی سیدہا سادہ۔ اور کمال ہوشمند
تہا۔ اور دیکہنے والوں کو پورا پورا الیقین ہو جاتا تہا کہ جو لوگ شریک عبادت ہیں وہ اوسی رسم کی پابندی کا
پورا کرنا نہیں۔ بلکہ فی الواقع خالق ارض وسما کی عبادت و پرستش سمجہہ کر ادا کر رہے ہیں۔
اون چہوٹے گرجوں میں سے جو مسجد بنائے گئے ہیں سب سے خوبصورت اور اکمل کوچک ایاصوفیا ہے۔ وہ
اوس ڈہلوان سڑک پر جو اتمیدان سے مرمرا کو جاتی ہے واقع ہے۔ مَیں نے اس راستہ کو سڑک تو کہہ دیا۔
مگر دراصل اوسے گڑہوں اور ٹیلوں کا ایک لمبا سلسلہ سمجہنا چاہیے جن پر سے ہم کو چالاک عرب گہوڑے
بخیریت لیگئے۔ اس گرجہ کو بہی جسٹینین نے تعمیر کرایا تہا۔ وہ تقریبًا مربع اور اوسکی عمارت عجب ہلکی
پہلکی اور کمال موزون ہے۔ ترکوں نے پرانی ڈیوڑہی گرا کر اوسکی جگہ ترکی طرز کی نئی ڈیوڑہی بنا دی ہے تمام
پچی کاری اور تصویروں پر قلعی کا پلاستر کر دیا گیا ہے۔ تاہم اون سب بازنطینی ساخت کے ستونونکی
خوبصورتی کو جن پر گیلریاں کہڑی ہیں کوئی چیز نہیں مٹا سکتی۔
مَیں یہہ اوپر بتا چکی ہوں کہ گولڈن ہارن کے دونوں طرف قسطنطنیہ کی تقریبًا تمام مسجدیں کم و بیش
ایاصوفیا کے نمونہ پر بنی ہوئی ہیں۔ کئی شاہی مسجدیں ہیں جنکو مختلف سلاطین نے تعمیر کرایا تہا۔ ان میں
سے ہر ایک کے گرد بڑی چاردیواری ہے جسکے اندر جامع یعنی خاص مسجد۔ حرم یعنی مسجد کا کہلا صحن
اور باغ ہوتا ہے۔ اور باغ میں ہی عمومًا بانی مسجد کا مقبرہ ہوتا ہے۔ ان شاہی مساجد میں سے ہر ایک کے
ساتہہ مختلف اوقاف ہیں جو عمومًا چاردیواری کے گرد بنے ہوئے ہیں۔ بالعموم ہر مسجد کے ساتہہ ایک
عام مدرسہ یا دینی درسگاہ جن میں پرجوش اور مذہبی خبطی سوفتا دینی طلبا رہتے ہیں۔ غربا کیلئے لنگر خانہ۔
کتب خانہ اور حمام ہوتا ہے۔ بعض بعض مساجد کے ساتہہ مسافروں کیلئے خانیں (سرائیں) بہی ہیں۔
اس تفصیل سے ناظرین اون کی وسعت مکانیت اور عمارت کی علو شانی کا بآسانی اندازہ کر سکتے ہیں۔
ہر شاہی مسجد شہر کی ساتوں پست قامت پہاڑیوں میں سے ایک ایک کی چوٹی پر ہے۔ ہر مسجد میں چہوٹی موٹی

باٹھ ہی ایک سے لیکر چھ تک مینار ہیں۔ یعنی ایک سے کوئی خالی نہیں اور چھ سے کسی میں زیادہ نہیں۔
بڑی مسجدوں کے مینار سفید مرمر یا کسی اور شفاف سفید و براق پتھر کے ہیں۔ اور چھوٹی اور غریبانہ حیثیت
کی مساجد کے چونے کے ہیں۔ مگر انکی براقی بھی آنکھوں کو چوندھیا دیتی ہے۔ اور گو وہ سنگ مرمر سے
کم قیمت مصالح سے بنے ہوئے ہیں مگر بالعموم نہایت وضع دار اور خوبصورت ہیں۔

ساری عمر میں پہلی مرتبہ جس مسجد میں ہم داخل ہوئے۔ وہ جامع احمدیہ (یعنی احمد اول کی مسجد) ہے۔ ہم اسکی
وسعت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ وہ ایا صوفیا سے کچھ چھوٹی ہے۔ مگر عرض میں اس سے بہت بڑی ہے۔ درمیانی
گنبد چار بڑے بڑے کھاری دار کھمبوں پر قائم ہے اور تقریباً دو سو فٹ مربع جگہ کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ منبر
بیت اللہ شریف کے منبر کا ہو بہو نمونہ ہے۔ یہاں ہم نے اول مرتبہ قرآن شریف لکھنے کی خوبصورت
جلیں دیکھیں۔ ان پر سیپ کا کام ہے اور وہ مسجد کے ہر حصہ میں لگی ہوئی ہیں۔ اور جب جاؤ۔ بالعموم یہی دیکھو گے کہ رحل
کے سامنے عمامہ بند چار زانو بیٹھے ہوئے ایک خاص قسم کی غنغناتی ہوئی آواز میں قرآن شریف پڑھ رہا ہے۔ دریچوں
کے ارد گرد نہایت خوبصورت روغنی کھپریلیں لگی ہوئی ہیں اور چھت سے بیشمار لیمپ لٹک رہے ہیں۔ جن کے
ساتھ خوبصورتی کے لئے شتر مرغ کے انڈے۔ گھوڑوں کی دموں کے پھندنے۔ اور خوبصورت رنگ برنگ کے
پھندنے بھی آویزاں ہیں۔ جامع احمدیہ میں جانے پر انسان عمارت کی جزئیات کی خوبصورتی سے ایسا متحیر
نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اوس کی وسطی ایوان کی وسعت کو دیکھ کر حیران ہوجاتا ہے۔ تاہم صحن مسجد کی خوبصورتی
میں بھی کوئی کلام نہیں۔ اوسکے گرداگرد حجرے بنے ہوئے ہیں۔ سیاہ و سفید مرمر کی بلند اور تنگ محرابیں
نازک نازک ستونوں پر کھڑی ہیں۔ اور وسط میں بہت بڑا حوض ہے۔ جامع احمدیہ کا ایک خاص وصف جو دیگر
مساجد کو حاصل نہیں یہ ہے کہ اوس کے چھ مینار ہیں۔ احمد اول کے عہد تک صرف بیت اللہ شریف کے
چھ مینار تھے۔ چنانچہ سلطان احمد کی اس جسارت سے امام مکہ ایسا ناراض ہوا کہ اوسے مجبوراً کعبہ میں ساتواں
مینار بنوا دینا پڑا۔ میناروں کا نچلا حصہ باہر سے دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ان شاندار درختوں سے جو چار دیواری
کے اندر موجود ہیں چھپے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ درخت مسجد کی عمر کے یعنی تقریباً تین سو برس
کے ہیں۔

مگر جامع سلیمانیہ یعنی سلطان سلیمان اعظم کی مسجد جو سلطان کے حکم سے استاد زمانہ سنان پاشا نے فن معماری

؎ مسجد سے یہاں مصنف کی غالباً ایسی مسجد سے مراد ہے جسے خود مسلمانوں نے تعمیر کیا ہو۔ ایسی نہیں جو کسی گرجہ یا مندر کو مسجد بنا
کیا ہو۔ مترجم۔

ہیں جسکی برابر آج تک کوئی ترک پیدا نہیں ہوسکا تعمیر کیا تھا۔ کل مساجد سے خوبصورتی میں بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ یہہ تیسری پہاڑی کی چوٹی پر ہے۔ گنبد سرخ سنگ خام کے ایک ڈال چار ستونوں پر قایم ہے۔ دیواریں مختلف رنگوں کے مرمر سے تعمیر کی ہیں محراب۔ منبر اور جالیدار پردہ جو سلطان کی نماز پڑہنے کی جگہ کے گرد لگا ہوا ہے۔ براق مرمر کے کمال نفاست۔ نزاکت اور لطافت سے بیل بوٹے دار بنے ہوئے ہیں۔ نہایت اعلیٰ قسم کے رنگین شیشوں کے دریچے ایرانی ساخت کے ہیں۔ اور اقلیدس کی شکلوں کے مشابہ کمال موزونیت سے تیار کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اسلام کسی جاندار کی تصویر کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک گیلری ہر قسم کے خزینوں کی محفوظ مخزن کا کام دیتی ہے۔ اوس میں فرش سے لیکر چھت تک مختلف شکلوں اور جسامت کے صندوق اوپر تلے چنے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان صندوقوں میں سونا۔ چاندی۔ جواہرات اور قیمتی پارچات بھرے ہوئے ہیں۔ یہہ چیزیں وہاں اس طرح رکھی ہوئی ہیں جیسے کہ یورپ میں بنکوں میں رکھی جاتی ہیں۔ وہ سب درج رجسٹر ہیں جن میں سے بعض سو سال سے زیادہ عرصہ کی وہاں رکھی ہیں۔ اور باوجودیکہ اس اثنا میں کئی انقلاب اور سینکڑوں فساد و ہنگامے ہوچکے ہیں۔ مگر وہ بالکل مصئون پڑی ہیں۔ کبھی انکو کھولا یا چھوا نہیں گیا۔ وہ صرف اصل رجسٹر شدہ سندات کے دکھانے پر واپس لیجا سکتی ہیں۔ سلیمانیہ گو کمال دلفریب ہے۔ مگر اوسکے باغ کے دو مقبرے دلچسپی میں اوس سے بھی سبقت لیجا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں خود سلیمان کی تربت ہے اور دوسرے میں اوسکی مشہور ملکہ سلطانہ روکسلانا روسناک یا خورم کی قبر ہے۔ ان دونوں کی عمارت ہشت پہلو ہے۔ اور دونوں پر تمام کمال سیاہ و سپید و غنی چینی کی کھپریلیں لگی ہوئی ہیں سلیمان کے مقبرہ کے گرداگرد محرابدار گیلری ہے۔ اور اندر کی طرف گنبد سنگ مرمر اور سماق کے ستونوں پر قایم ہے۔ مقبرہ میں بانی مسجد کی قبر کے علاوہ اور بھی کئی قبریں ہیں۔ ان تمام قبروں میں جسد خاکی آغوش زمین میں مدفون ہیں۔ اور انکے اوپر بہت بڑے بڑے بلند تعویز یا صندوق جنکے بالائی حصے محرابدار ہیں بنے ہوئے ہیں۔ اور یہہ صندوق قیمتی دوشالوں اور سنہری حاشیہ کی مخملی چادروں سے ڈہنپے ہوئے ہیں۔ ہر متوفی سلطان کی قبر کے تعویز کے سرہانہ انکی پگڑی معہ مرصع کلغی یا کسی اور قسم کے مرصع زیور کے رکھی ہے۔ سلیمان کے تعویز میں یہہ ایک اور خصوصیت ہے کہ اوس کے گرد نازک سا جنگلا پھرا ہوا ہے جس پر سیپ کا کام ہے۔ بعض سلاطین کی قبروں پر دستاروں کے ساتھ وہ مرصع نشان بھی آویزاں ہیں جو وہ زندگی میں پہنتے رہتے تھے۔ روکسلانا کی تربت کی حالت بے خبری کی وجہ سے اچھی نہیں ہے۔ وہ زبردست عورت جو زندگی میں سیاہ و سفید

کی مالک تھی اور جس نے اپنی سنگدلانہ مقاصد کی قربان گاہ پر رحم و کرم کے تمام جذبات اور تاثرات
کو بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ مرجانیکے بعد اب بعالم فراموشی اور حالت کس مپرسی میں پڑی ہوئی ہے۔ تعویذ
کے ارد گرد دیواروں سے کھپریلیں گر رہی ہیں اور دوشالوں پر بھی بوسیدگی اور عدم توجہی کی علامتیں
نمودار ہیں۔ ان دونوں مقبروں پر بہت بڑی عمر کا ایک بوقامت شمشاد کا درخت کھڑا ہے۔ یہہ درخت ٹرکی
میں بکثرت موجود ہیں اور ان کے شوخ سبز پتے سرو کے درختوں کے سیاہ پتوں کے مقابلہ پر جو ہر قبر کے
گرد ہوتے ہیں عجب خوشنما نظر آتے ہیں۔

اس مسجد کو دیکھنے سے کچھہ دنوں بعد ہم نے وہ چھوٹی سی خوبصورت مسجد دیکھی جو سلیمان اول نے دو
مقتول بیٹوں کی یادگار میں جنکا خون بیرحم روکسلانا کے سر چڑھا تھا سخت ندامت و افسوس کی حالت
میں تعمیر کرائی تھی۔ ان میں[1] سے ایک کا نام محمد تھا جو دوسری بیگم کے بطن سے تھا۔ وہ اس سنگدل عورت
کی ترغیب اور مکروہ تحریکات پر اپنے غضب آلود باپ کے روبرو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا۔ دوسرا
خود روکسلانا کا بیٹا شاہزادہ جہانگیر تھا جو اس خوفناک سانحہ کیوقت موجود تھا۔ اوسے محمد سے کمال محبت
تھی۔ وہ بے تحاشا اپنے مقتول بھائی کے تن بیجان پر گر پڑا۔ اور جب درباریوں نے اوسے اوٹھانے کی
کوشش کی تو اوسے بھی مردہ پایا۔ خونخوار ملکہ نے اسکے قصاص میں سلیمان سے جبراً حکم موت حاصل کر کے محمد کے
نوعمر بیٹے کو قتل کرادیا۔ جس تربت میں یہہ دونوں شاہزادے مدفون ہیں وہ سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے اور جو
مسقف راستہ مقبرہ کو جاتا ہے۔ اوس پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ یہہ بھی پہلی مسجد سنان نے تعمیر کی تھی
اوسکی کل عمارتیں اچھی حالت میں ہیں۔ اور انکی پوری نگہداشت ہوتی ہے۔

شاہی مساجد میں سے ایک سلطان بایزید کی تعمیر کردہ ہے۔ اسے بایزیدیہ یا مسجد کبوتراں پکارتے ہیں
یہہ عسکریت یعنی وزارت حربیہ کی بڑے پھاٹک کے اندر واقع ہے۔ اس میں صرف صحن قابل دید چیز ہے۔
مسجد بذاتہا چنداں دلفریب نہیں صحن کے ارد گرد کے حجرے شبہ عرب طرز عمارت کے ہیں۔ ان کے
ستون سب ایک ڈال اور سبز سنگ سماق۔ سرخ سنگ سماق۔ سیاہ و سفید مرمر اور دیگر اقسام کے پتھروں کے

---

[1] مصنف نے مقتول شاہزادوں کے نام اور انکے قتل کے حالات درست نہیں تحریر کئے۔ ایک شاہزادہ کا نام مصطفےٰ اور دوسرے
کا نام بایزید تھا۔ ان میں سے کوئی بھی روکسلانا کا بیٹا نہ تھا۔ اول الذکر ۱۵۵۲ء اور دوسرا ۱۵۵۹ء میں ایران میں قتل ہوا تھا۔ مفصل
حالات کیلئے دیکھو تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اول صفحہ ۳۳۲ تا ۳۵۱ (مصنفہ مولف مترجم)

ہیں۔ وسط میں مسقف حوض ہے۔ جا بجا خوبصورت سرو اور شمشاد کے درخت بھی موجود ہیں۔ ہر ایک چھت بینار ستون کی چوٹی اور کارنس پر ہزاروں کبوتر موجود ہیں۔ جو متبرک سمجھے جاتے ہیں اور ان کو کبھی ہلاک نہیں کیا جاتا۔ ان کے محافظ کو اگر چند پیسے دئیے جائیں تو وہ کچھ اناج بکھیر دیگا جس پر ہر طرف سے فی الفور سب جانور جمع ہو جائیں گے۔ ہر جمعہ کے جمعہ محلہ کے کتوں کو بھی کھانا دیا جاتا ہے۔ وہ اس ضیافت کیلئے سب طرفوں سے جمع ہو جاتے ہیں اور کھانے سے فارغ ہو کر ہر ایک ٹولی اپنی اپنے مسکن کو چلی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ سلطان بایزید نے کبوتروں کا ایک جوڑا مسجد کی نذر کیا تھا۔ یہہ سب کبوتر اسی ایک جوڑے سے بڑھے ہیں۔ مسجد کبوتراں چونکہ بڑے بازار کے قریب ہے۔ اوس کے حجرے بالعموم تاجروں سے بھرے رہتے ہیں۔ اجیر منشی بھی اس میں بیٹھتے ہیں جو اجرت لیکر غربا کو خط لکھہ دیتے ہیں۔ اگر کسی بیوپاری کو تھوڑی دیر کیلئے حجرہ سے باہر جانا پڑے تو وہ اپنا اسباب بالکل بیفکر ہو کر حجرہ میں ہی چھوڑ جاتا ہے۔ کیونکہ مسجد کی متبرک حدود کے اندر غریب سے غریب گداگر بھی کبھی چوری کا مرتکب نہیں ہوگا۔

ایک اور شاہی مسجد جس کو دیکھنے کی ہم نے کوشش کی سلطان محمد فاتح جامع مسجد تھی۔ وہ چوتھی پہاڑی پر ہے۔ اور چوطرفہ کئی میلوں سے نظر آتی ہے۔ مگر جب ہم صادق بک کے ہمراہ وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ وہاں سیر کنندگان کیلئے کوئی سلیپر نہیں رکھے جاتے جس پر ہم کو صرف دروازہ کے اندر کھڑے ہو کر اوس کی وسیع المکانی۔ سادہ طرز اور بلا رنگ کے شیشوں کے دریچوں اور سفید چونہ گچ دیواروں کو دیکھنے پر قناعت کرنی پڑی۔ اس سادگی اور یکرنگی سے دیکھنے والے کی نظر میں چکاچوند سی پیدا ہو جاتی ہے۔ مسجد کی بیرونی حوض بالخصوص بہت بڑے تھے۔ ہر مسجد کے متصل اس غرض کیلئے حوض بنے ہوتے ہیں کہ اندر داخل ہونے سے پہلے پاؤں ان میں دھولئے جائیں۔

ہم سلطان محمود ثانی مصلح کی تربت کو دیکھہ کر ششدر رہ گئے۔ سلطان ممدوح ۱۸۳۹ء میں فوت ہوئے۔ انہوں نے ترکوں کی قومی شاندار پوشاک کو اسی نے متروک کر کے عمامہ کی جگہ فیس اور سفید کشادہ شلواروں اور گھیردار جبوں کی جگہ سیدھے سادے فراک کوٹ کو رواج دیا تھا۔ گو اس نے اپنی زندگی میں کفایت شعاری اور سادگی کو رواج دینے میں سخت کوشش کی تھی۔ مگر اوس کے مرنیکے بعد اوس کے جانشینوں نے اوسکی خواہشوں اور منشا کی بالیقین کوئی پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ اوسکا مقبرہ گرچہ تھوڑے سے زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ لیکن شان و شوکت میں سب سے گوئے سبقت لیجا رہا ہے۔ اوسکی عمارت چوندھیا دینے والے سفید سنگ مرمر کی

مثمن پہلو گنبد دار عمارت ہے۔ دیواروں پر کار نقش بچی کاری اور اوس پر کمال خوبصورت نقش و
نگار ہیں۔ آٹھ میں سے سات طرفوں میں ایک ایک بڑا دریچہ ہے جن میں سنہری جالیاں لگی ہوئی اور
نہایت ہی بیش قیمت مخملی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مقبرہ کی قبریں حسب معمول صندوق نما ہیں۔ محمود کی
قبر کے تعویذ پر فقط ایک سادہ سرخ کی ٹوپی پڑی ہے جس پر کوئی طرہ یا کلغی یا مرصع کاری نہیں ہے۔
البتہ کل تعویذ پر بیش بہا مخملی چادر جسکا حاشیہ سنہری ہے پڑی ہے۔ دائیں طرف مرحوم کی والدہ اور بائیں طرف
اوسکے بد قسمت فرزند عبدالعزیز کی قبر ہے جو ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا تھا۔ عبدالعزیز کی قبر کا جنگلا باپ کی قبر کے
جنگلے سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی ہے۔ دونوں پر سیپ کا کام ہے۔ عبدالعزیز کی ٹوپی میں خوشنما
الماسی طرہ لگا ہوا ہے اور اوسکی قبر کی مخملی چادر پر سر سے پاؤں تک نہایت خوبصورت سنہری بیل بوٹے
کاڑھے ہوئے ہیں۔ طبقہ عثمانیہ کا نشان بھی ہے جسے عبدالعزیز نے قائم کیا تھا اوسکی قبر پر رکھا ہے۔ چاروں طرف
چاندی اور سیپ کے کام کی رحلیں اور ان پر چند کمال خوبصورت اور بے نظیر قلمی قرآن شریف رکھے ہیں اور
ہر ایک قبر کے گرد اگرد بہت بلند وزن دار چاندی کے شمعدان موجود ہیں۔

ایک دن بازاروں سے واپس آتے وقت ہمارے فرزند کو خیال آگیا کہ ہم اسوقت سلیمان اعظم کے
داماد رستم پاشا کی تعمیر کردہ مسجد کے بالکل قریب ہیں۔ جو چھوٹی مساجد میں نہایت ہی خوبصورت اور خوشنما ہے
وہ ایک تنگ سے کوچہ میں چاروں طرف سے مکانات میں ایسی گھری ہوئی ہے کہ بہت کم سیاحوں کو
اوس کا پتہ ملتا ہے۔ ہماری گاڑی ایک گلی سے دروازہ پر کھڑی ہوگئی جس میں سے مسجد کی ڈیوڑھی کو تنگ
سی سیڑھیاں جاتی ہیں۔ ڈیوڑھی مسجد کے برابر چوڑی ہے۔ مسجد کے کواڑ بند تھے۔ اور کوئی آدمزاد
نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن ہمارا لڑکا کوچبان کی مدد سے مسجد کے محافظ کو بڑی مشکل کے بعد آخر تلاش کر لایا۔
جب تک وہ اوسکی تلاش میں پھرتے رہے ہم ڈیوڑھی کے بے نظیر چینی کے کام کو بڑے شوق سے ملاحظہ کرتے
رہے۔ ایسی خوبصورت مسجد کیلئے ایسی ہی نفیس ڈیوڑھی شایان تھی۔ مسجد کی بچی کاری بالکل صحیح سالم ہے
کہیں سے ایک کھپرل بھی نہیں اکھڑی۔ نہ کہیں سے کوئی چپٹی اوڑی ہے۔ بیل بوٹے مختلف مزاج کے نیلے
رنگ کے ہیں اور سفید زمین پر بنائے گئے ہیں۔ اور مشکل ہی کوئی جگہ اون سے خالی ہے۔ یہ بیلیں
دیواروں میں فرش سے لیکر چھت تک چلی گئی ہیں۔ بعض دھاریاں چوڑی اور بعض پتلی ہیں۔ اون کے
نقشے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مگر ہیں سب بے نظیر۔ اس مسجد کو دیکھ کر کبھی یقین

یقین نہیں آسکتا کہ ساڑھے تین سو برس ہوئے اسے استاذ المعمار ین سنان نے تعمیر کیا تھا ہم
نافرمانی مسجد کو بھی گئے۔ تقریباً ایک سو تیس برس ہوئے اسے بلند کرسی پر جہان سی مرمر کی خوب سیر ہوتی ہے
تعمیر کیا گیا تھا۔ مگر وہاں سیر کنندگان کیلئے سلیپر نہیں تھے۔ ہم اس چھوٹی سی خوبصورت مسجد کے
صرف دروازہ پر ہی کھڑے رہ سکتے تھے۔ جہاں سے ہم اوسکی ہلکی پھلکی گیلری کو جو مسجد کے اندرونی حصہ
کے گرداگرد سفید مرمر کے ستونوں پر بنی ہوئی ہے دیکھ کر اوسکی تعریف کرتے رہے۔ یہہ کل عمارت
مسجد کی بجائے زیادہ تر مقبرہ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ اور مربع کی بجائے یہہ بھی ہشت پہلو۔ اس میں
دو چھوٹے سے مینار بھی ہیں۔ ہم واپس پلٹے ہی تھے کہ موذن نے ان میں سے ایک پر کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کر دی
والدہ سلطان کی بڑی مسجد کو ہم نے کئی دفعہ دیکھا۔ پیرا کی طرف سے غلطہ پل کو عبور کرتے وقت
وہ عین سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ مگر ان موقعوں پر اوس کے باغ کے مقبرہ کو جو نہایت ہی خوبصورت
ہیں ہم اس لئے نہ دیکھ سکے کہ انکی مرمت ہو رہی تھی۔ تاہم ایک سہ پہر کو صادق بک ہمیں وہ گیلریاں اور
کمرے دکھانے لیگیا۔ جو خاص سلطانی استعمال کیلئے مخصوص ہیں۔ ان کا رخ مسجد کی طرف ہے۔ ان
سب پر چینی پچی کاری کا کام ہے۔ بعض دھاریاں مختلف درجوں کے نیلے رنگ کی ہیں۔ اور باقی سبز رنگت کی۔
ایک چھوٹے سے کمرے میں اینٹ کی رنگت کے سرخ پھول بنے ہوئے ہیں۔ جن سے عجب کیفیت پیدا
ہوتی ہے۔ تمام کمروں میں قرآن شریف کی آیات منقوش تھیں بعض دریچوں کے آئینے بھی عمدہ رنگین اور
منقش تھے۔ اور لکڑی کا کام بھی بہت عمدہ تھا۔ ایک اور چھوٹی سی مسجد کا ذکر جس کی بھی ہم نے سیر
کی تھی تفصیل شہر سے باہر جانیکے حالات میں کرونگی۔

(۸) یلدز سرا میں ضیافت

پہلی مرتبہ جلوس سلاملق دیکھنے کے بعد سلطان المعظم کی بارگاہ میں شرف حضوری حاصل ہونیکی کیفیت
پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اوس سے ایک یا دو دن بعد میرے خاوند کو اطلاع دیگئی کہ انگریزی سفیر اور سفارت
کریمیا کے وقت کے افسر جنرل کینٹ کے ہمراہ جو ہمارے والے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا دوسرے دن
محل سلطانی میں تمہاری دعوت ہے۔ اطلاع میں یہہ تصریح نہیں ہوئی تھی کہ ضیافت پرائیوٹ ہی یا سرکاری
اسلئے میری شمولیت غیر متحقق تھی۔ ضیافت کے پرائیوٹ ہونیکی صورت میں یہہ خود بخود مفہوم ہو جاتا

کہ میں بھی خاوند کے ساتھہ جاؤں۔ ضیافت کی نوعیت کا پختہ پتہ ضیافت والے دن کی صبح کو ملا۔ اُس وقت اطلاع ملی کہ وہ سرکاری ہوگی جس پر مجھے سفارت خانہ جاکر وہاں سے مدعوین کو رخصت ہوتے دیکھنے پر قناعت کرنی پڑی۔ ہمارے فرزند کو بالصراحت نام لیکر دعوت میں شریک کیا گیا تھا جس سے جلالت مآب کی بدرجہ غایت شفقت واضح ہوتی تھی۔ جب ہم باریاب ہوئے تھے۔ تو وہ سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اور اوسوقت حضور ممدوح نے ازراہِ ذرہ نوازی ہمیں مخاطب کرکے ارشاد فرمایا تھا کہ "تمہارے لڑکے کی قطع وضع نہایت شریفانہ اور ممتاز ہے"۔ سفیر، ہمارا فرزند۔ اور اعلیٰ ترجمان رسمی پوشاکیں میں تھے۔ اور میرا خاوند اور جنرل کینیٹ جن کے پاس کوئی وردی نہ تھی مجبوراً شام کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ مگر دونوں مجیدیہ تمغے لگائے ہوئے تھے جو اول باریابی کے موقعہ پر اون کو عطا ہوئے تھے۔ اس جماعت کے محل میں پہونچنے سے پہلے ہی پاشاؤں کی تعداد کثیر وہاں جمع ہو چکی تھی۔ وہ سب کے سب زرق برق کی وردیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے سینے ستاروں اور فیتوں سے ڈھپے ہوئے تھے۔ اعلیٰ ترجمان نے ان کو انگریزی مہمانوں سے روشناس کردیا۔ اُن میں اکثر وزراء بھی شامل تھے۔ بلکہ **غازی عثمان** بھی موجود تھے۔ میرے خاوند نے غازی ممدوح کو فرنچ زبان میں کہا کہ "میں قبل ازیں ڈیوک آف ولنگٹن (فاتح نپولین)، اور مولٹکی (فاتح پیرس و سیڈان) دونوں سے مصافحہ کرچکا ہوں۔ اور اب شیر پلیونا سے بھی ایسا کرنیکا فخر حاصل ہوگیا ہے"۔ سلطان المعظم رونق افروز ہونے پر منیر پاشا رئیس التشریفات کی وساطت سے انگریز مہمانوں کے ساتھہ کمال خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے گفتگو کرتے رہے۔ بادشاہوں کے درباری گو مفت کی تنخواہیں لیتے ہوں۔ مگر منیر پاشا کی نوکری کو کبھی ایسا نہیں کہا جاسکتا۔ اُن کو بڑا کام دینا پڑتا ہے۔ ضیافت میں اول سے آخر تک وہ اپنے ماہوار آقا کے بھیجے شاہی احکام مہمانوں کو پہونچانیکے لئے بالکل تیار دست بستہ کھڑے رہے۔

چند لمحوں کے بعد کل مجلس جسکے آگے آگے جلالت مآب تھے کھانے کے کمرہ کو گئی جو بہترین طلائی برتنوں سے جن میں سے چند واقعی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ تھے جگمگا رہی تھی۔ سلطان المعظم میز کے صدر میں متمکن ہوئے۔ سر کلیر فورڈ انگریزی سفیر دائیں طرف جلالت مآب اور صدر اعظم کے درمیان اور جنرل کینیٹ حضور ممدوح کے بائیں ہاتھہ تھے۔ میرا خاوند وزیر حرب اور وزیر بحریہ کے درمیان بیٹھا۔ اس مجمع کا نظارہ لاریب نہایت ہی شاندار ہوگا۔ کیونکہ اکثر ترک نہایت وجیہ اور خوش شکل ہوتے ہیں اور ڈاڑھیاں رکھتے ہیں جو نہایت عمدہ اور باقطع ہوتی ہیں۔ اور ان سے چہرہ پر رعب و وقار پایا جاتا ہے۔ پروفیسر نے گھبرا کر مجھ سے ذکر کیا کہ

کہ اِس مجمع کو دیکھہ کر دِل کو سچّی خوشی اور مسرت حاصل ہوتی تہی۔ تقریبًا تیس آدمی ضیافت میں شریک تھے۔ ترکوں کی متحیر کر دینے والی خوبصورتی سے بڑھہ کر تعجب پیدا کرنیوالی یہہ بات تہی کہ کل میز کے گرد کامل خاموشی چہائی ہوئی تہی۔ سلطان المعظم کے سوا اور سب خاموش تہے۔ جلالت مآب انگریزی سفیر سے بہت پُر جوشی کے ساتہہ گفتگو کرتے رہے۔ گو حسب معمول یہہ مکالمہ بہی اول سے لیکر آخر تک ترجمان کی وساطت سے ہوتا رہا۔ میرے خاوند نے جو ترکی آداب طعام سے ناواقف تہا اپنے پڑوسیوں سے فرنچ میں بات چیت کرنی شروع کر دی۔ مگر اُنہوں نے ایسے مختصر جواب دئیے کہ اوسے بہی آخر سکوت اختیار کرنا پڑا جس پر امیر المومنین نے جنہوں نے لاریب اس معاملہ کو دیکھہ لیا ہوگا منیر پاشا کو اشارہ کیا۔ اور اوس نے وزراء حرب و بحریہ کے کان میں کچھہ سرگوشی کی۔ اس پر وہ فیسر سے بے تکلفانہ تکلم کرنے لگ گئے۔ امیر المومنین نے خود ہی اون کو آنکہہ کے اشارہ سے ایما کر دیا کہ آداب سلطانی کی اس خلاف ورزی کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ سلطان المعظم اور سلطانی عہدہ داران نے شراب کا ایک قطرہ نہ پیا۔ نہ میز پر کوئی شراب موجود ہی تہی۔ خدام نے صرف عیسائی مہمانوں کو اوس کے جام بہر کر دیدیئے شراب کلیرٹ قسم کی تہی۔ جو ایسی عمدہ تہی کہ میرا خاوند رئیس التشریفات سے اوسکی نسبت دریافت کئے بغیر نہ رہ سکا عہدہ دار مذکور کا فرض ہے کہ دستر خوان شاہی پر جو مہمان ہوں اون کے لئے خود چکہہ کر شراب منتخب کرے۔ اوس نے جواب کی بجائے کندہوں کو ہلا دیا۔ جسکا گویا یہہ مطلب تہا کہ "تم خود اچہی طرح قیاس کر سکتے ہو"۔ دستر خوان پر جو کہانے آئے۔ اون میں سکنجبین (پنچ) بہی تہی۔ وہ برف سے سرد کی ہوئی تہی۔ اور اوسکی بو ایسی تیز تہی کہ ہر ایک کو بآسانی معلوم ہو سکتا تہا کہ اوس میں الکحل[1] ہے۔ لیکن سلطان یا اون کے مہمانوں میں سے کسی نے اوس کے پینے سے احتراز نہ کیا۔ کیونکہ یہہ مرکب پنچ (سکنجبین) کہلاتا ہے۔ اور سکنجبین کی قرآن میں ممانعت نہیں ہے۔ مہمانوں کے لئے میز پر جو طلال پڑے تہے۔ اون میں سے ایک کو میرا خاوند ساتہہ لے آیا۔ اوس پر فرنچ زبان میں یہہ الفاظ منقوش تہے "شام پین (انگوری شراب کی ایک قسم) تو ہمیشہ زندہ رہ"۔ شاہی ضیافت ہو بہو کامل فرانسیسی ضیافت کا نمونہ تہی۔ طعام کی قسمیں ترکی اور فرنچ میں لکہی ہوئی تہیں۔ کل تیرہ قسم کے کہانے فہرست میں درج تہے۔ جو یکے بعد دیگرے سب کے سب میز پر چنے گئے۔ سرکاری اعلان میں تاریخ ۲۳ رجون درج تہی۔ مگر ضیافت انگریزی کلنڈرہ کے رو سے فی الحقیقت اتوار کے دن ۲۴ رجون کو

[1] لیڈی صاحبہ کے خاوند کو جسکی سند پر وہ یہہ لکہہ رہی ہیں اس میں مغالطہ ہو گیا ہے سکنجبین میں لیموں کی ہو یا سرکہ کی الکحل ہرگز نہیں پڑتا چونکہ تیز سرکہ کی بو الکحل (روح شراب) سے بہت کچھہ ملتی جلتی ہے۔ صرف اس سے اون کو سکنجبین میں اوسکے ہونیکا دہوکا ہو گیا ہے۔ مترجم۔

ہوئی۔ پلاؤ وغیرہ ایشیائی طرز کے کہانوں کے علاوہ یورپین کہانے بہی تہے۔ جن میں سے دو خاص انگریزی قسم کے تہے۔ جو انگریزی مہمانوں کے لئے خاص طور پر تیار کرائے گئے ہونگے۔ پلاؤ ترکوں کا ایسا مرغوب کہانا ہے کہ ممکن نہیں جس ضیافت میں کوئی ترک شامل ہو اس میں پلاؤ نہ ہو۔ میرے بیٹے نے مجہہ سے ذکر کیا کہ جس طرف وہ تہا۔ ادہر کے کسی مہمان نے ایک لفظ بہی زبان سے نہ نکالا۔ مگر کہانا اس قدر ہڑپ کیا گیا کہ وہ حیران رہ گیا۔

بدوران ضیافت سلطان المعظم نے منیر پاشا کو یہہ پیغام دیکر میرے خاوند کے پاس بہیجا کہ حضور ممدوح الطاف شاہانہ کے مزید اظہار کے لئے عنقریب مجہہ کو نشانِ شفقت عطا فرمائیں گے۔ یہہ نشان صرف عورتوں کو دئے جاتے ہیں۔ چنانچہ چند دنوں ہی کے بعد محل ہمایوں کا ایک عہدہ دار یہہ خوبصورت نشان مجہے ہوٹل میں پہونچا گیا۔ نشان سرخ مخمل کے صندوقچہ میں جس پر سنہری ہلال اور ستارہ بنا ہوا تہا بند تہا۔ بعد میں مجہے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت جو تمغے بالعموم عطا فرماتے ہیں۔ میرے والا تمغہ ان سے زیادہ خوبصورت اور مرصع کار ہے۔ یہہ تمغہ طلائی ستارہ کی شکل کا ہے جسکی پانچ کرنیں نکلی ہوئی ہیں۔ ہر کرن پر نہایت ہی خوبصورت سبز مینا کاری سے پتے اور لعلوں کے پہول بنے ہوئے ہیں۔ اور سرے پر آبدار الماس جڑا ہوا ہے۔ ستارہ ڈہلا ہوا نہیں۔ سونے کو ہاتہہ سے کوٹ کر بنایا گیا ہے۔ اس ستارہ کے ساتہہ ایک اور پانچ کرنی ستارہ سرخ مینا کاری کا ہے۔ یہہ دونوں ستارے دوش بدوش ہیں اور انکے وسط میں ایک مدور طلائی ٹکیا ہے۔ اس پر سلطان المعظم کا طغرا کندہ ہے۔ اور گرداگرد سبز مینا کاری کی بیل ہے۔ جس کے ساتہہ ساتہہ تین مرتبہ طلائی عربی حروف میں لفظ "شفقت کنندہ" ہے۔ فیتہ جس سے اسے لٹکایا جاتا ہے سفید آبدار ریشمی کپڑے کا ہے۔ اس کے دونوں طرف چہوٹی چہوٹی سرخ دہاریاں ہیں۔ جو دو سبز خطوں کے درمیان ہیں۔ تمغہ سرخ کوفت کاری کے ہلال اور ستارہ کے ذریعہ سے اس فیتہ سے بندہا ہوا ہے۔

کہانے سے فارغ ہوکر انگریز مہمان اور چند اعلیٰ ارکین قہوہ اور سگرٹ نوشی کے لئے سلطان المعظم کے ہمراہ دوسرے کمرہ میں گئے۔ جلالت مآب نے صرف یہی نہیں کہ بنفس نفیس سگرٹ پیش کئے بلکہ خود دیا سلائی روشن کر کے میرے خاوند کو دی۔ ایک متصلہ وسیع کمرہ میں جو کہجور کے پودوں اور پہولوں سے خوب آراستہ تہا راگ گایا جا رہا تہا۔ سلطان المعظم نے کسی قدر فخر و مباہات کے ساتہہ ارشاد فرمایا کہ کل سازندے اور گوئیے ترک ہیں۔ سرود خوش الحان اور عمدہ تہا۔ اور گویوں کے گلے صاف اور وہ خود اعلیٰ تربیت یافتہ تہے۔ جلالت مآب کو

خود بھی موسیقی کا بہت شوق ہے اور اکثر اپنے ایک صاحبزادہ کے ساتھہ بلکہ جیسے کسی دن اس فن میں کمال حاصل ہو جائیگا۔ ہارمونیم بجایا کرتے ہیں۔ اوس رات بہت وقت گذر جانیکی وجہ سے شاہزادے شامل نہ ہوئے مگر سلاملق کے موقعوں پر ہمیں اون کا دیدار ہوتا رہا۔ وہ اوس وقت خوبصورت عربی گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور خوب چاق چوبند مضبوط اور چھریرے جسم کے معلوم ہوتے تھے۔ سلطان المعظم بہت رات گذرے اپنے مہمانوں سے رخصت ہوئے جب وہ کمرہ سے باہر تشریف لے گئے۔ تو صدر اعظم نے کہا۔ جلالت مآب اب رات دو بجے تک کام کرینگے اور پھر سویرے ہی اوٹھ کر کام میں مشغول ہو جائیں گے۔ وہ خود بھی بہت کم آرام لیتے ہیں اور اپنے وزراء کو بھی کم آرام کرنے دیتے ہیں۔ وزیر اعظم نے یہہ بھی کہا کہ جلالت مآب اپنے کل کاغذات کو ایسے سلیقہ اور ترتیب سے رکھتے ہیں کہ جس کاغذ کی ضرورت ہو اوس کو اپنے کام کرنیکے کمرہ سے تاریکی میں بھی باسانی نکال سکتے ہیں۔

ہر ایک امر کا خفیف ہو یا اہم سلطان المعظم بذات خود فیصلہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ آخر انسان ہیں اور نیز دوسرے انسانوں کی طرح اون کے دن کے بھی چوبیس ہی گھنٹے کے ہوتے ہیں۔ بیشمار خفیف معاملات کی وجہ سے جن پر اون کے احکام کا حصول لازمی ہے کئی زیادہ اہم معاملات معرض تعویق میں پڑے رہتے ہیں اور اکثر کئی کئی مہینوں تک بلا تصفیہ رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں ایک معاملہ کا ذکر کرتی ہوں۔ تھراپیا (مضافات قسطنطنیہ جو باسفرس کے یورپی ساحل پر آباد ہے) میں جس لنگر سے انگریزی سفارت کا حفاظتی جہاز باندہا جاتا تہا۔ اوس کے قریب پانی میں ایک چٹان ڈوبا ہوا تہا جس سے دریا کو مد و جزر کے بعض موقعوں پر جہاز کو نقصان پہونچ جانے کا احتمال تہا۔ مگر چونکہ سلطان المعظم کے حکم کے بغیر وہ لنگر اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جاسکتا تہا سفیر نے ہمارے جانے سے پہلے کی عرضی دی ہوئی تہی کہ لنگر مذکور کو چند فیٹ ہٹا دینے کی اجازت مل جائے۔ ہم تین مہینے رہے اور ہماری روانگی تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہوا تہا۔

ضیافت کے بعد جو پہلا جمعہ آیا۔ اوس جمعہ کو ہم پھر بطور شکر گذاری اور شاہی آداب بجالانے کے لئے سلاملق میں حاضر ہوئے۔ اور جب منیر پاشا حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہونچانے آئے تو میں نے اون کی معرفت تمغہ شفقت کی مرحمت کا شکریہ نہایت ادب احترام کے ساتھہ سلطان المعظم کی خدمت میں کہلا بھیجا۔ سلاملق سے ماقبل کی رات کو انگریزی سفارت میں بڑی بھاری دعوت تہی جس میں بڑے فخر و ناز اور ساتھہ ہی مسرت و فرحت کے ساتھہ اس تمغہ کو لگا کر شامل ہوئی تہی۔

اسکے بعد اور دو دفعہ ہم سلاملق میں شریک ہوئی۔ ایک دفعہ تب جبکہ نوجوان خدیو بھی وہاں موجود
تھا۔ اور اوس کے اعزاز میں سلطان المعظم کے مسجد سے تشریف لیجانیکے بعد کل فوج پرے باندھ کر
گذری تھی چند نوعمر افسروں کو قاعدہ کے ساتھہ پریڈ مارچ کرتے دیکھہ کر جو اُنہوں نے برلن میں سیکھا
تھا طبیعت کو بہت فرحت ہوئی۔ مگر اون افسروں کے لئے جنکی عمریں نسبتاً بڑی تھیں عموماً بھاری سے
تیز قدمی کے ساتھہ نیچے جانا سخت تکان دہ کام تھا۔ خدیو جتنا عرصہ قسطنطنیہ میں ٹھہرے۔ برابر آزردہ رہے
اون کو توقع تھی کہ خود مختار بادشاہ کی طرح اونکی تعظیم و تکریم ہوگی۔ اور سلطان المعظم نے اونکی خاطر ویسی کی جو
باجگذار حکمران کے مناسب حال ہوسکتی تھی چنانچہ محل ہمایون میں اون کو جو بڑی ضیافت دیگئی۔ اوس میں
اون کو صدر اعظم کے بعد بحیثیت سوم رکن سلطنت جگہ دیگئی۔ سلاملق میں سلطان المعظم نے اون کو اپنے ہمراہ
مسجد جانیکی دعوت نہ کی۔ صرف یہہ اعزاز کیا گیا کہ جلوس اور فوج کا "مارچ پاسٹ" دو پرے باندھ کر سامنے
سے گذرنا دیکھنے کے لئے سفرا کی کوشک کے متصل اون کو ایک علیحدہ کوشک میں بٹھایا گیا۔ آخری دفعہ ہم بڑی
مشکلوں سے سلاملق میں شامل ہوسکے۔ میرے خاوند کو اپنی تصنیف کردہ کتب موسومہ "مشرق کی مقدس کتابیں"
سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کرنیکی اجازت ملگئی تھی۔ اور یہہ کتابیں انگلستان سے پہونچگئی تھیں جب وہ
جمعہ آیا۔ . . . . جبکہ ہم نے آخری مرتبہ سلاملق کو جانا تھا تو ہمیں یہہ خیال نہ رہا کہ چونکہ ٹرکی میں غروب آفتاب
سے وقت کا شمار ہوتا ہے۔ اس لئے موسم گرما میں یورپین طرز شمارِ وقت کے بارہ بہر وزترکی وقت میں سویرے[1]
ہوتے جاتے ہیں چنانچہ جب سلاملق کے عازمین کو لیجانیوالا جہاز جو صرف ایک دفعہ چلتا ہے تھراپیا پہونچا تو ہم
اوسوقت تیار نہ تھے۔ اوس کے چلے جانیکے بعد ہم نے کسی قدر دقت کے ساتھہ گاڑی بہم پہونچائی اور اوس پر
سوار ہوکر ملدز کی طرف روانہ ہوئی۔ تھراپیا سے پہلے ہم کو گھنے درختوں کی گھاٹی موسومہ "کراؤ بیروؤ" (آب سرد) پر چڑھنا
پڑا۔ اسکے بعد ہم اوس بائے نام شاہراہ پہ ہوگئے جو باسفرس کے کنارہ کی پہاڑیوں کی چوٹی چوٹی پیرا کو جاتی ہے۔

---

[1] ناظرین کو اس کا مطلب بالتشریح اس سے بآسانی سمجھہ میں آجائیگا۔ سرما میں انگریزی وقت کے عموماً پانچ بجے دن
غروب ہوتا ہے۔ اور چونکہ ترکی وقت کا اوس سے ایک کا عمل شروع ہوگا۔ انگریزی وقت کے جب دوپہر کے
بارہ بجیں گے۔ اوس وقت ترکی وقت کے ۷ بجیں گے۔ لیکن گرمی میں دن بڑھنا شروع ہوجاتا ہے حتی کہ جون میں تقریباً
آٹھہ بجے دن غروب ہوتا ہے۔ چنانچہ اوس موسم میں جب انگریزی وقت کے دوپہر کے بارہ بجیں گے ترکی
وقت کے سولہ بجیں گے۔ مترجم۔

شرک اس قدر خشکی کی طرف ہٹی ہوئی ہے کہ ہم باسفرس کے پانی کو نہ دیکھ سکے۔ تاہم ساری شرک سے باسفرس کے ایشیائی ساحل کی پہاڑیوں کا نظارہ ہوتا رہا۔ شروع شروع میں تو یہہ رتیلی شرک اچھی تھی مگر جوں جوں دار الخلافہ کے قریب پہونچتے گئے۔ وہ خراب ہوتی گئی۔ حتی کہ آخر شش اس قدر گہری نالیاں اور بڑے بڑے گڑھے آ گئے کہ ہم کو مجبوراً شرک چھوڑ کر کہتیوں میں سے جس طرح بن پڑا گذرنا پڑا جب ہم بلدیز پہونچے تو کل فوجیں صف بستہ ہو چکی تہیں۔ مگر ہم فوج سواران کی صف کو چیر کر آگے بڑھ گئے۔ اور اسی وقت ہمیں صادق بک مل گیا وہ ہماری طرف سے بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ اوسکی نگرانی میں ہم جھٹ پٹ سفرا کی بارہ دری میں پہنچ گئے میرے خاوند نے تہوڑی سی عبارت لکھہ کر اوس میں مشرق کی کتب مقدسہ کی تالیف اور طبع کے مقاصد و مدعا کو واضح کیا تھا۔ اور اس عبارت کا سفارت کے ایک ترجمان سے سلیس ترکی میں ترجمہ کرا کر اوسے چند روز پیشتر محل ہمایون کو بھیجدیا تہا۔ اور ساتھہ ہی سلطان المعظم کی خدمت میں یہہ عرض کر بھیجا تہا کہ ہم ایک ہفتہ میں رخصت ہو جائینگے جب رئیس التشریفات حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہونچانے آیا تو اوس نے پروفیسر کو کہا کہ سلطان المعظم تمہاری تحریر سے جس کا لفظ لفظ حضور ممدوح نے مطالعہ فرمایا ہے کمال محظوظ اور متاثر ہوئے ہیں۔

سلاملق کے بعد صادق بک ہم کو اوسی کوشک میں لیگیا کہ جہاں پہلی سلاملق کے بعد ہمیں شرف باریابی حاصل ہوا تہا۔ ایک بڑے کمرہ میں لیگیا۔ وہاں بہت سے آدمی (جو سب کے سب مرد تہے) سعادت خصوصی ملنے یا سلطان المعظم کے احکام سننے کے انتظار میں جمع تہے۔ یہاں ہمیں حاجی علی گرینڈ چیمبرلین (اعلی حاجب) سے جو نہایت متین اور باوقار کمال خوبصورت پیر مرد ترک ہے روشناس کرایا گیا جس کمرہ میں ہم تہے۔ اور جس میں سلطان المعظم منتظران جمال کو شرف دیدار عطا فرما رہے تہے اون دونوں کے درمیان وہ مسلسل آمد و رفت کرتا رہا۔ کل حاضرین کو قہوہ اور سگریٹ اور مفرح برف میں سرد کیا ہوا شربت بادام دیا گیا۔ اور ہم سب ایک دوسرے کی طرف باوقار خاموشی سے بیٹھے تکتے رہے۔ حتی کہ صادق بک نے علامۂ زمان جلال الدین افغانی[1] کو جو شاعر اور نہایت مشہور و ممتاز شیخ ہے لا کر میرے خاوند سے معرف کرایا۔ اور اون دونوں میں فی الفور زبان فرنچ کر دول اور سلطنت عثمانیہ کی دیگر اقوام پر طویل و دلچسپ گفتگو شروع ہو گئی۔ ایک دوسی افسر بہی جو پاس کہڑا تہا۔ حالانکہ اوسے اس مضمون پر بہت تہوڑا علم تہا گفتگو میں شامل ہو گیا۔ اور اوس نے پروفیسر اور جلال الدین کی رائے سے جو دونوں بالکل متفق الراے تہے مختلف رائے ظاہر کی۔ ہم سب بیٹھے ہوئے

[1] افسوس شیخ موصوف سال گذشتہ قسطنطنیہ میں فوت ہو گئے۔ مترجم۔

اون کی دلیلوں کو سنتے رہے۔ کہ اتنے میں گرینڈ چیمبرلین نے سلطانی کمرہ سے برآمد ہو کر میرے خاوند سے کہا کہ "سلطان المعظم تمہاری تحریر پڑھ کر بہت خوش ہوئے ہیں اور گو آج وہ بہت مصروف ہیں اور تم سے ملاقات نہیں کر سکتے۔ تاہم حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا ہے کہ جانے سے پہلے وہ تم سے ایک دفعہ پھر ضرور ملاقات کرنا چاہتے ہیں جس کے لئے کوئی دن بعد میں مقرر کیا جائیگا اور تم کو چاء یا کھانے پہ مدعو کیا جائیگا"۔ پھر سے ہٹ کر حاجی علی شیخ جلال الدین کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس سے کہا کہ سلطان المعظم نے تم کو باسفرس کے کنارہ ایک مکان عطا فرمایا ہے۔ بعد ازاں پھر پروفیسر کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ "جلالت مآب نے تم کو عزت و قدرافزائی کا اعلیٰ ترین نشان "تمغہ لیاقت" بھیجا ہے جسے حضور ممدوح بہت شاذ و نادر عطا فرماتے ہیں"۔ وہ ایک چھوٹا سا خوبصورت طلائی تمغہ ہے اور سلطان المعظم اوسے باقی سب طبقوں کے تمغوں سے افضل سمجھتے ہیں۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا۔ کہ میرا خاوند اون عیسائیوں سے علاوہ جو سلطان المعظم کی ملازمت میں داخل ہیں پہلا عیسائی ہے جسے یہہ تمغہ عطا ہوا ہے (یعنی اس سے پہلے چند معدودے چند خوش نصیب عیسائیوں کو یہہ تمغہ ملا تھا وہ سلطان المعظم کے ملازم تھے) صادق کا چہرہ اس نشان کو پروفیسر کے سینہ سے ٹانکتے وقت خوشی سے تمتما اٹھا تھا۔ فی الواقع سلطان الکریم کی نوازش اور عنایت کا یہہ بہت بھاری ثبوت تھا۔ یہہ تمغہ ایک چھوٹے سے سرخ فیتہ سے جس کے کنارے سبز ہیں لٹکا ہوا ہے۔ اور ترکی میں اوس پر یہہ الفاظ نقش ہیں "یہہ اون کے واسطے مخصوص ہے جو لیاقت صداقت اور ہمت مردانہ ظاہر کریں"۔ رخصت ہونے پر ہم نے بیرونی ایوان کو ملازموں سے بھرا ہوا پایا۔ وہ سب انعام کے متوقع تھے۔ ہم نے ترجمان سے جو وہاں ہمارے انتظار میں بیٹھا تھا درخواست کی کہ جو کچھ مناسب ہو نوکروں کو دیدے۔ اوس نے دو پونڈ ترکی (ایک پونڈ اور سولہ شلنگ) سب میں تقسیم کر دیئے۔ ہم نے صادق کو اپنی روانگی کا وقت بتا کر اوس سے التجا کی کہ وہ عہدہ داران محلسرا ہمایون کو اچھی طرح سے بتا دے .... کہ ہم اس ہفتہ کے اندر جانیکا پختہ عزم رکھتے ہیں۔ گو ہم جانتے تھے کہ سلطان کا پیغام پہنچ جانے کے بعد اور بالخصوص تمغہ لیاقت کے عطیہ کے بعد ہم پر ایک طرح سے واجب ہو گیا ہے کہ اگر سلطان المعظم ہم کو اوس دن سے پہلے جس دن ہم نے وطن کی طرف واپس جانے کا تصفیہ کیا ہوا تھا شرف باریابی عطا نہ فرما سکیں تو ہم اپنی روانگی کو چندے ملتوی کر دیں۔

(۹) پرانی شہر پناہ

پرانی شہر پناہ اور فصیلوں کی خوبصورتی کا ذکر ہمارے فرزند نے اپنے کئی خطوں میں کیا تھا۔ چنانچہ ہم نے صادق بک سے جس نے بھی اون کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک سہ پہر اس گشت پر صرف کرنے کا فیصلہ کیا۔ کبھی یہہ فصیل سارے شہر کے گرد موجود تھی۔ اور وہ دیوار جو سمندر کی طرف کی فصیل کہلاتی تھی اور گوشہ محلسرا سے یدی قلہ (ہفت برج) تک بحیرہ مرمرا کے کنارہ کنارہ بنی ہوئی تھی۔ ریلوی لاین کی تعمیر کے وقت تک خاصی عمدہ حالت میں کھڑی تھی۔ مگر جب لاین بنی تو وہ تقریباً اوس موقع سے گذری جہاں پر دیوار تھی جس پر اوسی گرا دیا گیا اسباب کہیں کہیں اوسکا کوئی ٹکڑا کھڑا ہے۔ باقیماندہ فصیلوں کی طرح دریائی فصیل کو بھی ابتداً قسطنطین اعظم نے تعمیر کرایا تھا۔ اور پھر قیصر تھیوڈوسی اس ثانی نے (جو ۴۰۸ء سے ۴۵۰ء تک حکمران رہا) اوسکی خوب طرح مرمت کرائی تھی۔ وہ ایک قسم کے پشتہ پر جو دیوار کے پائیں میں بڑے بڑے چٹانوں کا بنا ہوا ہے بنائی گئی تھی۔ اور باقیماندہ آثار سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ موجوں کے زور کو توڑنے کے لئے وہ عمداً بخط مستقیم یعنی سیدہی نہیں بنائی گئی تھی۔ دریائی فصیل دوسری فصیلوں سے کم چوڑی ہے۔ یہہ امر بتارہا ہے کہ خود تنہا سمندر کو بھی کافی حفاظت خیال کیا گیا تھا۔ اکثر جگہ کتبوں کے نشان موجود ہیں جن پر تھیوڈوسی اس کا نام کندہ ہے اور کل فصیل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ زمانہ میں اوس میں تقریباً دس دروازے تھے۔ جن سے اون مینا برجوں کو جو عین اوس سے اوپر کر کے بنے ہوئے تھے۔ اور نیز شہر کے اندرونی حصّوں کو سمندر کی طرف سے راستے جاتے تھے۔ مگر یہہ فصیل جو ہر ایک جگہ سے ٹوٹی ہوئی اور غلیظ گلیوں سے ملی جلی ہوئی ہے وہ فصیل نہیں جسکا ہمارے بیٹے نے ذکر کیا تھا اور جس کو دیکھنے کے لئے ہم روانہ ہوئے تھے۔ ہم ریل پر یدی قلہ کو گئے یہہ قلعہ اوس زاویہ پر ہے جو دریائی جانب اور خشکی کی طرف کی فصیلوں کے التصاق سے بنتا ہے خشکی کی طرف کی فصیل اس موقع سے خلیج تک تقریباً پانچ میل لمبی چلی گئی ہے۔ اس قلعہ کو محمد فاتح نے تعمیر کرایا تھا۔ اور کسی وقت اسیران سلطانی کے محبس کا کام دیتا تھا۔ اب وہ کھنڈر پڑا ہے۔ سات میں سے تین برج منہدم ہو گئے ہیں۔ اور باقیماندہ چاروں پر بھی گھاس اگا ہوا ہے۔ ایک تاریک سے دروازہ میں سے گذر کر جو بند رکھا جاتا ہے ہم صحن میں پہونچے وہ تختہ گیاہ معلوم ہوتا تھا۔ اوسکی بائیں طرف وہ برج ہے جس میں اوس سلطنت کے سفیر جس سے بابعالی کی جنگ چھڑ جائے فی الفور مقید کر دیئے جاتے تھے۔ یہ برج آخری دفعہ ۱۷۹۸ء میں استعمال

میں لایا گیا تہا جبکہ فرینچ سفیر کچہہ عرصہ کے لئے اوس میں نظر بند رکہا گیا تہا۔ قلعہ کی نگرانی اور حفاظت پر ہمیشہ ینگچری فوج کا دستہ مامور رہتا تہا۔ اور یہیں یہہ سرکش فوج اون سلاطین کو جن سے وہ بگڑ جاتی تہی قید کر کے لایا کرتی تہی۔ اور اون میں سے بعض کو یہیں اوس نے قتل بہی کیا تہا۔ ہم نے اون کمروں کو جا کر دیکہا جن میں فرینچ سفیر مقید رہا تہا۔ اون کے فرش کچے تہے۔ روشنی کا کوئی راستہ نہ تہا۔ اور صرف ایک تنگ تاریک پیچ دار راستہ سے جسکی ایک شخص بہی بآسانی حفاظت کر سکتا تہا۔ اون تک پہونچا جاتا تہا۔ وہاں سے قیدی کا بہاگ سکنا بالکل ناممکن تہا۔ اس برج سے باہر قریب ہی ایک گہرا کنواں ہے جسے خونی کنواں کہا کرتے ہیں اس میں اون لوگوں کے سر گرا دیئے جاتے تہے۔ جو ایک متصل چہوٹے سے صحن میں قتل کئے جاتے تہے روایت ہے کہ روس کی ملکہ کیتہرائن اعظم کے سفیر کونٹ اوبر سکاف کو موجود الوقت سلطان نے کسی خفیف سی رنجش پر جو دونوں ملکوں میں ہو گئی تہی اس کنوئیں میں لٹکا دیا تہا اور تین دن اوس کو وہیں رہنے دیا تہا چند ڈہلوان زینوں پر چڑہنے سے ہم بلند سطح پر پہونچ گئے یہاں سے مرمرا کا جو دہوپ کی سنہری کرنوں سے طلائی چادر کی طرح جگمگا رہا تہا دور تک ایسا شاندار نظارہ ہوتا تہا۔ کہ انسان اوسے مدت العمر فراموش نہیں کر سکتا۔ دن سخت گرم تہا اور صادق نے مجہے اس بلندی پر اپنے بیٹے کے پیچہے جانے سے روکنے کی بہتیری کوشش کی تہی۔ مگر جب کامیاب نہ ہوا تو اکیلا ہی اوسی بہرے صحن میں بیٹہہ گیا۔ اوسکی وردی بہت ہی چست اور پتلون بہت تنگ تہی جس سے اوس کو اوپر نیچے چڑہنے اترنے میں بہت دقت ہوتی تہی۔

جب ہم اس ہولناک قلعہ سے باہر نکلے تو میں نے شکر کا کلمہ پڑہا۔ پہر اپنی گاڑی کے پاس پہونچکر اوس پر سوار ہو گئے اور ایسے راستہ سے جو باقاعدہ پہاٹک ہونیکی بجائے شگاف سا معلوم ہوتا تہا پرانی فصیل سے باہر کی طرف ہو گئے۔ جہاں پہونچتے ہی کل منظر جو خوبصورت مگر ساتہہ ہی سنسان تہا ہماری نظروں کے سامنے پہیل گیا۔ جہاں تک ہماری نگاہ پہونچتی تہی۔ دیواریں دیوار اوسکے بے شمار برج دکہائی دیتے تہے۔ اوسکی منہدمہ حالت روئیدگی جنگلی انگوروں اور دوسرے پودوں کی بیلوں سے جو چاروں طرف پہیلی ہوئی تہیں۔ چہپی ہوئی تہی خشکی کی طرف کی فصیل اول سے آخر تک تہری تہی جس کے اب بہی برابر نشان موجود ہیں۔ اندرونی فصیل۔ بیرونی فصیل۔ اسکے آگے مٹی کا پشتہ اور پہر خندق۔ خندق چار صدیوں کی مسلسل روئیدگی سے تقریباً پٹ گئی ہے جس کے درختوں کی سبزی دیواروں کے ساتہہ ساتہہ چلی جاتی ہوئی عجب کیفیت دکہاتی ہے۔ ہماری دائیں طرف قریب ایک طلائی دروازہ اور اوس کے دونوں مینار تہے۔ جو سنگ مرمر کے بنے

ہوئے ہیں۔ یہی وہ محراب فتح تہی جس سے قیاصرہ بڑے بڑے موقعوں پر شہر میں داخل ہوکر بازار فتح کے راستہ ایا صوفیا کو جایا کرتے تہے۔ دروازہ سے باہر سمندر کا ہموار ساحل ہے۔ رومی قیصر یہاں پر جہازوں سے خشکی پر اترکر دروازہ میں داخل ہوا کرتے تہے۔ اب اس دروازہ میں دیوار چن دیگئی ہوئی ہے جس سڑک پر ہم نے گذرنا تہا وہ ایسی بری تہی کہ عربوں کے سوا اور کسی قسم کے گہوڑے اوس پر سے چلنے کی جرأت نہیں کر سکتے تہے۔ اس پر کسی وقت پختہ فرش موجود تہا۔ مگر اب بیشمار پتہروں کے ٹوٹ جانے یا اُکھڑ جانے سے اس قدر گڑھے پڑ گئے ہوئے ہیں کہ آخر ہمیں بہت سا حصہ پیدل چلنا پڑا۔ راستہ میں ہماری بائیں طرف کہلے میدان میں ارمنی ہسپتال۔ یونانی یتیم خانہ اور کئی دیگر اسی قسم کی عمارتیں آئیں۔ مگر ہماری توجہ ہمہ تن اون برجوں اور پہاٹکوں کی طرف مبذول تہی جو ہماری دائیں طرف شہر پناہ کی لمبی دیواروں میں بنے ہوئے تہے اور جن میں سے ہر ایک کے متعلق کوئی تاریخی روایت یا قصہ مشہور تہا۔ یا یونانی لاطینی زبان میں کوئی کتبہ موجود تہا جس دروازہ کو اب "سلی وری کاپوسی" پکارا جاتا ہے۔ یونانی شہر کو لاطینیوں کے ہاتہہ سے پہر فتح کرنے پر اوسی کے راستہ داخل ہوئے تہے۔ اس دروازہ سے متصل ہی باہر کی طرف درختوں کے جہنڈ میں بلوق لی کا متبرک کنواں ہے۔ مجہے اوسے نہ دیکہنے کا بہت افسوس ہوا۔ کیونکہ نیم برشتہ مچہلی کا قصہ اسی کے متعلق مشہور ہے اسجگہ پانی کے بہت سے چشمے ہیں چنانچہ اسے پہلے حضرت مریم کے چشموں کی جگہ پکارا جاتا تہا۔ روایت یہہ ہے کہ قسطنطنیہ کے فتح کے وقت یہاں ایک راہب رہتا تہا۔ جب ترکوں نے شہر پر آخری ہلہ کیا۔ اوسوقت وہ مزے سے بیٹہا ہوا مچہلیاں تل رہا تہا جسوقت اوسے کسی نے کہا کہ ترک شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو اوس نے کہا "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہہ مچہلیاں کڑاہی سے اُچہل کر پانی میں چلی جائیں۔ تو پہر البتہ میں یقین کر لوں"۔ اوسکے کہنے کی دیر تہی کہ مچہلیاں اچہل کر پانی میں چلی گئیں جنکی اولاد کا نیم برشتہ مچہلیوں کی طرح آدہا جسم سیاہ اور آدہا سفید ہوتا ہے۔ بلوق لی کی فطرتی دلفریبی اور خوبصورتی پر بائیزنطینی شعرا اور افسانہ نویسوں نے خوب خوب جوہر طبع دکہائے ہیں۔

فصیلوں کے تقریباً ہر ایک برج پر کوئی نہ کوئی کتبہ ضرور موجود ہے جو اوسکی تعمیر یا مرمت ہائے مابعد کی تاریخوں کا پتہ بتا رہا ہے۔ دروازہ توپ کاپوسی کے دونوں طرف فصیل تقریباً منہدم تہی۔ اور ایک جگہ نالہ لیکس کے قریب اب تک بہت بڑا شگاف صاف دکہائی دیتا ہے۔ ترک اسی کے راستہ پہلے پہل داخل ہوئے تہے۔ بعد ازاں اسکی بہت کم مرمت کیگئی۔ اس دروازہ کو توپ دروازہ اس لئے پکارا جاتا ہے۔

کہ محاصرہ کے وقت ترکوں نے اوس کے مقابل بڑی بڑی گراں وزن توپیں نصب کی تہیں۔ لاطینی بہی صلیبی لڑائیوں کے وقت اسی شگاف کے قریب شہر میں داخل ہوئے تہے۔ اور اسی شگاف پہ آخری محاصرہ میں جنوا کا بہادر جسٹی نی آنی زخمی ہوا تہا۔ اور اوس کے لڑائی سے ہٹ جانے پر اوس کے تمام تنخواہ دار (یا بندہٗ زر) سپاہی بہی چلے گئے تہے۔ قسطنطین نے عین توپ کاپوسی کے اندر ہی آخری وقت تک غنیم کی دل بادل فوج قہار سے مقابلہ کرتے ہوئے مردانہ وار اپنی جان قربان کی تہی۔ حملہ آوروں کی تعداد دو لاکہہ تہی جن کے مقابلہ میں اکثر مورخین کا خیال ہے کہ شہر میں آٹہہ ہزار سے زیادہ قواعد دان محافظین نہ تہے۔ تاہم یہہ چھوٹی سی جماعت ۵۲ دن تک دشمن سے اپنے شہر کو بچائے رہی۔ بہادر قسطنطین کی لاش کشتیوں کے پشتوں کے نیچے پائی گئی تہی۔ اوسکی دلیرانہ بہادری نے محمد پہ ایسا اثر کیا تہا کہ اوس نے لاش کو ادب و احترام سے دفن کرنے کا حکم دیا۔ اور قسطنطنیہ میں ہمیں یہہ بہی سننے کا اتفاق ہوا کہ آخری یونانی قیصر کی قبر پہ سرکاری خرچ سے ہر وقت ایک چھوٹا سا لمپ روشن رہتا ہے۔ کسی گائیڈ بک میں اس کا ذکر نہیں۔ مگر یہہ یقینی امر ہے کہ اس بات کو درست سمجھا جاتا ہے۔ قسطنطنیہ کا وہ سارا حصہ ایسا غلیظ اور ویران ہے کہ ہم نے خود موقعہ پہ جاکر اوس کے تصدیق کرنے کا کبہی خیال تک نہ کیا۔ یہہ عجب اتفاق تہا۔ ہم اوس نظارہ کو جس نے مکتب کے ایام سے ہمارے دلوں پہ نہایت گہرا اثر ڈال رکہا تہا۔ اوس فاتح قوم کے ایک فرد کی رفاقت میں دیکہہ رہے تہے جس کے باسفرس سے دلی جانب موجود ہونیکی نسبت شروع سے ہمارے دلوں میں یہہ بٹھا دیا گیا تہا کہ یہہ عیسائیوں کے لئے ایک سخت دہبہ ہے۔ صادق بک کے چہرہ سے معلوم ہوتا تہا کہ توپ کاپوسی اور اوسکے ملحقات کو دیکہہ کر اوس پہ کوئی چنداں اثر نہیں ہوا۔ غالباً اوس نے اس کے متعلقہ تاریخی حالات پر اوسوقت نظر نہیں دوڑائی ہو گی۔ مجہ اوسکی لاپروائی سے ایکطرح کا سخت صدمہ پہونچا۔ کیونکہ میں خوبصورت شہر اور اوس کے پرفضا مضافات کا خیال کرتے وقت دل میں یہہ کہہ رہی تہی کہ اگر صادق اوس وقت اپنے آبا و اجداد کے کارناموں پہ کوئی فخر ظاہر کریگا تو میں اوسے معذور سمجہونگی۔ اس دروازہ سے آگے دیوار سے باہر مکروہ اور قابل نفرین سڑک کے بائیں ہاتہہ تمام کہلے میدان میں ایک وسیع قبرستان پہیلا ہوا ہے۔ پہاڑی کی چوٹی پر اور وادی کے دامن میں الغرض جہاں تک نظر کام کرتی تہی۔ قبروں کے لمبے لمبے پتلے ستون نظر آتے تہے۔ اور اون میں اتنے موٹے اور بلند سرو سایہ ڈالے ہوئے تہے کہ اون سے بڑے ہم نے پہلے نہیں دیکہے تہے۔

توپ کاپوسی سے تہوڑے ہی فاصلہ پہ ادریدہ برج ہے۔ جو سب برجوں سے زیادہ خوبصورت اور حیرت افزا

ہے۔ اِس میں ازسرتاپا ترکی توپوں کے ایک گولہ سے جو سنگ مرمر کا تہا شگاف پڑ گیا تہا۔ اور گو اوس کے
دونوں حصے بالکل جدا جدا ہوگئے ہیں مگر وہ ابتک قایم کہڑا ہے۔ یا جب ہم نے دیکہا اوسوقت قایم کہڑا تہا۔
کیونکہ میں نے سُنا ہے کہ ۱۸۹۴ء کے زلزلہ میں وہ گر پڑا تہا۔ لیکن اس خبر کی تصدیق اب تک ہمارا اٹہیا موقع پر
جاکر نہیں کرسکا۔ چارسو برس تک اس دریدہ برج کا صحیح سالم کہڑا رہنا معجزہ سے کم نہیں معلوم ہوتا۔

توپ کاپوسی کے آگے ادرنہ کاپوسی (دروازہ ایڈریانوپل) ہم قہریہ یعنی بیل بوٹے دار مسجد کو دیکہنے کیلئے
اوس کے راستہ اندر داخل ہوئے۔ یہہ کسی وقت عیسائیوں کا گرجہ تہا۔ جو ایک نہایت ہی قدیم گرجہ کی جگہ
بارہویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تہا۔ اُس زمانہ میں شہر کا یہہ حصہ جو اب ویران و سنسان پڑا ہے بلاشرنی
محل کے قرب کے باعث جس میں بازنطینی۔ لاطینی اور فتح پانیکے بعد پہر یونانی قیاصرہ رہتے ہتے۔ نہایت آباد
اور بارونق تہا۔ محاصرہ کی آخری رات کو جبکہ چاروں طرف سے مایوسی چہا رہی تہی۔ اسی محل سے قسطنطین جام
ہلاکت پینے کیلئے فصیل کو گیا تہا۔ محل کا موقع ہم سے دور نہ تہا۔ مگر صادق کو اوس کا کچہہ علم نہ تہا۔ اسلئے ہم وہاں نہ
گئے۔ علاوہ بریں وہاں جانیکی چنداں ضرورت بہی نہ دیکہی گئی۔ اب صرف سفید جگہ ہی جگہ باقی ہے ترکوں نے اوسکا
تمام قیمتی سامان اور مصالح مسجدیں اور مقبرے بنانے کیلئے اُٹہا لیا ہوا ہے۔ وہ خود اوس میں کبہی رہایش پذیر نہیں ہوئے
اور اب وہ جگہ جو سالہای دراز تک مشرقی سلطنت کا مرکز اور زنانہ عیش و عشرت اور مطلق العنانہ جرایم اور جبر و ستم
کا اکہارہ رہ چکی ہتی کل استنبول میں غلیظ ترین اور سب سے ویران مقام ہے۔ مگر اس بیان کو چہوڑ کر میں مسجد
کی طرف آتی ہوں۔

اوس کی بیرونی اور اندرونی ڈیوڑہی پر اب تک بیل بوٹے موجود ہیں۔ جو کمال خوبصورت اور بالکل قایم ہیں۔
دیواروں اور چہتوں پر انجیل کے واقعات اور مریم کی سرگذشتوں کے مرقعے اور تصویریں بنی ہوئی ہیں۔
اور بغلی عمارت میں کئی تصویروں کے چند خوشنما سر باقی ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ کسی وقت یہہ کل عمارت
تصویروں سے بہری ہوئی تہی۔ اس مسجد کو دیکہہ کر ہمیں تعجب ہوا کہ اس میں بیل بوٹوں اور تصویروں کو کیوں سالم رہنے
دیا گیا ہے۔ حالانکہ اسے قسطنطنیہ کے فتح ہونے پر فوراً ہی مسجد بنا لیا گیا تہا۔ اور باقی تمام ایسے گرجوں میں جو
آیا صوفیا کی طرح مسجد بنائے گئے تہے بیل بوٹوں پر قلعی پہیر دیگئی تہی۔ اور اون میں نقش و نگار کے بہت کم آثار
کہلے رہنے دیئے گئے تہے۔

مسجد کو دیکہہ کر ہم پہر ادرنہ کاپوسی کے راستہ باہر نکلکر فصیل سے باہر باہر ایوب کی طرف چلی

پڑتے۔ تہیوڈوسی اس کی بناکردہ فصیل اس موقع پر جہاں سے ایوب کی طرف اترائی شروع ہوتی ہے ختم ہوجاتی ہے۔ اس سے آگے جو شہر پناہ ہے۔ اوسکی نسبت خیال ہے کہ اوسے قیصر مینوال کومنینس نے بنایا تھا۔ اور یہہ غالباً اوس نے تہیوڈوسی اس کی تعمیر کردہ دیوار کے اوس حصے سے علاوہ جواب بالکل معدوم ہوگیا ہے۔ محل بلاشرنی کی مزید حفاظت کیلئے تعمیر کرائی تہی۔ اس دیوار میں ایک قابل دید چیز اگری کاپوسی یا مخفی دروازہ ہے۔ روایت ہے کہ ترک اوسوقت جبکہ یونانیوں کو کوئی توقع نہ تہی اس دروازہ میں سے داخل ہوکر اون پر اچانک جا پڑے تہے۔ دروازہ عموماً بند رکہا جاتا تہا۔ مگر اوس دن قیصر نے اوسے اپنی فوج کے گذرنے کے لئے کہلوا دیا۔ اور یہہ امر ترکوں کو فی الفور معلوم ہوگیا۔ میری رائے ہے کہ ممکن ہے چند ترک اس دروازہ میں سے بہی گذرے ہوں۔ مگر یہہ متفق علیہ ہے کہ فوج حملہ آور کا حصہ کثیر اوس شگاف کے راستہ سے اندر داخل ہوا تہا۔ جو اونکی توپوں نے فصیلوں میں کر دیا تہا۔ اور جواب تک ادرنہ کاپوسی کے قریب دکہائی دے رہا ہے اوس زاویہ پر جہاں کومنینس کی فصیل تہیوڈوسی اس کی فصیل سے ملتی ہے۔ نام نہاد محل تبلی ساری اس (تکفور سرار) کا بقایا کہڑا ہے۔ مجہے بعد میں سخت افسوس ہوا کہ ہم نے بہر فصیل کے اندر جاکر اوس کو کیوں نہ دیکہا۔ گرجوں کے سوا بازنطینی عمارتوں کے بہت کم نمونے اب باقی رہ گئے ہیں اور انجملہ اون معدودے چند کے ایک یہی محل ہے۔ اس محل کا اگوار اب تک کہڑا ہے۔ جسکی تصویریں بعد میں میری نظر سے گذری ہیں۔ اوسے دیکہہ کر وینس کے پرانے محل یاد آجاتے ہیں۔ اس محل کو مشہور جرنیل بلی ساری اس سے کوئی تعلق نہیں۔ شہر کے اس محلہ کا پرانا نام بلاٹا تہا۔ اور خیال کیا گیا ہے کہ اسی کو بگاڑکر محل کا نام بلی ساری اس رکہہ دیا گیا ہے۔ اسے قسطنطین کا محل بہی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ وہ قسطنطین پورفیرو جینی ٹس کے وقت کا ہے۔

یہاں پر سڑک بالکل ہی خراب ہے۔ اور بڑی ڈہال کہاکر خلیج کو جاتی ہے جسے وہ موضع ایوب کی عین نیچے جو قسطنطنیہ کے گرد و نواح کے نہایت خوبصورت اور پُرفضا مقامات میں شمار ہوتا ہے جا ملتی ہے۔ ہم نے اس موضع کو ایک جمعہ کے دن دیکہا تہا جبکہ ہم صادق بک کے اہتمام سے ایک دس چپوؤں کی قایق پر سوار ہوکر یورپ کے چشمہ ہائے شیریں کی سیر کرنے گئے تہے جس مقام پر حضرت ایوب انصاری (رسول اللہ کے صحابی) ۶۶۸ء میں جبکہ عربوں نے پہلی مرتبہ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تہا شہید ہوئے تہے۔ وہاں سفید مرمر کی خوبصورت مسجد کہڑی ہے۔ مقام شہادت محمد فاتح کو آٹہہ سو برس بعد خواب میں معلوم ہوا اور اوس نے

وہاں یہہ مسجد تعمیر کردی۔ کسی عیسائی کو اوس کے اندر داخل ہونے۔ بلکہ اوس کے بیرونی صحن کے قریب آباد ہونیکی بہی اجازت نہیں۔ ہر نئے سلطان کی کمر میں یہیں ابو السلاطین عثمان باقی خاندان کی تلوار باندہی جاتی ہے۔ اس کے قریب ہی فس (ترکی ٹوپی) بنانے کا بڑا کارخانہ ہے۔ جہاں کل فوج کے لئے ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں۔ اس کل نظارہ کو اوس دن بالکل مشرقی رنگ میں رنگ دینے کے لئے ہمیں اون سبز پہاڑیوں کی چوٹی پر جو ایوب سے پرے گولڈن ہارن (خلیج) سے بتدریج اوٹھتی ہوئی چلی جاتی ہیں لدے ہوئے اونٹوں کی لمبی قطار آہستہ آہستہ چلی جاتی دکہائی دی۔

مگر میں پہر دیوار کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ بندرگاہ کے کنارہ کی فصیل کا بہت تہوڑا حصہ باقی بچا ہے صرف کہیں کہیں اکا دکا برج یا دروازہ کہڑا رہ گیا ہے۔ اس طرف کی سڑک بہی جو منہدمہ فصیل اور خلیج کے درمیان فنار یعنی یونانی محلہ میں سے گذرتی ہے۔ بہت ہی ناقص اور خطرناک ہے شہر کے اس حصہ میں سب سے زیادہ قابل دید اور دلچسپ وہ چند ایک مکانات ہیں جو اہالی وینس کے غلبہ کے وقت سے چلے آتے ہیں۔ اور جن کو دیکہہ کر انسان کو وینس کے چہوٹے محل یاد آجاتے ہیں۔ استنبول کے اس حصہ میں یونانیوں کی طرح یہود بہی بکثرت آباد ہیں۔ فرش کے ناقص ہونے سے گاڑی بہت آہستہ آہستہ چل سکتی تہی۔ جب ہم اندرونی پل پر جس سے اوپر بڑے آہن پوش لنگر انداز ہیں پہونچے تو خدا کا شکر کیا اور پل پر سے گذر کر اوس سڑک پر چڑہ گئے جو متذکرہ بالا قبرستان کے کنارہ کنارہ انگریزی سفارت اور ٹریم لاین کو جاتی ہے۔ یہہ سڑک ڈہلوان ہے۔ مگر چونکہ نسبتاً بہت اچہی تہی اوس کی چڑہائی میں ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ قسطنطنیہ میں ہم نے جس قدر چیزیں دیکہی ہیں۔ اون سب سے یہہ پرانی فصیلیں تاریخ عالم کی واقعی اور سچی یادگاریں ہونیکی وجہ سے زیادہ عرصہ تک ہمیں یاد رہینگی۔ بائی زنطین کا پرانا شہر گوشہ محلسرا اور اوس ہموار زمین سے جو گوشہ مذکور کے عقب میں ہے زیادہ رقبہ پر آباد نہ تہا۔ تقریباً استنبول کی موجودہ حدود تک قسطنطین نے ہی بڑہایا تہا۔ اور اوسی نے اوس کے گرد یہہ شہر پناہ اور فصیلیں بنائی تہیں جنکو گرد ہم نے چکر لگایا تہا اور جنکو قیاصرہ مابعد درست اور مرمت کراتے رہے تہے۔ ہون۔ ایرانی۔ اور صلیبی مجاہدین نے ان دیواروں پر یکے بعد دیگر حملہ کیا۔ اور مغلوب یونانیوں نے اسے لاطینوں سے صرف اسلئے پہر فتح کیا کہ دوسو برس بعد عثمانلی ترک اون کو ہمیشہ کے لئے اوس سے خارج کر دیں۔ یہہ تمام واقعات ان دیواروں پر جو بتدریج معدوم ہو رہی ہیں۔ کیونکہ ترک جانتے ہیں کہ وہ موجودہ زمانہ کے جنگ و جدال میں محافظت کا کوئی کام نہیں دیسکتیں

اُپنے اُپنے نشان پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اون کے گرداگرد پہرنے والے کی نظروں میں اس عظیم الشان شہر کی قسمت اور ہلال کے سامنے صلیب کے مغلوب ہونیکا واقع فی الفور پہر جاتا ہے۔ اللہ اکبر جن دروازوں اور برجوں نے ایسے ایسے جانگداز معرکے دیکھے ہیں اونکی پیشانی پر اب یہہ حکم ثبت ہے کہ اون میں سے ہر ایک "با ہمہ اماں آہستہ آہستہ معدوم ہو جائیگا"۔ جھاڑیاں۔ بیلیں۔ پودے اور درخت زمانہ اور جنگ وقتال کے ڈالے ہوئے شگافوں کو چھپائے ہوئے ہیں اور اون کو دیکھنے والا آہ سرد بھرکر کہتا ہوا گھر کو واپس لوٹتا ہے کہ ایسا عبرت بخش اور ساتھہ ہی دلاویز منظر دنیا میں اور کوئی موجود نہیں ہے۔

(۱۰) باسفرس کے کنارہ پر جلسے اور دعوتیں

باسفرس پر جلسہ کا نام ہی کانوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایسی دعوت کا مزہ۔ خوبصورتی اور کیفیت کا صحیح اندازہ بجز اوہی کر سکتے ہیں جنہوں نے باسفرس کو دیکھا ہو۔ ۹ر جون ہمارے بیٹے کی سالگرہ کا دن تہا۔ اس تقریب پر ہم نے اون میں سے بعض کو جو اوسکی اقامت قسطنطنیہ میں اوس پر بہت مہربان رہے تہے شہر سے باہر دعوت دینے کا ارادہ کیا۔ ہمارے رفیق شفیق صادق نے اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ اور بڑی سرگرمی سے اوسکی تکمیل کے درپے ہوگیا۔ ہم نے دعوت کے لئے جزائر شاہزادگان کے جو خوبصورت جزائر قسطنطنیہ سے جھلملاتے دکہائی دیتے ہیں سب سے بڑے جزیرہ پرنکیپو کو تجویز کیا جسپر یہہ فی الفور بکار اٹھا کہ میں وہاں جانیکے لئے سلطان المعظم کی دخانی کشتیوں میں سے ایک کا انتظام کر لونگا۔ کہانے کا انتظام کرنے کا ذمہ انگریزی سفارت کی مہتمم نے لیا۔ اور اپنے کام کو قابل تعریف طور پر پورا کیا۔ ہم اپنے دوستوں کو مدعو اور کل انتظام مکمل کر چکے تہے کہ صادق بک نے آکر کہا کہ سلطان المعظم جن کو چہوٹے بڑے ہر معاملہ کی جو ہوتا ہو خبر ہوتی ہے نہیں چاہتے کہ ہم دخانی کشتی پر سواری کریں۔ کیونکہ اسی سال کی شروع میں ایک افسوسناک سانحہ گذرا تہا جس میں دخانی کشتی مع کل طلائی ظروف کے جو اوس میں تہے غرق ہوگئی تہی۔ اسکے عوض حضور ممدوح دو دوس چپوں کی قائقیں اور باسفرس کو شکوں میں سے وہ محل ہمارے سپرد کرنے کو تیار ہیں جو قندیلی سے تہوڑا سا اوپر ایشیا کے آب شیریں کے دہانہ پر قلعہ ویلی حصار کے مقابل باسفرس کے تنگ ترین موقع پر ہے۔ عام خیال ہے کہ کیخسرو شاہ ایران نے اسی موقعہ سے جو خوبصورت باسفرس کا خوبصورت ترین مقام ہے عبور کیا تہا۔ ہمیں کہلی میدان کی دعوت اور

پرینِ کاپو کے جنگلاتِ صنوبر میں سیر گشت کو ترک کرنا گوارا نہ تھا۔ مگر سلطان المعظم کی انعامِ شاہانہ کو بکمالِ شکر گذاری قبول کرنیکے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ وقتِ مقررہ پر ہم اپنے اپنے مہمانوں کو توپخانہ عامرہ کی گھاٹ پر چھوڑ کر ... وہ نہایت خوبصورت اور پُر تکلف آراستہ قایقیں ہمارے لئے تیار کھڑی تھیں جا بجا۔ ہر ایک قایق پر دس دس قایقچی تھے۔ سب کی شلواریں بڑی گھیرے دار سفید رنگ کی تھیں۔ اور جاکٹیں بھی سفید رنگ کی بہ وضع کے ریشمی کپڑے کی تھیں جنکی حاشیوں پر سنہری لیس ٹنکی ہوئی تھی۔ یہہ بتانے کی تو کوئی ضرورت نہیں کہ سب کے سروں پر فس تھیں۔ ہماری پارٹی میں کئی ملکوں کے لوگ شامل تھے۔ مگر آپس میں گفتگو انگریزی میں ہی ہوتی تھی۔ دس چپوکشتیوں کو ہوا کی طرح اڑائے لئے جاتے تھے۔ پہلے دولمہ باغچہ کے سفید مرمری طویل اگوارہ کے سامنے سے اور ... پھر چیراغاں کے مربع شکل محل کے پاس سے گذرے۔ اسی محل میں عبد العزیز مرحوم نے اس دنیا کو الوداع کہا تھا۔ اب اوس میں سلطان المعظم کا بڑا بھائی اور متقدم مراد (خامس) رہتا ہے جسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس قدر شراب پیتا ہے جو آخر ایک دن اوسکی جان لیکر رہے گی۔ اس محل کے گرد ہر وقت ہتھیار سنتریوں کا پہرہ رہتا ہے۔ کسی کشتی کو محل کے بہت نزدیک ہوکر گذرنے کی اجازت نہیں۔ کسی سے ایسی غلطی ہوئی اور سنتریوں نے جھٹ اوس پر بندوقیں سر کیں۔ پہلے صرف ڈرانے اور متنبہ کرنیکے لئے اون کو ہوا میں سر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی گولی کے اوپر سے آکر کشتی میں گرنے کا احتمال برابر رہتا ہے۔ چیراغاں کے بعد ییلدز کیوسک کا بے نظیر محل آیا۔ یہہ باسفرس کے تمام محلوں میں سب سے خوبصورت ہے۔ اسے عبد العزیز مرحوم نے تعمیر کرایا تھا۔ بعد ازاں دریا کی شیطانی دھار سے جو ایشیائی ساحل کی ایک اس کے گرد اگرد بڑے زور سے بہتی ہے اور اسی لئے اوسکا یہہ نام رکھا گیا ہے، مردانہ مقابلہ کے بعد گذر کر قندیلی میں اور دوستوں کو ہمراہ لینے کے لئے تھوڑی دیر ٹھہرے اور ایک گھنٹے سے کچھ زیادہ عرصہ میں خوبصورت سلطانی کوشک میں جو خالص سفید سنگ مرمر کی ہے پہونچ گئے۔ اس کوشک کو سلطان عبد المجید کی والدہ ماجدہ نے جو ۱۸۳۹ء سے ۱۸۶۱ء تک حکمران رہا تعمیر کرایا تھا۔ نوکروں کو جو ایک اور بڑے قایق میں کھانے کا سامان لائے تھے دوپہر کا کھانا تیار کرنے پر لگا کر ہم کوشک کے کمروں کی سیر کرنے لگ گئے۔ ہر منزل میں چار کمرے ہیں۔ ان کے علاوہ وسط عمارت میں خوبصورت عالیشان ایوان ہے۔ اور نچلی منزل میں خدام کے لئے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ تمام کمرے کمال شان و شوکت کے ساتھ آراستہ ہیں۔ میزیں اور کرسیاں بہت

خوبصورت ہیں اور اون پر نبت کاری کی ہوئی ہے۔ الماریاں بھی منبت ہیں اور دیکھو سنہری بیش بہا پردے
پڑے ہوئے ہیں۔ قالین کہیں نہیں۔ مگر فرشوں پر رنگ برنگ پتھروں کی پچی کاری۔ اور اوپر سے
اون کو خوب پالش کیا ہوا ہے۔ محل کی تمام دیواریں ہی سنگ مرمر کی نہیں۔ بلکہ باغ کی دیواریں بھی اسی
پتھر کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے وسط میں بڑا پھاٹک ہے۔ یہہ دروازے بھی مرمر کے ہیں اور اون پر
کندہ کاری کی ہوئی ہے۔ باغ خوب آراستہ پیراستہ ہے۔ نپولین سوم (شہنشاہ فرانس) کی ملکہ یوجینی
اسکو اسی محل میں اتارا گیا تہا۔ اور اوسکی خاطر اسکی خاص اہتمام سے آرایش کیگئی تھی۔ یہاں آکر ہم سب
کی بھی رائے ہوئی کہ ٹرکی میں پکنک (کہلی میدان کی دعوت) کرنیکے لئے پرنس کاپو کے کشادہ مرغزار کی
نسبت یہہ مقام زیادہ موزون ہے۔ کہانا سب سے بڑے کمرے کی بیش قیمت ہشت پہلو میز پر جو سارے
کمرہ میں پہیلی ہوئی تھی چنا گیا۔ اس طرح کی کئی شاہی کوشکیں باسفرس کے کناروں پر سنگ مرمر سے
بنی ہوئی ہیں۔ سلطان المعظم ان میں وقتاً فوقتاً اپنے بادشاہ اور دیگر معزز مہمانوں کو اتارا کرتے ہیں۔
اسی لئے جیسا کہ ہم نے اس کوشک کو پایا وہ ہر وقت صاف ستہری اور تیار رکھی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے
بڑا اور سب سے خوبصورت محل بگلربیگ ہے جس میں اکثر ممالک غیر کے فرمانروا فروکش رہ چکے ہیں۔ کہانے
سے فارغ ہونیکے بعد ہمارے نوعمر مہمانوں نے محل سے باہر گانے کی آواز سن کر گانے والے کو اندر
بلانے کا تقاضا کیا۔ وہ ایک اطالین تہا اور ایک آرگن (ارغنوان) بھی اوس کے ساتھ تہا۔ اوس کے
آنے پر خوب پالش کئے ہوئے اور چمکیلے فرش پر ناچ شروع ہو گیا۔ صادق بک جس نے برلن میں تربیت
پائی تھی۔ ناچ کا بہت مشتاق اور اوس میں خوب ماہر ثابت ہوا۔ دریں ولا ہم ہی چند خوبصورت
مرمریں فوارہ کو دیکہنے چلے گئے۔ اوس پر بیل بوٹے کا نہایت نفیس کام ہے۔ اور کئی کتبے کندہ ہیں۔ وہ
محل کی چار دیواری سے باہر ایک لمبے ہموار گہاس کے تختہ کے کنارہ پر جس کے گرداگرد شمشاد اور صنوبر
کہڑے ہیں واقع ہے۔ یہہ تختہ گیاہ گوق صو (آب نیلگوں) کے کنارہ تک چلا گیا ہے۔ گوق صو کا مشہور
نام "ایشیا کا آب شیریں" ہے۔ افسوس اوس دن جمعہ نہ تہا۔ گرمی کی موسم میں جمعہ کے دن اس سرسبز
وادی پر ترکی مخدرات کے جہرمٹ لگے ہوتے ہیں۔ جو اپنی اپنی قالیچوں پر بیٹھی ہوئی قہوہ
اور سگرٹ پیتی رہتی ہیں۔ ناچ کے بعد ہم قالیچوں پر بیٹھ کر دریا (آب شیریں) کے راستہ عربوں کا عجیب
و غریب راگ سننے کے لئے جو سہ پہر کے وقت وہاں کے پبلک (ایسی جگہ جو عوام کی تفریح کے لئے ہو) باغ میں

گایا جاتا ہے "متبرک چاہ" یعنی آیا زمہ کو گئے۔ وادی کوئی صورت ایسی خوبصورت نہ پائی گئی جیسی کہ ہم کو
توقع تھی۔ انگلستان کے اکثر چھوٹے چھوٹے دریاؤں کی سبزی اور فضا سے اوسکی سبزی کچھہ زیادہ
دلفریب نہ تھی۔ گو چند ترکی شعرا نے اوسکی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دئیے ہوئے ہیں۔

چاہ متبرک کے قریب پہونچکر ہم ایک مکان کے پاس خشکی پر اتر آئے۔ وہ ایک قسم کا قہوہ خانہ سا
ہے۔ اور اوسکی کرسی دریا کے کنارہ سے تقریبًا عمودی اوٹھی ہوئی ہے۔ فورًا کرسیاں لائی گئیں اور
ہم گویوں کے سامنے ایک لمبی قطار میں بیٹھ گئے۔ اون کا گانا بجانا کچھہ خوشگوار نہ تھا۔ اور وحشیانہ قسم کا
تھا۔ وہ ساز بھی رکھتے تھے اور زبانی بھی گاتے تھے۔ اور بیچ میں کبھی کبھی عربی شعر پڑھتے جاتے تھے۔ اون کی
آوازیں کرخت تھیں۔ اور اون ترکی گویوں کی آوازوں سے جنکا گانا میرے خاوند نے یلدز کوشک
میں سنا تھا کچھہ بھی نسبت نہیں رکھتی تھیں۔ ہمارے عقب میں ایک سخت ڈھالدار ٹیلے کی چوٹی پر ایک لمبا
جالیدار مکان تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ترکی خاتونیں اسکے پیچھے بیٹھہ کر راگ سنتی ہیں۔ قہوہ نوشی کرنیکے بعد
میں نے اون خاتونوں سے ملاقات کرنیکی خواہش ظاہر کی جس پر ہماری جماعت کی لیڈیوں میں سے
ایک جو ترکی بول سکتی تھی میرے ساتھہ چلنے پر تیار ہو گئی۔ ٹیلہ پر چڑھہ کر ہمیں ایک اونچا جالیدار
پھاٹک ملا جسے کھول کر ہم ایک لمبی گیلری (برآمدہ) میں جسکے گرداگرد سب طرف جالی لگی ہوئی تھی داخل
ہو گئیں۔ ان کے پیچھے بیٹھنے والیوں پر گو باہر سے نظر نہیں پڑتی۔ مگر جو کچھہ نیچے ہو رہا ہو وہ سب وہ بخوبی
سن اور دیکھہ سکتی ہیں۔ ہماری جماعت کو محل ہمایون کے ایک ایڈیکانگ کے ہمراہ آتا دیکھہ کر ان
بیگمات کو ہمارا حال معلوم کرنیکا بڑا اشتیاق ہو گیا ہوا تھا۔ چنانچہ جب ہم پہونچیں تو ہم سے جماعت
کے مختلف افراد (زرق برق کی پوشاک پہنی ہوئیں نوجوان لڑکیوں۔ نوجوان مردوں اور پیرانہ سالوں
کے متعلق کئی سوال کئے گئے۔ ایک نہایت ہی خوبصورت خاتون نے جس سے ہم نے بات چیت
کی ہمارے کھلے (یعنی بے نقاب) چہروں پر بڑا رشک ظاہر کیا۔ اوس نے کہا کہ میرا یشمک گو
بہت باریک ہے (وہ فی الواقع نہایت ہی نفیس اور باریک ململ کا تھا) تاہم منہہ اور ناک کو اوس سے
ڈھانپنے سے سخت گرمی ہوتی ہے۔ اوس دن سخت گرمی تھی اور خاتون موصوف نے اوسوقت کیونکہ وہ
جالی کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اپنے یشمک کو کھسکا کر نیچے کر دیا ہوا تھا۔ ان خاتونوں میں سے کسی نے
بھی ہماری آزادی پر اچنبھا ظاہر نہ کیا۔ نہ یہہ آزادی اون کو بری معلوم ہوئی۔ بلکہ ایک طرح سے ان کو

اس پر شک آتا تھا۔ اور اون کے چہروں سے واضح ہوسکتا تھا کہ ہماری اس ملاقات سے اون کو بہت ہی خوشی ہوئی تھی۔

جب شام کا وقت قریب ہو گیا۔ تو صادق بک نے چلنے پر اصرار کرنا شروع کیا۔ اوس نے کہا کہ تھوڑی ہی دیر میں دوسرے لوگ بھی اپنی چھوٹی چھوٹی قابقوں پر جو کناروں کے ساتھ بندھی ہیں سوار ہو جائیں گے اور اوسوقت اونکی اس قدر بھیڑ ہو جائیگی کہ نالہ میں جسکا پاٹ بہت چھوٹا ہے۔ ہماری کشتیوں کا جو بڑی اور بھی ہیں گذرنا محال ہو جائیگا۔ ہمارا دل تو ابھی چلنے کو نہیں چاہتا تھا۔ مگر وجہ معقول تھی۔ گوق صو سے نکل آنے پر باسفرس میں ہمارا سفر بہت جلد طے ہو گیا۔ کیونکہ واپسی کے وقت اوس کا دہارا بھی اسی رخ تھا۔ راستہ میں "ہلکو وان" پرندوں کے بیشمار جھنڈ ہمارے پاس سے گذرے۔ یہہ چھوٹے سے سیاہ رنگ کے جانور ہیں۔ جو (ابابیلوں کی طرح) ہر وقت اڑتے رہتے ہیں۔ اور پانی کی سطح کے متصل باعث ہیں اوپر نیچے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اون کو کسی شخص نے ایک لحظ کے لئے بھی خشکی یا پانی پر بیٹھتے ہوئے نہیں دیکھا چنانچہ اس مسلسل حرکت کی وجہ سے اون کا نام "راہ گم کردہ ارواح" پڑ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رات کے وقت وہ غالبًا اون سیاہ چٹانوں پر بسیرا کر لیتے ہیں جو بحیرہ اسود کے دہانہ پر ہیں۔ ہم بہت ہی جلد تو پخانہ کی گھاٹ پر پہونچ گئے۔ جہاں سے ہم اپنے مہمانوں سے جدا ہو گئے اور اوس دن کی خوشگوار سیر و تفریح اختتام کو پہونچ گئی۔

ہماری دوسری پکنک کا مقام پہلی کے مقام سے بالکل مختلف تھا جب سفرا تھراپیا کو گئے تھے تو ہم بھی اوسی محلہ میں جا کر وہاں کے ایک ہوٹل میں فروکش ہو گئے تھے۔ جولائی کے شروع میں قائم مقام انگریزی سفیر نے (اصل سفیر رخصت پر گئے ہوئے تھے) تجویز کی کہ بندوں پر پکنک کا جلسہ کیا جائے۔ یہہ بند جو بلغراد کے سبزہ زار میں باغچہ کوئی کے قریب ہیں عظیم الوسعت تالاب ہیں جن میں اہالی قسطنطنیہ کے استعمال کے لئے موسم سرما کی بارشوں کا پانی جمع کیا جاتا ہے۔ جن بندوں پر ہم نے پکنک کی تجویز کی تھی۔ وہ سلطان محمود بند اور والدہ بند کے نام سے مشہور ہیں۔ اور دو گھاٹیوں کے دہانہ میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے چٹانوں کی مضبوط دیواریں تعمیر کر کے بنائے گئے ہیں۔ انکے چاروں طرف بلوط۔ صنوبر۔ شمشاد

لے جیسا کہ لیڈی صاحبہ پہلے بتا آئی ہیں۔ سفراء ممالک غیر گرمیوں میں محلہ تیرا سے تھراپیا میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں باسفرس کے کناروں پر بھی اون کے لئے محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

بید مجنوں اور سرو وغیرہ مختلف قسم کے درخت موجود ہیں اور انہی درختوں کے جنگلوں کی باغبانی و نگرانی
اور خبر گیری پہ پانی کا ذخیرہ منحصر ہے۔ اس جلسہ کے سرکار انگریزی اور جرمن سفارتوں کے عہدہ دار اور
ہم مہمان ہوئی تھے۔ اکثر مرد زین سوار تھے۔ باقی دیسی گاڑیوں پر جو ارابہ کہلاتی ہیں سوار ہوئی۔ ہر ایک
ارابہ کے اندر چار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ سایہ کے لئے اوپر ایک طرح کا سائبان سا ہوتا ہے۔ اور چونکہ اون گاڑیوں
میں کمانی نام کو نہیں ہوتی۔ خراب سڑک پہ سواریوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ مگر یہہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا
ہے کہ جو سڑک بندروں کو جاتی ہے وہ بہت اچھی ہے۔ یہہ سڑک باسفرس کے کنارہ کنارہ جاکر قرچ
بورنو کے پاس سے جہاں صنوبر کے چند شاندار درختوں کے جھنڈ میں ایک متبرک کنواں یعنی ایازمہ ہے گذرتی
ہے۔ اور پہر بیوک درہ سے یکبارگی بائیں ہاتھ کو خشکی کی طرف مڑ کر "وادی کلاں" کے کنارہ
کنارہ جو ادنیٰ اعلیٰ کل جماعتوں کی ترکی مستورات کی عام تفرج گاہ ہے چلی جاتی ہے۔ بشرطیکہ موسم صاف
اور مطلع ابر آلود یا مکدر نہ ہو۔ سہ پہر کے وقت یہہ وادی اول سے آخر تک چمکدار قالینوں سے بھری ہوتی ہے
جو شمشاد کے بڑے بڑے درختوں کے نیچے بچھے ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک پہ پانچ پانچ چھہ چھہ یا اس سے کم
بیش عورتوں کی ٹولیاں بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ ہم کو تخمیناً بیس ایک ارابوں اور گاڑیوں کی لمبی قطار راستہ
میں ملی۔ ان گاڑیوں میں سفید بیل جتے ہوئے تھے۔ اور اون کے اندر برقع پوش مستورات بیٹھی ہوئی تھیں جو سارا
دن اس وادی میں بسر کرنیکے بعد اپنے اپنے قالینوں کو لپیٹ انکو اپنے ساتھہ گاڑیوں میں رکھہ کر گھروں کو
واپس جا رہی تھیں۔ اون کے گذر جانے پر ہمیں بتایا گیا کہ یہہ براتنیں تھیں۔ وہ تھراپیا میں سے نئی کوٹھی کو
جو باسفرس کے کنارہ پہ تھراپیا کے بعد دوسرا موضع ہے چلی جا رہی تھیں۔ ابھی یہہ گاڑیاں تھراپیا میں
ہی تھیں کہ بیوقت ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور گاڑیبان اپنے سست رفتار بیلوں کو جلد جلد چلانے کے لئے
عجب شور و غل اور جد و جہد کر رہے تھے۔ کیونکہ ترکی عورتوں کیلئے لازمی ہے کہ وہ سورج غروب ہونیکے
وقت گھر پہونچ جائیں۔ یہہ لمبی قطار اوس موڑ سے جو نئی کوٹھی کو تھراپیا سے اوجھل کئے ہوئے ہے ابھی ساری
نہیں گذری تھی کہ تقریباً پوری تاریکی پڑ گئی۔ گاڑیوں پہ لال لالٹینیں روشن کر دیگئیں۔ اور سواریوں نے چھوٹے
پٹاخے اور گولے چلانے شروع کر دیئے۔ جن سے یہہ کل قافلہ بتدریج ٹپتی ہوئی تاریکی میں بڑے بڑے

؎ لیڈی صاحبہ غالباً اس طبعی مسئلہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ جنگلات اور سبزی کی موجودگی کثرت بارش کا باعث ہوتی ہے۔ مترجم

کر کہائے شب تاب کے جلوس کے مشابہ ہوگیا۔ مگر بیل اپنی وہی ٹکے چال چلتے رہے۔ اون کو اپنے ہانکنے والوں کی چابکوں اور ہائے پکار کی کوئی پرواہ نہ تہی۔

وادی کلاں میں جوڑے جوڑے کہیں اور چنار شمشاد کے دو بڑے بڑے درخت کہڑے ہیں جنکے تنے بالکل کہوکہلے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تنا اتنا بڑا ہے کہ اوس میں ایک خاصہ اچہا کمرہ بنا ہوا ہے۔ جو قہوہ خانہ کا کام دیتا ہے۔ ترکی بیگمات وادی میں اپنے قالینوں پر بیٹہی ہوئیں یہیں سے سارا دن قہوہ منگوا کر پیتی رہتی ہیں۔ عام خیال ہے کہ یہہ درخت گاڈفری رئیس بولان[1] کے وقت کے ہیں۔ تخمیناً تین میل تک سڑک کے کنارہ کنارہ وادی کلاں میں سے محمود اول کی مسقف نہر گذرتی ہے۔ یہہ نہر اون بندوں سے جہاں ہم جارہے تہے۔ بیر اور علطہ کو پانی پہونچاتی ہے۔ اور ویسی ہی مضبوط اور خوشنما ہے جیسی کہ بائی زنطینی قیاصرہ کی تعمیر کردہ مسقف نہریں۔ سڑک نہر کی ایک محراب کے نیچے سے گذر کر اوس سے علیحدہ ہوجاتی ہے اور وادی کلاں کے آخری سرے کے قریب پہونچکر دائیں طرف کو ہوجاتی ہے اور تہوڑی دور آگے جاکر ایک اور سڑک جو اس سے فراخ اور بہتر ہے بائیں طرف کو ہوکر پہاڑی کے نیچے موضع بلغراد کو جاتی ہے لیڈی میری وورٹلے مانٹیگو[2] اس گاؤں کے جس مکان میں رہتی تہی وہ ابہی تک موجود ہے۔ بلغراد

---

[1] یہہ فرانس کے علاقہ بولان کے سردار کونٹ یوسٹس کا بڑا بیٹا تہا۔ ۱۰۶۱ء میں پیدا اور ۱۱۰۰ء میں فوت ہوا۔ پہلی صلیبی لڑائی میں عیسائی فوج کے ایک دستہ عظیم کا کمانڈر تہا۔ اور فتح فلسطین و بیت المقدس کے بعد وہاں کا بادشاہ بنایا گیا تہا۔ جنگ مذکور کے لئے وہ اپنی جایداد کو رہن کر کے ۱۰۹۶ء میں وطن مالوفہ سے روانہ ہوا تہا۔ مترجم

[2] یہہ لیڈی انگلستان کے امیر کبیر ایولن پیری پانمنٹ ادل آف ہیلی فاکس کی جو بعد میں ڈیوک ہوگیا تہا۔ سب سے بڑی لڑکی تہی۔ اسے اعلی درجہ کی تعلیم دیگئی تہی۔ اور لاطینی زبان میں اوس نے خود اپنی محنت سے خاصی مہارت پیدا کرلی تہی۔ ۱۷۱۲ء میں بائیس برس کی عمر میں وہ اڈورڈ وورٹلی مانٹیگو چارلس مانٹیگو ادل آف ہالی فاکس کے چچازاد بہائی کے ساتہہ بہاگ گئی اور بعد میں اوس سے شادی کرلی۔ اس شخص نے پارلیمنٹ میں بڑی ناموری پیدا کی۔ وہ انگلستان کے مشہور نویسندہ اڈیسن کا دوست تہا۔ ۱۷۱۶ء میں وہ دربار قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر کیا گیا۔ جہاں اوسکی بیوی بہی ساتہہ گئی قسطنطنیہ کی اقامت کے دوران میں اس خاتون نے شہر مذکور کی قدرتی دلفریبی اور فضا پر اپنے دوستوں کو کئی دلچسپ خط لکہے۔ اسی جگہ اوسے معلوم ہوا کہ ترکی کے کسان چیچک کے انسداد کیلئے ایک طرح کا ٹیکا لگاتے ہیں۔ اوس نے وہی عمل اپنے لڑکے پر کیا۔ اور اس طرح اس طریقہ کو مشرقی یورپ میں رائج

کے قریب جو بند کلاں ہو وہ دراصل ایک چھوٹی قدرتی جھیل ہے جو چاروں طرف سے گھنے جنگلوں سے گھری ہوئی ہے۔ ہم نے اس بند کو بھی بعد میں جاکر دیکھا تھا۔ مگر وہ محمود اور والدہ بندوں ایسا خوبصورت نہیں۔ نہ اونکی طرح بالکل مصنوعی ہے۔ گو اوس میں بھی پانی کے روکنے اور نکالنے کے لئے ایک خوشنما اور بہالک بنا ہوا ہے۔ ہم محمود بند کے پاس سے جو سخت گنجان جنگلوں میں چھپا ہوا ہے گذر کر والدہ بند سے تہوڑے سے فاصلہ پر گاڑیوں سے اتر پڑے۔ اور چاء بیٹھ کر پینے کے لئے مناسب موقع تلاش کرنے لگ گئے۔ بند کے قریب قریب تمام عمدہ موقعوں پر ترکی خاتونوں کے جہرمٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ جن کو مردوں کی موجودگی سے پریشان خاطر نہ کرنے کے لئے ہم اپنا لنگر کھڑا کئے ہوئے جنگلوں پر چڑھ گئے۔ اور تہوڑی دیر میں ہمیں ایک کشادہ گیاہ دار میدان مل گیا۔ جہاں ہم نے اپنا اسباب کہول دیا۔ لیکن ہمارے جرمن رفیق ابھی تک نہ پہونچے تھے۔ اور شیرینی وغیرہ کا سامان اون کے ذمہ تھا۔ پارٹی کے انگریزی ارکان نے تمام شربات۔ مکھن۔ روٹی اور میوہ جات کا ذمہ لیا ہوا تھا۔ ہم میں سے چند گھوڑوں پر اونکی تلاش میں گئے اور اون کو بند کلاں کے کنارہ پر جا پایا۔ ہر فریق کو اوسی بند کی خبر تھی۔ جس جس کو وہ گئے تھے۔ یعنی ہمیں صرف والدہ بند کی اور جرمنوں کو صرف بند کلاں کا علم تھا۔ چاء پینے کے بعد ہم نے والدہ بند کی خوب سیر کی۔ اکثر ترکی خاتونیں اوس وقت تک رخصت ہو گئی تہیں۔ جس سے ہم سب باسانی اِدہر اُدہر گشت کر سکتے تھے۔ جس جنگل میں بیٹھ کر ہم نے کہانا وغیرہ تناول کیا تھا اوسکی سطح بند کے پانی کی سطح اور اوس مضبوط سنگ مرمر کی دیوار کی چوٹی کے برابر تھی جو کہاٹی کے ایک سرے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰۔ کرنے کا باعث ہوئی سنہ ۱۷۱۸ء کے آخیر میں انگلستان واپس آکر ٹوکنہم میں سکونت پذیر ہوئی۔ وہاں اوسکی مشہور شاعر پوپ کے ساتھہ گہری آشنائی ہو گئی۔ مگر بعد میں بگاڑ ہو گیا۔ اور شاعر مذکور نے اپنی معشوقہ کے چال چلن اور لیاقت پر کئی ہجو آمیز غزلیں لکھیں جنکی بدولت اوس بیچاری پر اونکے حقیقت کا دعویٰ کیا گیا۔ لیکن اوسوقت اوس نے کمال ہامردی سے ان غزلوں کا مصنف ہونے سے انکار کر دیا۔ سنہ ۱۷۳۹ء میں کسی وجہ سے جو درست معلوم نہیں ہو سکی لیڈی موصوفہ اپنے خاوند سے جدا ہو کر اٹلی کو چلی گئی اور سنہ ۱۷۶۱ء تک وہاں کے شہر وینس میں رہائش رکھہ کر انگلستان واپس آئی جہاں سنہ ۱۷۶۲ء کو فوت ہو گئی۔ وہ سنہ ۱۶۹۰ء میں پیدا ہوئی تہی۔ اوسکا لڑکا ایڈورڈ ماونٹیگو بھی عجب نالائق تھا بچپن میں دو دفعہ گہر سے بہاگ کر پہلی دفعہ لندن میں ایک بہنگی کا شاگرد بنا اور دوسری مرتبہ ہسپانیہ میں جاکر خچر بانی کرتا رہا۔ اور آخر جوان ہو کر ٹرکی چلا گیا اور وہاں ترکوں کے اوضاع و اطوار اختیار کر لئے۔ یہہ سنہ ۱۷۱۳ء میں انگلستان میں پیدا اور سنہ ۱۷۷۶ء میں فوت ہوا۔ مترجم

پر بنی ہوئی ہے اور پانی کو روکے ہوئی ہے۔ ہم دیوار مذکور کی چوٹی چوٹی چلتے پھرتے رہے۔ دیوار کا ہیکل ہے۔ خاصہ پل معلوم ہوتی ہے۔ دونوں طرف سنگ مرمر کی فصیل بنی ہوئی ہے اور اکثر جگہ کتبے لگے ہوئے ہیں جن پر دیوار کی ابتدائی تعمیر اور مابعد کی مرمتوں کی کیفیت کندہ ہے۔ دیوار کی چوٹی اس قدر چوڑی ہے کہ تین گاڑیاں آسانی کے ساتھ دوش بدوش چل سکتی ہیں۔ ہم اوس راستہ پر جو بند کے کنارہ کے جنگل میں ہے کچھ دور آگے بڑھے گئے۔ اور واپسی کے وقت وادی سے نیچے جاکر دیوار کے دامن تک پہونچ گئے۔ وہ کم از کم ساٹھہ فیٹ بلند اور سفید مرمر کے بڑی بڑی چٹانوں سے بنی ہوئی ہے۔ موسم بہار میں بارشوں اور برفوں کے پگلنے کے بعد بند بالکل بھر جاتا ہے۔ اور پانی تقریبًا دیوار کی چوٹی تک بلند ہوجاتا ہے۔ ہم نے اوسے شروع جولائی میں دیکھا۔ اس وقت پانی چوٹی سے کئی فیٹ نیچے تہا۔ یہہ بند نہایت ہی خوبصورت اور دلکش ہیں۔ انہیں دیکھکر انسان حیران رہجاتا ہے کہ کیا مصنوعی چیزیں بھی ایسی خوبصورت ہوسکتی ہیں؟ اونکی دلفریبی کا بڑا باعث وہ جنگلات ہیں جو ان کے چاروں طرف موجود ہیں اور مختلف اقسام کے بے تعداد درخت اون میں کہڑے ہیں۔ میں ان جنگلوں کی نسبت اوپر کہہ آئی ہوں کہ لازمی طور پر اونکی کمال نگہداشت اور متواتر حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ ہمیں شام تک وہاں نہ ٹھہر سکنے کا بہت رنج تہا۔ مگر مجبوری تہی ٹرکی میں شفق بہت قلیل العرصہ ہوتی ہے اور گھر تک فاصلہ بہت بڑا تہا۔ واپسی کے وقت جرمن سفارت کے ایک سکریٹری کا گھوڑا تہراپیا کے ناگفتہ بہ فرش سے پھسل پڑا۔ اور سوار کو خاصی چوٹ آئی جس سے اوسے کئی دن صاحب فراش ہونا پڑا۔ اور یہ سیر جس سے اور سب طرح طبیعت بہت محظوظ ہوئی تہی اوسے عرصہ دراز تک بری طرح یاد آتی رہی۔

(۱۱) دربار قربان بیرام

ایک دن صادق بک نے ہمیں کہا "یہہ تو ظاہر ہے کہ تم قربان بیرام (عید الضحیٰ) کا دربار ضرور دیکھو گے۔ تمہارا سفیر تمہیں اوس میں نہیں لیجا سکتا۔ مگر بحیثیت مہمانان سلطانی اس بات کا آسانی کے ساتھ انتظام ہوسکتا ہے۔" پیرا سے تہراپیا کو آنے سے پہلے ہی کئی دنوں سے ہم لوگوں کو بازاروں میں ادہر اودہر دنبے اور مینڈھے لیجاتے دیکھتے رہے تہے۔ ان میں سے بعض خوب موٹے

تازہ ہونے تہے۔ یہہ قربان بیرام کی قربانیوں کے لئے بیچے جارہے تہے۔ اس دن تمام اسلامی دنیا میں خوشی منائی جاتی ہے۔ اور یہہ تیوہار بارہویں قمری مہینے کے دسویں دن کو ہوتا ہے جب ہم قسطنطنیہ میں تہے۔ اوس سال ۲۴ جون کو یہہ عید ہوئی تہی۔ ہر ایک کنبے کے مالک کو خاندان کے آدمیوں کے لحاظ سے ایک یا زیادہ مینڈھے قربانی کرنے پڑتے ہیں۔ مالک کے لئے یہہ بہی لازمی ہے کہ نماز عید کے بعد اون کو خود اپنے ہاتہہ سے ذبح کرے۔ بعد ازاں کچہہ حصّہ غربا میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اور باقی گہر میں کہایا جاتا ہے۔ یہہ تیوہار اسحاق[1] کی قربانی کی یادگار میں ہے۔ چونکہ یہہ دربار صبح کے وقت بہت سویرے منعقد ہوتا ہے۔ ہم نے سونے کا انتظام پیرا میں کیا تاکہ دور سے نہ آنا پڑے۔ ساڑہے آٹہہ بجے بعد دوپہر یعنی غروب آفتاب کے وقت ایک بڑی توپ اس امر کی علامت میں چلائی گئی کہ تیوہار شروع ہوگیا ہے۔ اوسی وقت سے گھنٹوں اور توپوں کا شور و غل۔ اور راگ رنگ شروع ہوگیا جو ساری رات ختم نہ ہوا۔ ہم سویرے ہی لیٹ گئے۔ مگر شور و غل سے سو نہ سکے۔ ساری رات توپیں اور آتشبازیاں چلتی اور گھنٹیاں بجتی رہیں۔ اور کتے اس غیر معمولی ہنگامے سے بلا وقفہ تمام رات چلاتے رہے۔ دو بجے بعد نیم شب کے وقت مختلف رجمنٹیں اوس سڑک پر جس کے راستہ سلطان المعظم نے یلدیز سے باہر برآمد ہوکر دولمہ باغچہ میں رونق افروز ہونا تہا صف بستہ کہڑا ہونیکے لئے ہوٹل کے پاس سے گذرنی شروع ہوگئیں۔ ہر ایک رجمنٹ کے آگے آگے اوس کا بینڈ بجتا جاتا تہا۔ اور چونکہ بازاروں میں رات کو روشنی نہیں ہوتی سینکڑوں آدمی لالٹینیں لئے ہمراہ ہوتے ہیں جب یہہ لالٹین بردار پہاڑی پر چڑھ کر میرے کمرہ کے دریچوں کے پاس سے گذرتے تہے تو اونکی لالٹینیں جگنوؤں کی طرح چمکتی دکہائی دیتی تہیں۔ ناشتہ سے فارغ ہوکر ہم ساڑہے پانچ بجے گاڑی پر سوار ہوگئے اور گرینڈ رو (جادہ کبیر۔ کلاں سڑک) کے راستہ جرمن سفارت کے پاس سے گذر کر پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے چہہ سے چند منٹ بعد عین محل کے پائین میں پہونچگئے۔ اوس دن موسم نہایت صاف تہا اور باوجود اس قدر سویرا ہونیکے گرمی ابہی سے محسوس ہونے لگ گئی تہی۔ ہمارا صادق دوست صادق بک

---

[1] چونکہ عیسائی کتابوں میں حضرت اسمعیل کے بجائے حضرت اسحاق کا نام ہے۔ اسی لئے لیڈی صاحبہ نے بہی حضرت اسحاق کا نام لکہہ دیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں بچہ بچہ بہی جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم حضرت اسمعیل کی قربانی دینے لگے تہے۔ مترجم

اپنی سب سے بیش قیمت وردی پہنے اور تمغے لگائے ہوئے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ ہمیں فی الفور سفراء کے آرام کرنے کے کمرہ میں جو بسرعت تمام پر ہوتا جا رہا تھا لے گیا۔ اوس میں ہم ہی صرف ایسے شخص تھے جنکا کسی سفارت سے تعلق نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے بعد میں سنا کہ ہماری اس خوش نصیبی پر دیگر انگریز سیاحین کو جو اوسوقت پیرا میں فروکش تھے سخت رشک ہوا تھا۔ سات بجے کے بعد دوم میر تشریفات (ماسٹر آف سیرمونیز) ہم سب کو بلانے کے لئے آیا۔ جس پر ہم لوگ جھٹ پٹ کمرہ سے نکلکر باغ میں سے دالان گذرتے ہوئے بیشمار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک لمبی گیلری میں جو دنیا کے عظیم ترین درباری ایوان کی ایک طرف بنی ہوئی ہے پہونچگئے۔ باغ سے گذرتے وقت ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان المعظم محل میں رونق افروز ہو گئے ہوئے ہیں۔ اور کہ ہم دربار بیرام کے سب سے شاندار نظارہ کو دیکھنے سے محروم رہے ہیں۔ جلالت مآب نقرہ گھوڑے پر جسکا کل سامان مرصع ہوتا ہے سوار ہو کر محل میں داخل ہوتے ہیں اور کل درباری جن کے گھوڑے اور اون گھوڑوں کا ساز و سامان بھی قابل دید ہوتا ہے حضور ممدوح کے جلو میں ہوتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کو جو سفراء کے کمرہ میں سلطان کے ورود کا نظارہ اسلئے نہیں کرنے دیا گیا تھا کہ سلطان المعظم گھوڑے سے اوترتے ہی قربانی کا دنبہ ذبح کرتے ہیں۔ اور یہہ رسم ہے کہ کوئی کافر قربانی کو نہ دیکھنے پائے۔ اس دنبہ کو جو انگورہ کی نسل کا قدآور جانور تھا اور اوسکی اون برف ایسی شفاف تھی۔ گذرتے وقت ہم نے اون سیڑھیوں کے دامن میں بیجان پڑا ہوا پایا جنکی راستہ سلطان المعظم اپنے کمروں میں تشریف لیگئے تھے۔

گیلری میں پہونچنے پر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ایوان کے فرش سے اس قدر بلند اور خود ایوان اس قدر وسیع ہے کہ جو لوگ نیچے کھڑے ہوں اون کے خط و خال کی بمشکل تمیز ہو سکتی ہے۔ چند خادموں کے سوائے جو ادہر اودہر دوڑ رہے تھے۔ ایوان میں اسوقت اور کوئی شخص نہ تھا۔ اور تخت شاہی کے سوائے (جو بڑی آرام کرسی کی شکل کا تھا اور اوس کے آگے پاؤں رکھنے کا مونڈہا رکھا ہوا تھا۔ اور دونوں طلائی مخمل سے منڈہے ہوئے تھے) کل ایوان خالی تھا۔ تخت کمرہ کے بالائی سرے میں تھا۔ اور اوسکا رخ کمرہ میں داخل ہونیکے بڑے پہاٹک کی طرف تھا۔ ان دروازوں پر چھوٹی سی گیلری ہے۔ اوس میں بینڈ کا طائفہ بیٹھا ہوا تھا۔ جو دربار کے شروع ہونے تک دلفریب نغمہ سرائی کرتا رہا۔

---

[1] دولمہ باغچہ کے اس ایوان کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہے۔ مترجم۔

جس گیلری میں ہم تہے وہ ایوان کے نصف طول سے زیادہ لمبی نہیں۔ پہر بہی وہ اس قدر بڑی ہے
کہ اچہے خاصے کمرے کا کام دیسکتی ہے۔ خاتونیں سب سے آگے کٹہرہ کے ساتہہ ساتہہ بیٹہیں جنٹلمین
(مرد) اون کے پیچہے کہڑے ہوئے عقب میں بلند دریچوں کے نیچے ایک لمبی میز بچہی ہوئی تہی جس پر طلائی ظروف
میں جملہ اقسام کی لطیف و لذیذ ماکولات و مشروبات چنے ہوئے تہے۔ ایوان بتدریج پر ہونا شروع ہو گیا۔ اور چونکہ
سلطنت کے ہر ایک شخص کو جو کرنیل یا کرنیل سے زیادہ رتبہ رکہتا ہو عیدین کے درباروں میں شریک ہونیکا
حق حاصل ہے۔ شاندار وردی پوشوں کا بہت بڑا مجمع موجود ہو گیا۔ یہ وہ مربع کی تین ضلعیں بنا کر ایک دوسرے کی
پیچہے صفوں میں کہڑے ہو گئے۔ ایوان کا وسط جو تخت کے بالمقابل تہا کہلا رہنے دیا گیا۔ محل سلطانی کے اراکین
ملازم درجہ بدرجہ تخت کے پیچہے لمبی صف میں کہڑے ہوئے سب زرق برق کی وردیاں پہنے ہوئے ۔ اور
اکثر تمغے بہی لٹکائے ہوئے تہے۔ اون میں سب سے اول اعلیٰ خواجہ سرا کہڑا ہوا۔ دوم خواجہ سرا جو بڑا لمبا اور
وبلا پتلا آدمی تہا نمبر ہو میں نمبر پر اور سلطان کے دو داما دوں سے اوپر تہا۔ ایوان کی جو کچہہ اوسوقت کیفیت
تہی جبکہ سب لوگ داخل ہو چکے تہے اور سلطان المعظم کے رونق افروزی کا انتظار کر رہے تہے۔ وہ حد بیان سے
باہر ہے اور اوس سے بڑہ کر شاندار نظارہ کا خیال کرنا مشکل ہے۔ ہر قسم کی وردی وہاں موجود تہی صحرا
عرب کے جبہ و عمامہ پوش عرب شیوخ۔ امام۔ علماء اور وزراء سب کے سب تمغوں سے جگمگا رہے تہے میں نے
صادق بک سے پوچہا کہ سلطان المعظم کی رونق افروزی میں اس قدر دیر کیوں ہوئی ہے۔ اب آٹہہ کا عمل
ہو گیا ہے۔ اوس نے جواب دیا حضور ممدوح بہت سویرے بیدار ہو کر نماز کے لئے تشریف لیجانے سے
کسی قدر تہک جانیکے باعث سو گئے ہیں۔ اور یہہ کسی کی مجال نہیں کہ اونکی استراحت میں مخل ہو۔ آخر بینڈ بجنا
موقوف ہو گیا اور وہ درمیانہ قامت باجلال شخص جسکا سب آنکہیں انتظار کر رہی تہیں۔ تخت کے قریب
کے دروازہ سے ایوان میں برآمد ہو گیا۔ صرف اکیلے غازی عثمان امیر المومنین کے ساتہہ تہے۔ وہ سادہ
فوجی فراک کوٹ اور باقی کل شاندار مجمع کی طرح فس پہنے ہوئے تہے اور ایک خمدار سنہری قبضہ کی تلوار زیب کمر
تہی۔ کوئی تمغہ یا نشان کسی طرح کا زیب تن نہ تہا۔ اون کے داخل ہوتے ہی ہر ایک شخص جو ایوان میں موجود
تہا فرش تک جہک گیا اور جب تک وہ تخت پر نہ بیٹہہ گئے اسی وضع میں رہا۔ عثمان غازی تخت سے دائیں
طرف کہڑے ہو گئے۔ سنہری حاشیہ کا ایک رومال اون کے دائیں بازو پر پڑا ہوا تہا جسکو مجمع کے اون لوگوں نے
بوسہ دیا جو درجہ میں کم ہونیکی وجہ سے سلطان کو مس کرنیکا استحقاق نہیں رکہتے تہے۔

جس وقت سلطان المعظم تخت پر متمکن ہو گئے تو دربار ہمایوں کا ملا آگے بڑھ کر حضور ممدوح کے بائیں ہاتھ کھڑا ہو گیا اور دھیمی آواز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اوس کے ساتھ ہی کل حاضرین نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اونچے کر لئے۔ جب وہ اس سے فارغ ہو کر پیچھے ہٹ گیا تو کمال خاموشی کے ساتھ آداب بجا آوری کی رسم شروع ہو گئی۔ دائیں طرف سے پاشا سلطان المعظم کے سامنے سے گذرنے شروع ہوئے۔ قریب پہونچکر وہ فرشی کورنش بجا لاتے اور رومال کو بوسہ دیتے۔ پھر گردنیں جھکائے ہوئے خلیفۃ المسلمین کے بائیں ہاتھ جا کر پیچھے کو ہٹ جاتے۔ اور پیچھے ہٹتے وقت بھی دائیں ہاتھ سے فرش دل اور پیشانی کو چھوتے ہوئے آداب بجا لاتے۔ جو درباری قواعد سے مانوس تھے۔ وہ اس حرکت کو نہایت صفائی اور سلیقہ کے ساتھ عمل میں لائے۔ لیکن جو بجات کے اکثر پاشاؤں کو سخت مشکل پیش آئی۔ اونکی حرکات بہت ہی بہونڈی تہیں ہر ایک تسلیمی حرکت کے بعد تھوڑا سا وقفہ کرنیکے بجائے وہ پے در پے بلا توقف سب حرکتیں ایک ساتھ کرتے رہے۔ اور پیچھے سے دوسروں کے آجانے پر سلطان المعظم کی نظر سے اوجہل ہو جانے پر بھی دیر تک یہی کئے جاتے رہے۔

جو پاشا سلطان المعظم کے ذاتی دوست تھے اون کو سلطان کے قدموں پر سربسجود نہ ہونے دیا گیا۔ سلطان المعظم اون کو ہاتھ سے خفیف سا اشارہ کر دیتے تھے کہ وہ صرف نیچے جھکیں (قدموں پہ نہ گریں)۔ ہمیں روؤف پاشا کو جسکی ایک ٹانگ پلیونا میں ضایع ہو گئی تہی۔ ایسا ہو گیا ہوا تہا کہ اوسے سلطان کو سلام کرنیکے بعد کمرہ کا سارا عرض طے کر کے پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ سلام سے فارغ ہوتے ہی تخت کے پاس سے پیچھے کو ہٹ کر ایوان سے باہر چلا گیا۔ اوس کے سوا اور کوئی شخص باہر نہ گیا۔ دو باتوں کی طرف سب کو خاص توجہ ہوئی۔ دربار سے چند دن پہلے روسی سفیر بلغاری ایلچی سے نہایت نخوت اور غرور کے ساتھ پیش آیا تہا جس پر سلطان المعظم نے ارشاد فرمایا تہا کہ ایلچی مذکور دربار کے موقع پر شاہی خاندان اور محل ہمایوں کے متعلقین کے ساتھ۔ پیچھے ایوان میں کھڑا ہو تا کہ سفرا کی گیلری میں اوسکی بے حرمتی ہونے کا احتمال نہ رہے۔ اس حکم کی تعمیل میں تمام کی سیاہ پوشاک پہنے پیچھے کھڑا ہوا۔ اور اپنی پوشاک کی وجہ سے اردگرد کی تمام زرق برق کی وردیوں میں نہایت نمایاں ہو رہا تہا۔ دوسرا قابل غور واقعہ معزول خدیو اسمعیل کی باریابی تہی۔ وہ اوس وقت کسی رشتہ ناطہ کی وجہ سے جسے وہ کرنا چاہتا تہا سخت معتوب ہو رہا تہا چنانچہ جب وہ پیر مرد سلطان المعظم کے سامنے ہوا تو حضور ممدوح کے چہرہ پر کوئی ایسی علامت نمودار نہ ہوئی جس سے پایا جائے کہ سلطان نے اوسے پہچانا ہے جس پر اوسے بھی اوروں کی طرح پیشانی رگڑنی پڑی۔ اور ایوان کی دوسری طرف جانا پڑا۔ سلطان نے اوس پر ایک بھی نگاہ عنایت نہ ڈالی۔ آخر سب لوگ

سامنے سے گذرکر ایوان کے گرداگرد پہر اپنی اپنی جگہ پر صف بستہ کہڑے ہوگئے۔ اور اب پہلی مرتبہ پہر سکوت ٹوٹ گئی۔ رئیس التشریفات سیزر پاشا نے ہال کے وسط میں آکر باآواز بلند پکارا "شیخ الاسلام" یہہ آواز پڑنے کے ساتہہ ہی ایک دراز قامت باجلال پیرمرد جو دراز سفید جبہ اور عمامہ پہنے اور طبقہ مجیدیہ کی اعلیٰ حمایل زیب تن کئے ہوئے تہا۔ اوس کہلی جگہ سے جو وسط میں تہی تخت کی طرف بڑہا۔ جب وہ قریب پہونچا تو سلطان المعظم نے ایستادہ ہوکر اوس کے سامنے سر جہکا دیا۔ اور شیخ الاسلام نے ہاتہہ اوٹہاکر جلالت مآب کے لئے خیر و برکت کی دُعا مانگی۔ تمام پاشاؤں نے بہی ساتہہ ہی ہاتھ اُٹہا لئے تہے۔ دُعا سے فارغ ہوکر شیخ الاسلام ایک طرف کو کہڑے ہوگئے۔ اور سلطان المعظم پہر تخت پر بیٹہہ گئے۔ بعدازاں کل دیگر علما نے ایوان کے بیچوں بیچ آگے بڑہہ کر تسلیمات عرض کیں۔ سب کی پوشاکیں نہایت چمکدار اور بیش قیمت تہیں۔ اون کے جبے سیاہ۔ سبز۔ اودی اور نیلگوں ساٹن کے تہے۔ بعض کے سفید رنگ کے تہے۔ اور اکثر تمغے اور نشان لگائے ہوئے تہے۔

آخری عالم کے سامنے سے گذرنے ہی جلالت مآب کسی کو کسی طرح کا سلام کرنیکے بغیر کہڑے ہوگئے۔ کل حاضرین پہر لب فرش تک جہک گئے اور حضور ممدوح صرف غازی عثمان کو ساتہہ لئے ہوئے ہال سے باہر تشریف لیگئے۔ چشم زدن میں خالی ہوگیا اور ہم سب کہانے کی میزوں پر ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ گو ابہی صرف نو بجے تہے۔ مگر اکثر نے پانچ بجے کا ناشتہ کہایا ہوا تہا۔ محل سے گہاٹ کو واپس آتے وقت جہاں سفرا کی دخانی کشتیاں اون کے انتظار میں کہڑی تہیں ہم بے شمار قہوہ خانوں کے پاس سے گذرے۔ وہ سب کے سب پاشاؤں اور افسروں سے بہرے ہوئے تہے۔ جو دربار کی حاضرباشی کی کوفت اور تکان کو پوری وردیاں پہنے ہوئے قہوہ اور سگرٹ پینے سے دور کر رہے تہے صادق بک نے اوس دربا میں حاضر ہوا تہا جو خاص محل ہمایوں کے متعلقین اور عہدہ داروں کے لئے علیحدہ بہی منعقد ہوتا ہے۔ اسلئے وہ ہم سے ہال کے دروازہ سے رخصت ہوگیا۔ میں نے اوس سے پوچہا۔ یہہ دربار کس وقت ہوگا۔ اوس نے جواب دیا۔ "یہہ بتانا محال ہے۔ جلالت مآب اب پہر استراحت فرمائینگے۔ اور یہہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ وہ کب بیدار ہونگے"!

آسٹرین سفیر نے ہمیں اپنی کشتی میں بیٹہہ جانیکے لئے کہا۔ اسے ہم نے بڑی خوشی سے منظور کرلیا۔ اور دس بجے سے تہوڑی دیر بعد تہراپیا پہونچگئے۔ مگر باوجود اسقدر سویرے ہونیکے ہمیں یہی معلوم ہوتا تہا۔ کہ ہم بڑا لمبا سفر کرکے آئے ہیں۔

۱۲۔ جدید عجائب گہر اور صیدان سے برآمد شدہ تعویزات قبور قدیمہ

ناظرین یہہ سرخی دیکہہ کر کہیں یہہ خیال نہ کریں کہ میں قسطنطنیہ کی گائیڈ بک[۱] لکہنے یا مصر اور بیڈیکر کی

[۱] گائیڈ بک اوس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مسافروں کی آسانی اور رہنمائی کے لئے کسی ملک یا شہر کے راستوں

تیار کردہ گائیڈ بکوں سے انتخاب و اقتباس دیتا ہوں۔ ترے کی تیار کردہ گائیڈ بک کا تازہ ترین ایڈیشن عمدہ ہے اور بیڈیکر کی کونسی گائیڈ بک ہو جو ہر وقت مفید نہ پائی جائے۔ ان کتابوں کے علاوہ قسطنطنیہ اور باسفرس کے چیدہ چیدہ منظروں کی عکسی تصویریں بھی عام دستیاب ہو سکتی ہیں۔ بالخصوص قسطنطنیہ کے فوٹوگرافر عبد اللہ نے باسفرس کی شفاف ہوا میں اس بے نظیر شہر اور اوس کے ملحقات کی جو بے شمار تصویریں اتاری ہیں صفائی اور درستی میں کسی نویسندہ کی قلم نہ کسی مصور کی پنسل اون کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تاہم جس امر کی میں لوگوں کو ترغیب دینا چاہتا ہوں وہ یہہ ہے کہ وہ خود قسطنطنیہ جا کر وہاں کے نظاروں کا بچشم خود مزا لیں جس طرح کہ میں نے کیا ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی میری یہہ بھی نصیحت ہے کہ کسی شخص کو وہاں پہونچنے سے پہلے کبھی گائیڈ بک کا معاینہ کرنیکے بغیر اس شاندار شہر کے منظروں کی دیکھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے۔ نہ کسی کو وہاں پہونچکر باقاعدہ راہبر اور ترجمان کے بغیر خود بخود اون مقامات کا راستہ معلوم کر لینے کی کوشش کرنا چاہئے جنکے دیکھنے کا وہ مشتاق ہو۔ البتہ اوس کو راہبر اور ترجمان کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لینا واجب ہے۔ یہہ میری بڑی خوش قسمتی تھی کہ مجھے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ترک (بلکہ یہہ کہنا چاہئے کہ عرب) راہبر کا کام دینے کیلئے مل گیا تھا۔ وہ پہلے ازباوران سلطانی تھا اور جلالت مآب نے اوسے اس کام پر مامور فرما دیا تھا کہ جب تک ہم قسطنطنیہ میں ٹھہریں۔ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ راہبری کے علاوہ وہ ہم کو ترجمان کا کام دینے ہی کے قابل نہ تھا۔ بلکہ اوسکی وردی کے طفیل جہاں جاتے تھے ہمیں کوئی روک نہیں ہوتی تھی اور ایسے ایسے خزانے بڑی خوشی سے دکھائے جاتے تھے جو اول تو کسی کو نہیں یا شاذ و نادر کسی کو دکھائے جاتے ہیں صادق بک (یعنی یاور موصوف) جرمن۔ فرنچ۔ ترکی اور عربی بول سکتا تھا اور برلن میں کچھ عرصہ رہ آنے سے وہ ہمارے اون جذبات اور خیالات کو جن خیالات سے کہ ہم اہالی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷۔ سڑکوں اور قابل دید عمارات وغیرہ کے حالات اور دیگر ایسے امور جنکا جاننا مسافر کو غیر ملک میں فایدہ بخش ہو مدرج ہوتے ہیں۔ یورپ میں ایسی گائیڈ بکوں کی تیاری کیلئے مرے اور بیڈیکر کے دو کارخانے بہت مشہور ہیں۔ اول الذکر انگریزی ہے اور دوسرا جرمن ہے۔ گو اسکی بہت بڑی شاخ انگلستان میں بھی ہے۔ مترجم

۱؎ مفروضہ مظالم کے دوران میں ایشیا کوچک کے صوبوں میں عیسائیوں کو بالجبر مسلمان بنانیکے الزامات کی تحقیقات کیلئے پہلے دنوں (یعنی ۱۸۹۴ء میں) جو کمیشن سلطان المعظم نے روانہ کی تھی صادق بک بھی اوس کا ایک رکن تھا۔ مصنف

(کمیشن مذکور کے مفصل حالات کے لئے دیکھو رسالہ مفروضہ مظالم آرمینیا و دول ثلاثہ۔ مترجم)

یورپ مشرق کے باشندوں اور اون کے اوضاع و اطوار کو دیکہنے ہیں بآسانی سمجہہ سکتا۔ اور وہ باتیں ہیں
دکہا اور بتا سکتا تہا جو کہ یورپینوں کے لئے خاص دلچسپی کا باعث ہوسکتی ہیں۔ وہ ترکی عہدہ دار اور ہر پہلو
سے پورا محب وطن ترک تہا۔ وہ اپنے شہنشاہ کا سچا جان نثار تہا۔ اور بشرط ضرورت اوسکو اور نیز اپنے
ملک اور اپنے مذہب کیلئے لڑنے اور جان قربان کرنے کو بالکل تیار۔ اوس نے ہم کو ہر ایسی چیز دکہائی
جو بیحد اور زائد تکلیف اور تردد کے بغیر دیکہی جاسکتی تہی قسطنطنیہ کو تاریخی اور آثار قدیمہ کے لحاظ سے
پوری پوری طرح سے دیکہنا میرے امکان سے باہر تہا۔ کیونکہ میں اطباء کے حکم سے وہاں آرام کرنے کے لئے
گیا تہا۔ اور اس لئے مجہے اسی پر قناعت کرنی پڑی کہ قدیم یادگاروں اور کہنڈروں کے پاس سے جو بزبان
حال مجہہ سے تکلم کرتے تہے داروی گذر کر اون کو ایک نظر دیکہہ لوں۔ اور اون کے دیکہنے سے جو پرانے زمانے
کے واقعات دل و دماغ میں موجزن ہو جاتے تہے۔ اور جن سے بعض پرانی عمارتیں میری نگاہ میں اس طرح منور ہو
جاتی تہیں جیسے کہ گویا ان میں برقی روشنی کردیگئی ہے۔ اون کے خفیہ خفیہ بیان کردہ قصوں کو گوش دل سے
بغور سنتا رہوں۔

فی زمانا ہر ایک اجنبی ذراسی محنت سے قسطنطنیہ کی بڑی بڑی یادگاروں کا معاینہ کرسکتا ہے
صرف وہاں کے محافظوں کو تہوڑی سی بخشش دینی پڑتی ہے۔ لیکن یہہ خیال بالکل غلط اور مبنی بروہم ہے
کہ جو سیاح مسجدوں میں داخل ہوتے ہیں۔ ترک اون کو غضب آلود نگاہوں سے دیکہتے ہیں۔ یہہ درست ہے۔
کہ وہ اون سیاحوں کو دیکہہ کر خوش نہیں ہوتے اور اون کو خوش آمدید نہیں کہتے۔ لیکن یہہ امر صرف بزدل
سیاحوں کا اپنا پیدا کردہ وہم اور ظن ہے۔ کہ وہ کل عیسائی کتوں کو قتل کرنیکے خواہشمند ہوتے ہیں بعض
مقامات میں بیشک عیسائیوں کو جانے کی ممانعت ہے۔ اور اگر کوئی اجنبی لاعلمی یا غلبہ شوق تجسس
کی وجہ سے وہاں چلا جائے تو جو ترک اوسجگہ موجود ہو اوسے صاف کہدیتا ہے کہ میں تمہاری اس حرکت
کو پسند نہیں کرتا۔ مگر اس بات کا اوسکو کبہی شان و گمان بہی نہیں ہوتا کہ اپنی اس ناپسندیدگی کو خنجر کے ذریعہ
سے ظاہر کرے۔ ایسے بزدلوں یا اتہام لگانے والوں کو معلوم رہے کہ اور شہروں کی طرح قسطنطنیہ میں
بہی پولیس اور قانون موجود ہے۔ اور زمانہ سابق کی طرح مذہبی پرجوشی اب وہاں کسی بیجا حرکت یا تشدد کیلئے
کوئی وجہ معذوری اور بہانہ نہیں ہوسکتی۔ ایک ترک گاڑی والے نے ہم سے کچہہ سخت کلامی کی تہی مجہے
امید ہے کہ عمر بہر اوس سے یہہ خطا پہر دوبارہ سرزد نہ ہوگی۔ وہ اسی وقت قید خانہ بہیجدیا گیا اور اوسکا لائسنس

ضبط کر لیا گیا تہا۔ یہہ ممکن نہیں کہ کسی شہر میں کبہی کوئی سختی یا زیادتی نہ ہو۔ فرانس کے (جنوبی ساحل کے قصبہ) ایکو مارٹیے میں بہی (جہاں موسم بہار میں اکثر لوگ ممالک غیر سے قیام صحت اور دماغی آرام کے لئے جاتے ہیں) زیادتیاں وقوع میں آتی رہتی ہیں۔ اور قسطنطنیہ میں بہی آتی رہیں گی۔ لیکن فرق یہہ ہے کہ ٹرکی میں فرانس کی نسبت بہی ایسی زیادتیوں کی بہت زیادہ جلد سزا و بیجائی ہوتی ہے قسطنطنیہ کے اون نظاروں میں سے جن میں ہنوز تہوڑے عرصہ سے عوام کو داخل ہوسکنے کی اجازت ملی ہے۔ اور اسوجہ سے اکثر لوگوں کو اونکی ابہی چنداں خبر نہیں ہوئی سب سے اہم اور مشہور اشیار قدیمہ کا نیا عجائب گہر ہے۔ اوس کے بیش بہا اور حیرت افزا خزینوں کے متعلق کا بڈ باون تک میں بہی ابہی تک کوئی مفصل ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اکثر سیاح اوسکا نام تک سننے کے بغیر قسطنطنیہ سے واپس چلے جاتے ہیں۔

استنبول میں اشیار قدیمہ کا عجائب گہر سالہا سال درازسے قایم ہے۔ مگر بہت کم لوگوں نے اوسے دیکہنے کی تکلیف گوارا کی ہے۔ اور وہ اس قابل بہی نہ تہا کہ کوئی ایسا مسافر جسے اور بہت کام ہوں اوسے ضرور جا دیکہے۔ بجائے اس کی اشیار قدیمہ کو غیر ممالک کے لوگ اوٹہالے جائیں یا وہ برباد ہوتی رہیں۔ اون کو جمع کرنے کا خیال سب سے اول فتح احمد پاشا کو ہوا جس نے ۱۸۵۰ء میں چند پرانے سکے اور دیگر قدیم اشیا سنیٹ اسرین کے گرجہ میں جمع کیں ۱۸۷۵ء میں صبحی پاشا نے جو کچہ عرصہ کیلئے وزیر معارف (سررشتہ تعلیم) رہا تہا اور خود بہی سکہ جات قدیمہ کا ماہر بصر تہا کل مجموعہ کو قدیم محلسرا کے اندر چینی کی کوشک میں منتقل کر دیا۔ یہہ کوشک قسطنطنیہ میں قدیم ترین اسلامی عمارتوں میں سے ہے۔ اسلامی فن تعمیر کے نمونہ کا کام دینے کے لئے یہہ کوشک نہایت ہی کارآمد ہے۔ بالخصوص چینی کی جو کہپریلیں دیواروں پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ صنعت و استادی میں نہایت ہی کامل ہیں۔ خیر یہہ ذکر توضمنًا تہا۔ کوشک مذکور کے کمرے جلد پر ہوگئے۔ اور پچہلے چند برسوں میں جبکہ حمدی بگ اور دیگر اشخاص کی محنت اور جدوجہد سے ٹرکی میں اشیار قدیمہ کی تلاش کا ازسرنو شوق پیدا ہوگیا تو اون نئی چیزوں کے لئے جو بافراط دستیاب ہوگئی تہیں نئے بڑے بڑے کمرے بنانا ضروری ہوگیا ٹرکی سرزمین صنعتی خزاین کی کامل معدن ہے جس معدن کو ابہی تک بہت کم کہولا گیا ہے اور جس سے

ؔ آرمینیوں کے ہنگاموں کے بعد بہی میری یہی رائے ہے۔ اوس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میری رائے اب بہی درست ہے۔ اور وہ یہہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے اونکی مذہب کی وجہ سے نفرت نہیں کرتے۔ آرمینیوں سے جو اون کو نفرت ہے۔ وہ قومی اور سیاسی اسباب پر مبنی ہے۔ مصنف

اب تک زیادہ تر ممالک غیر کے لوگ ہی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ شایق اشیاء قدیمہ شیلیمن امداد ان
متعدد علمی مہموں کو جو انگلش۔ فرنچ اور جرمن گورنمنٹوں نے سلطنت عثمانیہ کے مختلف حصوں کو روانہ کی تہیں
نادر اشیاء کے برآمد کرنے میں جو نمایاں کامیابی ہوچکی ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ اگر عثمانیہ گورنمنٹ
اس کام کو بہ نسبت حال زیادہ باقاعدگی سے اختیار کرے تو اوسکے عجائب گہر بہت جلد یورپ کے بہترین
عجائب خانوں کے ہمسر بلکہ اون سے فایق ہوجائیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ اس کام کا آغاز تو ہوگیا ہے
اور عمدگی کے ساتھہ ہوا ہے۔ چنانچہ اس تہوڑے سے عرصہ ہی میں حمدی بک کے استقلال اور موجودہ
بیدار مغز فرمانروا عبدالحمید کی فیاضانہ سرپرستی اور امداد سے قسطنطنیہ میں ایک ایسا نیا عجائب خانہ
موجود ہوگیا ہے جس پر ہر ایک ترک بجا طور پر فخر و مباہات کرسکتا ہے۔ اس عجائب خانہ کو ولوری آفندی
معمار نے چینی لی کوشک کے مقابل تعمیر کیا تہا۔ اور یہہ زیادہ تر پرانی قبروں کے اون شاندار تعویذوں کے
لئے بنایا گیا تہا جو ۱۸۸۷ء میں حمدی بک کو زمین کے نیچے سے دستیاب ہوئے تہے۔ اس دستیابی
کی فی الفور تمام یورپ میں دہاک بندھ گئی۔ اور اوس کے متعلق طرح طرح کی مبالغہ آمیز حالات شایع
کئے گئے۔ گو لکہنے والوں میں سے کسی نے اون تعویذوں کو جو حمدی بک نے بمقام سیدان[1] زمین سے
نکالے تہے بچشم خود معاینہ نہیں کیا تہا۔ کئی لوگوں نے حمدی بک پر اعتراض کئے ہیں کہ اوس نے
ان بیش بہا خزینوں کو اتنا عرصہ دنیا کی نظر سے پوشیدہ و مقفل رکہا۔ بلکہ بعض نے تو یہہ بہی کہہ دیا کہ
اوسے یہہ چیزیں ٹرکی میں رکہنی واجب نہ تہیں۔ اوسے مناسب تہا کہ ان تعویذوں کو فی الفور یورپ
کے کسی بڑے عجائب گہر میں بہیجدیتا۔ ہر ایک کا یہی خیال تہا۔ کہ ٹرکی کو ان قدیم زمانہ کی اشیاء پر
کوئی حق نہیں ہے۔ یہہ لوگ اس امر کے مشکور ہونے کی بجائے کہ بارے ٹرکی میں بہی صنعت قدیمہ کا
ایک سچا عاشق پیدا ہوگیا ہے اور اوسے سلطان المعظم کی فیاضانہ امداد اور ہمدردی حاصل ہوگئی ہے
الٹے یہہ شکایتیں کرنے لگ گئے کہ ہیں ٹرکی۔ اور وہ ان چیزوں کو اپنا ملک ظاہر کرنے کی جرات
کرے۔ یہہ بغض اس درجہ تک بڑہا ہوا ہے کہ اب اسوقت بہی جو پرانی صنعت کے نمونے ترکی قلمرو
سے حاصل ہوں اون کو جائز یا ناجائز وسایل سے اٹہانے اور چرا لیجانے کے لئے ہر ایک امر مباح او
جائز سمجہا جاتا ہے حتی کہ حمدی بک نے ایسے بے اصول اور بے ایمان لوگوں کے ہاتھہ سے
تنگ آکر جو صنعت قدیمہ کے نہایت ہی خوبصورت نمونوں کو زمین سے نکال کر بے دریغ ملک سے

[1] سیدان یا صیدا ارشام کے ساحل پر دمشق سے عین بجانب غرب تقریباً پچاس میل اور بیروت سے بجانب جنوب تخمیناً پچیس میل کے فاصلہ پر بحیرہ شام کے کنارہ پر واقع ہے۔ مترجم۔

باہر بیچ ڈالتے ہیں۔ سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کر کے یہہ حکم صادر کرا دیا کہ اس قسم کی خرید و فروخت
ناجائز اور سزا کی مستوجب ہے۔ کل ملکوں میں یہی قانون رائج ہے۔ وہاں کوئی اسکی شکایت نہیں کرتا
مگر ٹرکی میں اسکے رواج کی نہ فقط شکایت ہی کیجاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات بظاہر علم اشیاء قدیمہ کے معاو
و بہتری کا بہانہ کر کے اور دراصل ذاتی کمینہ اغراض کیلئے اوسکی خلاف ورزی کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے۔
یہہ ہے علیسائی اہل یورپ کی ایمانداری اور راست بازی!! سلطان المعظم جب یہہ دیکھتے ہونگے کہ
تب حمدی بک اور بمقام سیدان اوسکی محنت و تردد کی جو سرپرستی کیگئی ہے اوس سے کیسا بے نظیر نتیجہ بہتر
ہوا ہے تو وہ اپنے دل میں بیشک بہت خوش ہوتے ہونگے۔ اس وقت بھی دنیا کا کوئی عجائب خانہ تعویذ ہائے
قبور اور تمدنی یادگاروں کے معاملہ میں قسطنطنیہ کے جدید امپیریل عجائب خانہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔
اور ابھی آخر الذکر کے ذخیرہ میں بہت بڑا اضافہ ہونے کا پورا یقین ہے۔ باوجود عام خبر نہ ہونیکے اب بھی
یورپ کے اکثر حصوں سے شوقین طالب علم قسطنطنیہ آکر عجائب گھر میں گھنٹوں تک صیدا کی تعویذوں کو
بنظر غور دیکھتے رہتے ہیں۔ جب اونکی عام شہرت ہوگئی تو اوس وقت اس علم کے شوقین سیاح اس
کثرت سے قسطنطنیہ پہونچا کرینگے جس طرح سے کہ بمقام پارتھنیاں کی مرمریں مورتوں کی طفیل لندن
کے برٹش عجائب گھر کو کھنچے چلے جاتے ہیں اور بیلو کی مورت زہرہ کے گرد پیرس کے محل لودر میں
ہر وقت سینکڑوں آدمیوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔ یہہ تعویذ اول اول محض
اتفاقیہ برآمد ہوئے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں ایک شخص مسمی محمد شریف ایک قطعہ زمین کو جو موضع ہلیلہ کے
قریب صیدا سے بجانب شمال مشرق تقریباً صرف ایک میل اور ساحل بحیرہ روم سے فقط چند سو
گز کے فاصلہ پر اوسکی ملکیت تھا عمارتی مصالح کے لئے کہدوا رہا تھا۔ اوس شخص کو معلوم نہیں تھا کہ
جس زمین کو میں کہدوا رہا ہوں وہ متبرک ہے۔ البتہ اوس نواح میں یہہ پرانی روایت چلی آتی تھی کہ قرب و
جوار کی زمین کسی زمانہ میں قبرستان تھی۔ فرانس کا رینیاں اسی قرب و جوار میں تلاش کرتا رہا تھا۔ اگر یہہ
بیش بہا عجوبات روزگار اوسے ملجاتے اور محل لودر میں بادشاہ اشیمونضر کی قبر کے مشہور تعویذ کے
دوش بدوش جو ہلیلہ سے بجانب جنوب سوا میل کے فاصلہ پر بمقام مغارات ابلوان سے دستیاب ہوا تھا
اور اب لودر کے کمال مشہور اور بیش قیمت عجائبات میں سے گنا جاتا ہے رکہا جاتا تو رینیاں اور فرانس کو
اس کامیابی پر کیسی کچھ خوشی ہوتی۔ مگر یہہ اونکی قسمت میں مقدر نہ تھا۔ حالانکہ اسی بادشاہ کے عین قدموں کے

تہلے اوس کے باپ تابنیث شاہ صیدا رکی ہی قبر کا تعویز تہا۔ اشیمونظر کا تعویز ڈیوک ڈومی لاہی مرحوم
نے ۵ ہزار فرینک کو خرید اتہا۔ حمدی بک کو جو تعویز ملا وہ اشیمونظر کے باپ تابنیث کی قبر کا ہے۔
مگر اس سے نتیجا نکی کوئی رشک ہوا۔ رشک وحسد اوسکی ذات میں تہا ہی نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے سب سے
اول ترکی فاضل کو اوسکی خوش نصیبی پر مبارکباد دی تہی انہیں سے ایک میں تہا۔ اور جیسی سچی خوشی اوس کو
اس برآمدگی سے ہوئی۔ کسی اور کو نہوئی ہوگی۔ صرف تابنیث کا تابوت ہی ایسا ہے جس پر اب
تک کوئی کتبہ ملا ہے۔ اس پر دو کتبے ہیں ایک مصر کے پرانے خط تصویر میں اور دوسرا اہالی فنیشیا کی قدیم زبان
میں مصری کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تابوت میں ابتدا ایک مصری جرنیل موسومہ پنفطاہ مدفون ہوا تہا
اور فنیشی کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے آخر اس میں تابنیث شاہ صیدا رکا جسم مردہ بند کیا گیا یہی
نام نوودار والے تابوت پر موجود ہے۔ اوس پر اشیمونظر خود کو تابنیث اور اماش طورث کا بیٹا بتاتا ہے
اسی تابوت کے قریب ایک اور برآمد ہوا جسے پہلے کسی نے کہولا یا لوٹا نہ تہا جب وہ کہولا
گیا تو اوس میں ایک طلائی کمر بند۔ شاہی حلقہ یا ہالہ۔ بالوں کی ایک زلف۔ ہڈیاں۔ دانت اور ململ کی
پٹیوں کے ٹکڑے پائے گئے۔ یہہ تابوت سیاہ سنگ مرمر کا ہے اور انسان کے جسم کا نقش اوس پر
نمودار ہے جس سے اوسے انسانی تابوت پکارا جاتا ہے۔ اور چونکہ اشیمونظر نوودار والے تابوت پر
خود کو تابنیث اور اماش طورث کا بیٹا لکہتا ہے۔ اور یہہ تابوت بہی چونکہ اوسی غار میں سے برآمد ہوا تہے
اس لئے اغلب ہے کہ اس میں اماش طورث کا جسم مدفون تہا اور یہہ دانت وغیرہ اوسی کے ہیں یہہ تابوت
یا یوں کہو کہ وہ لوگ جو ان میں سب سے آخر دفن ہوئے بقول بعض مورخین پانچویں صدی قبل مسیح اور بقول
ماس پیرو چوتہی صدی قبل مسیح میں گذرے ہیں۔ حمدی بک کا بیان ہے کہ اوس زمین کو جہاں سے
یہہ برآمد ہوئے ہیں قبرستان کہنا درست نہیں۔ اور اوس کا یہہ بیان ایک حد تک صحیح بہی ہے۔
کیونکہ قدیم اہل فنیشیا کا یہہ وطیرہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مردوں کو کسی خاص قبرستان کی حدود میں دفن
کرنیکے بجائے جہاں کہیں مرضی ہوتی تہی دفن کر دیا کرتے تہے تاہم جس موقع سے یہہ تابوت نکلے ہیں۔ وہ غالبا
تدفین کے لئے بہت مناسب مقام سمجہا جاتا تہا۔ یہہ تابوت ملیلہ سے برآمد ہوئے ہیں اور ملیلہ کی پہاڑی کے
قریب کے باغ کے نام سے ہی جو بوستان المغارہ (حجروں اور غاروں والا باغ) ہے متلاشیوں کو
اس مقام کی طرف توجہ ہو جانی چاہئے تہی۔ سنہ ۱۸۸۷ء کے شروع میں اسی موقع سے چند مسیحی قبریں

برآمد ہوی ہوئی تہیں حمدی بک کو توقع ہے کہ جبکہ ذرا زیادہ باقاعدگی کے ساتھہ تلاش شروع کرینگے قابل ہوجاینگے۔ تو اون کو اس گرد و نواح میں اور بہی تابوت دستیاب ہونگے۔ اونکی اس توقع کے برآنے کے بطاہر بہت کچہہ آثار پائے جاتے ہیں۔ سر دست اون کا بڑا کام یہہ ہے کہ اس معدن کو جو اوس نے کہولی ہے۔ غارتگروں کے ہاتھہ سے جو تجارت یا علمی ہوس کو پورا کرنے کے لئے لوٹ مار سے باز نہیں آتے محفوظ رکہیں جب ان تابوتوں کے برآمد ہونیکی خبر شایقین آثار قدیمہ نے سنی تو طبعی طور پر اون کے دیکہنے اور دریافت کنندہ کی قلم سے اونکی پوری کیفیت معلوم کرنیکے لئے بیتاب ہونے لگ گئے۔ مگر بسا اوقات ایسی بے صبری اور بے قراری نامعقولیت کی حد تک پہونچ جاتی ہے۔ ۱۸ اپریل سے ۲۰ جون ۱۸۸۷ء تک تو برابر کہدوائی کا کام ہوتا رہا۔ پہر جب یہہ دیو قامت تابوت صیدا سے قسطنطنیہ کو باحتیاط تمام پہونچا ہو گئے۔ تو اونکی درستی اور مرمت باقی رہتی تہی کیونکہ گو فی الجملہ اون کو بہت تہوڑا نقصان پہونچا تہا۔ پہر بہی حمدی بک نے حجروں میں سے کئی سو ٹکڑے جمع کئے تہے جنکو موقع بموقع اپنی اپنی جگہ پر لگانا ضروری تہا۔ پہر اس مرمت کے مکمل ہوجانے پر بہی جب تک کہ اون کو نئے عجایب خانہ میں نہ رکہا جائے۔ اونہیں عوام کو دکہانا مناسب تہا۔ اور اس نئے عجایب خانہ کی تعمیر پر بہی کچہہ وقت صرف ہونا لازمی تہا۔ وہ تیار ہوگیا ہے اور اب یہہ تابوت وہاں ہر ایک شخص دیکہہ سکتا اور جس طرح چاہے اون پر غور کرسکتا ہے۔ حمدی بک کی رپورٹ ۱۸۹۲ء سے شایع ہونی شروع ہوئی۔ اس کے دو نمبر رسالے شایع ہوچکے ہیں۔ اور تیسرے کی عنقریب شایع ہوجانیکا اشتہار ہوچکا ہے۔ جب اس امر پر غور کیا جائے کہ ان نتایج کے مرتب کرنے پر کس قدر مشکلات عدیدہ کو ہٹانا پڑتا ہے اور کہ قسطنطنیہ میں اس کام کے لئے جس کو واسطے برٹش میوزیم اور لوور میں باقاعدہ شاف موجود ہے کیسی تہوڑی مدد مل سکتی ہے تو ہر ایک منصف مزاج تسلیم کریگا کہ رپورٹ کے شایع کرنے میں کوئی بیجا توقف نہیں ہوا۔ دیگر ممالک کی طرح ٹرکی میں بہی مصنفین کو جبکہ وہ نہایت قیمتی کتابیں معہ تصاویر شایع کرنے چاہتے ہوں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ چنانچہ فرانس کا وزیر سررشتہ تعلیم کمال عزت احترام کا مستحق ہے کہ اوس نے اس کتاب کی تیاری اور اشاعت میں مصنف کو پوری پوری امداد دی۔ کیا کسی انگریزی وزیر کو بہی ایسا کرنے کی جرات پڑتی ہے۔

ؔ یہہ رپورٹ فرنچ زبان میں ہے۔ اور پیرس کی کتب فروش ای لیرو سے دستیاب ہوسکتی ہے۔

حمدی بک کی تلاش وجستجو اور تصنیفات کا نتیجہ نہایت ہی اطمینان بخش ہے۔ اوس نے انہی صرف دو بڑے تہ خانوں کو جو زیر زمین مدفون تھے کھولا ہے۔ اوران ہی سے اوسے اسی تابوت حاصل ہوئے ہیں جن میں سے ۱۸ اول درجہ کے ہیں۔ ان تہ خانوں کے سب سے نچلے اور قدیم ترین حجرہ میں مصری تابوت تھا۔ جو دراصل ایک مصری جرنیل کی قبر تھا۔ مگر بعد میں تانبیث کو اوس میں دفن کیا گیا تھا۔ دوسرے حجرہ سے جس میں سات علیحدہ علیحدہ خانے تھے پورے سترہ تعویذ برآمد ہوئے۔

ناظرین کو خیال رہے کہ سب سے پہلے ایک بڑا درمیانی حجرہ برآمد ہوا تھا جس سے شمال۔ مشرق۔ جنوب اور مغرب کی طرف حجرہ مذکور سے بڑے بڑے حجروں کو جو پتھر کے متعدد تابوتوں سے بھرے ہوئے تھے راستہ جاتا تھا۔ شمالی حجرہ میں دو تعویذ ملے۔ اس کمرہ کو صاف کرتے وقت دو راستے مشرق اور مغرب کو دو اور حجروں کو جاتے ہوئے پائے گئے۔ مشرق کی طرف کے حجرہ میں ایک معمولی سا تعویذ تھا جس پر کسی طرح کا کوئی کام نہ تھا۔ مگر مغرب والے میں سفید سنگ مرمر کے چار نہایت ہی خوبصورت اور بدیع تابوت پائے گئے۔ سب سے بڑے تعویذ کے سرہانے والی طرف جسے حاکم صوبہ کا تعویذ پکارا جاتا ہے۔ ایک عجیب مرقع بنا ہوا ہے۔ جس پر رنگ آمیزی کے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ ایک مرد سر پر مشرقی وضع کی پوشش رکھے ہوئے اور گھیرے دار جبہ پہنے ہوئے ہے۔ اوس کے بائیں ہاتھ میں پیالہ ہے اور دائیں ہاتھ میں جام ہے۔ جسے وہ ایک خاتون کی طرف جو اوس کے سامنے کھڑی ہے کئے ہوئے ہے اور وہ اوس میں صراحی سے عرق ڈال رہی ہے۔ خاتون مذکور کے پیچھے ایک اور عورت بیٹھی ہوئی ہے جو کہ سر کو اپنی پوشاک کے دامن سے ڈھانپے ہوئے ہے اور پیر مرد کے دائیں طرف ایک اور عورت کھڑی ہے۔ پائنتی کی طرف چار نوعمر مردوں کی تصویریں ہیں جو چھوٹے کوٹ پہنے اور ڈنڈے پکڑے ہوئے ہیں۔ تعویذ کی بڑی طرفوں میں سے ایک پر ایک بوڑھا آدمی تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ تاج اوس کے سر پر ہے اور عصار شاہی دائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔ وہ ایک چار اسپہ گاڑی کو جس پر ایک نوجوان جو اپنے چھوٹے کوٹ کو کمر سے باندھے ہوئے اور سر کو ہوا میں اڑتی ہوئی چادر سے ڈھانپے ہوئے ہے سوار ہونے لگا ہے دیکھ رہا ہے۔ ایک غلام لاٹھی پر سہارا دیئے کھڑا ہے اور گھوڑوں کو جو ابھی چلنے والے ہیں تھامے ہوئے ہے۔ دوسرا نوکر ایک گھوڑے کو لگام سے پکڑے ہوئے ہے۔ تخت کے پیچھے بھی چند عورتیں ہیں جو نمایاں نہیں رہ گئیں۔ دوسری بڑی طرف غالباً وہی پیر مرد گھوڑے پر سوار شیر ببر سے لڑائی کر رہا ہے۔ ایک

دوسرا سوار اسی شیر پر نیزہ سے حملہ کر رہا ہے۔ دائیں طرف ایک سوار جس کا آسن اکھڑ گیا ہو اپنے گھوڑے
کی لگام کو چپٹا ہوا ہو۔ پیر مرد کی تصویر کے پیچھے ایک زخمی ہرن پڑا ہے اور ایک سوار اپنے گھوڑے کو قابو
میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان تصویروں کا مطلب بظاہر ایشیائیوں کی بڑے بڑے مشاغل۔ لڑائی
اور شکار کو واضح کرنا ہے۔ مگر ممکن ہے اس پیر مرد کی جو تخت پر بیٹھا ہے اور جسے اب حاکم صوبہ تصور کیا گیا ہے
اور نوجوان کی تصویر وں سے جو لڑائی پر جانے کو تیار ہے۔ ہومر[1] کی کسی داستان کا چربہ اتارنا مقصود ہو۔
اور غالباً یہہ نوجوان ہیکٹر یا پیرس ہو جو شہر ٹرائے کی دیواروں کے سامنے جاکر لڑائی میں شریک ہونیکے لئے
پرئی آم سے رخصت ہو رہا ہے۔ اور یہہ مرقعے بھی اوسی قسم کی ہوں جس طرح کہ جولیاشی کی سنگین تصویریں ہیں
اور صرف یہہ فرق رکھتی ہوں کہ نسبتاً بڑے پیمانہ پر بنائے گئی ہیں سرہانے کی طرف کے مرقع کی نسبت
خیال ہے کہ اوس میں نزع کے وقت کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ اور وہ عورت جو پلنگ کی پائنتی بیٹھی ہے
قریب المرگ پیر مرد کی نوحہ خوانی کر رہی ہے۔

اس عجیب غریب تعویذ یا تابوت کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اس سے بھی زیادہ عجیب تعویذ دستیاب
ہوگئے۔ اوس کمرہ میں جو درمیانی حجرہ سے بجانب مشرق ہے سفید سنگ مرمر کے دو تابوت ملے۔ بائیں
طرف والا تو سیدھا سادہا تھا۔ مگر دائیں طرف کا صنعت و دستکاری کا کامل نمونہ پایا گیا۔ اوس پر جزائر
آیونین کے قدیم مندروں کی طرز کا ایک مندر بنا ہوا ہو۔ اوس کے ستون دار کمرہ میں اٹھارہ طاق ہیں اور
ہر ایک طاق میں ایک عورت یونانی لباس پہنے کھڑی ہے۔ اور ستون دہاری دار ہیں۔ اس مرقع پر بھی رنگ
آمیزی کے نشان باقی ہیں۔ اوس کا نام تابوت نوحہ خواناں رکھا گیا ہے۔ مگر اسے دیکھہ کر یہہ سوال
پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہہ تصویریں ایک ہی شخص کی ہیں جس کو رنج و غم اور نوحہ خوانی کی مختلف اوضاع میں

---

[1] ہومر نامی قدیم کا مشہور شاعر گزرا ہے۔ اوس کے مقام پیدائش اور سنہ ولادت وغیرہ کا پختہ حال معلوم نہیں۔
غالباً آٹھویں اور نویں صدی قبل مسیح میں گذرا ہے۔ عام روایت ہے کہ وہ سمرنا کے قریب پیدا ہوا تھا اور مولدا لحرام تھا۔
اوسے یونانی شعرا میں وہی درجہ حاصل ہے جو فارسی شعرا میں فردوسی اور ہندی شعرا میں رامائن و مہابھارت کے
مصنفین کو حاصل ہے۔ اوس کی منظوم نظمیں سلاست زبان اور فصاحت و بلاغت میں قیامت تک یادگار رہینگی
اوس نے شہر ٹرائے کے محاصرہ اور لڑائی کا مفصل حال شاہنامہ کی طرز پر لکھا ہے۔ ٹرائے ایشیائے کوچک میں سمندر
اور بحیرہ روم کے قریب واقع ہے۔ جو دو صدیوں سے کھنڈر پڑا ہے۔ مترجم۔

دکھایا گیا ہے یا یہ تصویریں کسی خاص شخص کی نہیں اور صرف رنج و اندوہ کے مختلف طریق اظہار کو ظاہر کر رہی ہیں یعنی آیا اس کو تابوت نوحہ خواناں پکارنا چاہئے یا کہ تابوت نوحہ خوانی۔ تابوت کا ڈھکنا مندر کی چھت کے مشابہ ہے اور دونوں طرف سے ڈھالو ہے۔ اوس کے دونوں سروں پر تراشی ہوئی مورتیں ہیں اور کارنیس سے اوپر دونوں پہلوؤں پر جنازہ کے جلوس بنے ہوئے ہیں جو بلندی میں تقریباً بیس انچ ہیں۔ تابوت کے اندر چند مردانی ہڈیاں اور سات کتوں کے سر پائے گئے۔ ان کے سوائے اور کوئی چیز نہ پائی گئی جس سے مردہ کا نام یا درجہ معلوم ہوتا۔ اوس میں سے قیمتی چیزیں پہلے ہی کسی نے نکال لی ہوئی تہیں۔ اب تک تابوت کے اندر کتوں کے یہ سر موجود ہونیکی وجہ ظاہر کرنے کی کسی نے کوشش نہیں کی۔

تیسری طرف جنوبی حجرہ میں مزدوروں کو سفید مرمر کا ایک تابوت ملا۔ جسکی شکل دیکھتے ہی معلوم ہو گیا کہ وہ لیشین[1] ساخت کا ہے۔ اون لیشین قبروں کی طرح جو برٹش میوزیم (عجائب خانہ) اور وائنا میں رکھی ہوئی ہیں یہ تابوت بہی چوبی عمارتوں کے نمونہ پر پتھر کا بنا ہوا ہے۔ ڈھکنا نیا چھت کا کام دے رہا ہے۔ جس کے دونوں سروں پر مثلث گوشے بنے ہوئے ہیں۔ اسکی تصویریں کی طرز یونانی تابوتوں کی تصویروں سے زیادہ قدیم اور درشت ہے۔ مگر اس سے اون کے زیادہ قدیم ہونے کا نتیجہ نکالنا ناممکن ہے۔ اونکی نسبت صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ پانچویں صدی قبل مسیح سے جو کہ فنیشی تابوت کا زمانہ تہا۔ پہلے کی ہیں اور کہ تیسری صدی قبل مسیح سے جس میں نسبتاً زیادہ کامل یونانی تابوت تیار ہوتے تہے بعد کی نہیں ہیں۔

لیکن سب سے اچنبھے کی چیز ابہی باقی تہی۔ مغربی طرف کے حجرہ میں ایک شاندار تابوت سفید سنگ مرمر کا معہ تین اور تابوتوں کے دستیاب ہوا۔ ان میں سے ہر ایک ایسا بیش قیمت ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بہی اشیاء قدیمہ کے متلاشی کو ملجاتا تو اوسی مدت العمر کے لئے فارغ البالی ہو جاتی۔ یہ تابوت ۱۰ فیٹ لمبا اور چار فیٹ آٹھ انچ اونچا ہے اور اوسکا ڈھکنا تقریباً تین فیٹ بلند ہے۔ اسکا نام اسکندر فیلقوس[2] کا تابوت رکھا گیا ہے اور غالباً عرصہ دراز تک اسی نام سے پکارا جاتا رہیگا۔ گو اس دعوی کی تائید میں ایک بہی ایسی دلیل نہیں پیش کیگئی جو تحقیق پر قائم رہ سکے۔ اس کی ایک طرف شکار کا نظارہ دکہایا گیا ہے۔ اور دوسری طرف لڑائی کا جو یونانیوں اور وحشیوں میں ہو رہی ہے۔ وحشیوں سے غالباً ایرانی مراد ہیں۔ یونانی

---

[1] لیسیا ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل کے ایک حصہ کا پرانا نام تہا۔ مترجم

[2] اسی تابوت کا تماشہ زرین لوحہ گستان سے جو عہد حکومت سلطان عبدالحمید میں تحریر ذکر کیا ہے۔ مترجم

برہنہ بدن یا تنگ دامن قمیصوں اور مغدودی شکل کی خوبنا ٹوپیوں سے اور ایرانی چست پاجاموں اور کوٹوں سے جو سر اور ٹھوڑی کو بھی ڈھانپے ہوئے ہیں بآسانی تمیز ہو سکتے ہیں۔ گھوڑوں کے ساز و سامان کی بھی آسانی کے ساتھہ شناخت ہو سکتی ہے کہ یہہ ایرانیوں کے ہیں اور یہہ یونانیوں کے۔

مجھہ افسوس ہے کہ اس تابوت کو اسکندر[۱] اعظم کا تابوت کیوں ظاہر کیا گیا ہے۔ بلحاظ صناعی و دستکاری وہ بیشک نہایت عجیب اور نادر شی ہے۔ مگر تاریخی شہادت قیاس مذکورہ کی صریح مخالف ہے۔ زیادہ توضیح کرنے کی یہاں کوئی حاجت نہ دیکھہ کر یہی بتلانے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اسکندر بابل میں فوت ہوا تھا۔ جہاں سے اوسکی لاش پہلے مصر کے قدیم دار الخلافہ ممفس کو (جو قاہرہ سے بجانب جنوب دس میل کے فاصلہ پر اب ویران پڑا ہے۔ مترجم) اور پھر اسکندریہ کو پہونچائی گئی تھی۔ اور وہیں قیصر آگسٹس[۲] نے اوسکی قبر کو اسکندریہ ہی میں دیکھا تھا۔ اور اب تک کسی شخص نے بیان نہیں کیا کہ اوس نے اسکندر کی قبر کسی اور جگہ دیکھی تھی۔ روایت ہے کہ کالی گولا اسکندر کے تابوت سے اوسکی زرہ بکتر خود پہننے کے لئے اپنے ساتھہ روضۃ الکبری کو لے گیا تھا۔ اوسوقت اسکندر کی قبر اسکندریہ میں تھی۔ اور کسی نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ وہ صیدا میں تھی۔ تابوت پر ایک سوار کی شکل ہے جس کے سر پر شیر کی کھال پڑی ہے۔ اسی اسبات کا یقینی ثبوت سمجھا گیا ہے کہ یہہ تصویر اسکندر کی ہے۔ مگر اسکندر ہی ایک ایسا بادشاہ نہیں جسکی سر کی پوشاک شیر کی کھال بنائی گئی ہے۔

علاوہ بریں اگر اس تابوت کی نسبت یہی فرض کر لیا جائے کہ وہ اسکندر کے لئے بنایا گیا تھا تو کیا کوئی مصور اور دستکار جسکی عقل سجا ہو۔ بادشاہ کو مرقع کے ایک کونے میں بناتا اور اوسکی تمیز کے لئے کوئی نشان شاہی نہ دیتا۔ مزید براں کیا وہ تابوت پر ایسے مرقع نقش کرتا جن میں ایرانی مغلوب ہونیکی بجائے فاتح دکھائی دیتے ہوں؟ اس کو کلائی[۳]ٹس کا تابوت کہنا بھی اسی طرح بالکل بے بنیاد ہے۔ اخبارات میں اسکندر اور مصر کی مشہور حسین اور عشوہ فروش ملکہ (کلیوپیٹرا کی اصلی قبر دونکی برآمد ہونے کی جو خبر شایع ہوئی تھی وہ محض اخباری

---

[۱] اسکندر ۳۵۶ قبل مسیح بمقام پلا پیدا ہوا۔ اور ۳۲۳ قبل مسیح میں بمقام بابل فوت ہوا۔ مترجم

[۲] قیصر آگسٹس کالی گولا ۱۲ء مسیحی میں پیدا اور ۴۱ء میں فوت ہوا۔ چار برس کی حکومت کے بعد رعایا کے ہاتھہ سے جو اس کے جبر و ستم سے تنگ آ گئی تھی ہلاک ہوا۔ وہ اول درجہ کا بدمعاش۔ ظالم۔ اور بدطینت تھا۔ علانیہ اپنی بیٹیوں کے ساتھہ سیہ کاری کرتا تھا۔ اور رعایا کی مصیبتوں پر بہت خوش ہوا کرتا تھا۔ اوس کا بیان تھا کہ کاشکہ قوم کا ایک سر ہوتا اور میں اوسے ایک وار سے قلم کر دیتا۔ اوس نے شراب خانے اور زناخانے بکثرت قائم کئے اور لوگوں سے اپنی عبادت کرائی۔ مترجم۔

[۳] اسکندر اعظم کا دوست اور برادر رضاعی تھا۔ اوسنے ایک لڑائی میں اسکندر کی جان بچائی تھی۔ مگر ایکدفعہ مدہوشی کی حالت میں جبکہ اسکندر مخمور تھا اسبات سے

دمہو کہ تہا۔ اسکندریہ میں اسکی نسبت کسی کو علم نہیں۔ اس بات کا مجھے ہز اکسلنسی طغرانی پاشا نے بزبان خود
یقین دلایا تہا۔ پہر ان دعووں کی بجائے خفیف سی لا علمی "بالا ادری" سے کیوں کام نہیں لیا جاتا اور یہہ
تسلیم نہیں کیا جاتا کہ تابنیت والدہ ایشموننظر شاہ صیدا کے سوائے اب تک اون لوگوں کا کوئی پتہ نہیں
ملا۔ جو اس اور دیگر خوبصورت تابوتوں میں مدفون تہے۔ سر دست اونکی نسبت یہی تسلیم کرنا کافی ہے کہ ہر ایک
تابوت اپنی اپنی طرز میں کمال خوبصورت اور تاریخی پہلو سے نہایت دلچسپ ہے۔

لیکن اس بارہ میں بہی بہت احتیاط درکار ہے۔ ان یادگاروں کو اگرچہ وہ ایک ہی جگہ سے برآمد
ہوئی ہیں۔ ایک ہی زمانہ کی یا مقام مذکور کے فنیشی باشندوں کی دستکاری کے نمونے نہیں سمجہنا چاہئے۔
شاہ تابنیت کے مصری تابوت سے واضح ہو رہا ہے کہ فنیشیا کے متمول شاہزادے اور تجار اپنے
تابوت مصر اور دیگر ممالک سے خرید کیا کرتے تہے۔ خواہ وہ تابوت پہلے استعمال میں ہی آ چکے ہوں۔ یہی وجہ
ہے کہ ایک ہی جگہ سے مصر۔ یونان اور لیسیا کی صنعت و ساخت کی یادگاریں برآمد ہوئی ہیں۔ یونانی
دستکاری کے نمونے اپنی قسم کی نہایت کامل صنعتیں ہیں گو ابہی وہ ایسے زمانہ کی نہیں ہیں جبکہ یونان
میں فنون و صنعت معراج پر پہونچے ہوئے تہے۔ تابوت موسومہ نوحہ خوانی کو پہلی نظر دیکہنے پر جس پر
ایک نوحہ خوان عورت رنج و غم کے مختلف اوضاع میں دکہائی گئی ہے۔ انسان پر بیشک رقت طاری
ہو جاتی ہے۔ مگر تہوڑی دیر کے بعد یہہ کیفیت نہیں رہجاتی اور معلوم ہو جاتا ہے کہ مصور کی قوت متخیلہ
کوئی اعلیٰ درجہ کی نہیں تہی۔ اس تابوت کے نقش و نگار میں ویسی سادگی نہیں جو اوس سے پہلے زمانہ
کے تابوتوں کے مرقعوں میں پائی جاتی ہے۔ آخر الذکر قسم کے ایک تابوت پر یہہ حسرت افزا اور موثر
مرقع ہے کہ قریب المرگ آخری دفعہ بیوی اور بچوں سے مصافحہ کر رہا اور اپنے کتے کی طرف یاس بہری
نگاہ سے تک رہا ہے۔ تابوت نوحہ خوانان میں ایک ہی عورت مختلف پیرایوں میں جو انسان کے قیاس
میں آسکتے ہیں دکہائی گئی ہے۔ اور اوسکی صورت سے یہہ ٹپکتا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبان حال سے ناظر کو
کہہ رہی ہے "دیکہو میں کس طرح چلا رہی اور نوحہ کر رہی ہوں"۔ اس حرمان نصیب عورت کے تمام اپنے
اور اوضاع و انداز اوس حسرت بہری نگاہ کے سامنے جس سے متوفی اپنے وفادار کتے کو اور کتا آقا
کو دیکہہ رہا کچہہ حقیقت نہیں رکہتے۔ ان نگاہوں میں ایسا جادو ہے جو انسان کو بے قابو کئے دیتا ہے۔
سکندر کا مفروضہ تابوت اوسی شکل اور قطع کا ہے جیسا کہ فگر کا تابوت۔ البتہ یہہ فرق ہے کہ وہ

آخرالذکر سے جسکو میں نے وانیا میں دیکھا تھا نسبتاً بہتر حالت میں ہے۔ لیکن تصویرونکی اس قدر بھرمار ہے
کہ وہ سادگی اور صوفیانہ جلال و تمکنت جو یونان کی اعلیٰ درجہ کی دستکاری میں پایا جاتا ہے نہیں رہی۔
وہ اسکندر اور اسکندر کے زمانہ سے بعد کی ساخت معلوم ہوتا ہے۔ اوس میں رقت انگیزی اور نازک
خیالی تو موجود ہے۔ لیکن یونان کی بہترین سنگین مورتونکی سی جلال آمیز سادگی مفقود ہے لیسن تابوت
لیسن صنعت کاری کا شاندار نمونہ ہے اور اون لیسی تابوتوں سے جو برٹش عجائب خانہ میں ہیں تکمیل و آرائش
میں بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ تابوت حاکم صوبہ اول اول تو نامکمل سا اور کسی قدر بھدا معلوم ہوتا ہے۔ مگر تھوڑے
سے غور کے بعد اوسکی خوبیاں ایسی عیاں ہوجاتی ہیں کہ سب سے بڑھکر وہی یونانی بت تراشی کے اُلٹ بھگ
پایا جاتا ہے۔ ان نو برآمد شدہ عجائبات کی طرف انگریز شائقین اشیاء قدیمہ نے اب تک کوئی توجہ نہیں کی
میرا خیال ہے کہ اون کا اب پہلی مرتبہ (یعنی میری قلم سے) ایک انگریزی[1] رسالہ میں ایسا ذکر ہوا ہے۔ جسے
فی الواقع تذکرہ کہا جاسکتا ہے۔ اب یہہ اون لوگوں کا کام ہے جو یونانی بت تراشی کے شوقین ہیں کہ وہ انکی
کی تاریخیں مقرر کرکے قسطنطنیہ پہونچیں اور وہاں بچشم خود معاینہ کرکے ان تابوتوں کی نسبت اپنی رائے
قائم کریں۔ لیکن یہہ میں پہلے سے کہے دیتا ہوں کہ ان مبصروں کی قطعی رائے خواہ کچھہ قرار پائے۔ ان میں سے
ہر ایک اس بادشاہ کی عظمت کو تسلیم اور حمدی بک کے استقلال کا جسکو ہر طرف سے بیشمار مشکلات
احاطہ کئے ہوئے تہیں مگر وہ آخر سب پر غالب آگیا اعتراف کریگا۔ یہہ تابوت خواہ کن لوگوں کے ہوں۔
اس میں کلام نہیں کہ ان سے اول ترکی مبصر اشیاء قدیمہ یعنی حمدی بک اور اوسکے بیدار مغز مربی
سلطان عبدالحمید کا نام نامی ہمیشہ کے لئے علمی دنیا کی لوح پر ثبت ہوگیا ہے۔

نئے عجائب خانہ کی پہلی منزل کے فرش پر اور بھی کئی یادگاریں رکھی ہوئی ہیں جن میں سے اکثر
قبروں اور تابوتوں کے متعلق ہیں۔ کئی ابھی باہر پڑی ہیں کہ جوں جوں گنجایش نکلتی آئے۔ اندر رکھی جائیں
ان میں سے ایک قدیم لیسین قبر ہے۔ دوسری منزل میں وہ عجائبات قدیمہ ہیں جو شلیمن اور دیگر علما اسکولوں نے
ترکی گورنمنٹ کے نذر کئے تہے۔ ان میں کئی قدیم بابلی۔ اقادی اور مفروضہ ہٹی کی طرز املا کے کتبے ہیں
یہہ جس وقت سلیقہ دار رکھے گئے اور ہر ایک پر باقاعدہ چٹیں لگ گئیں تو اس فن کے مبصروں کو اون سے
بہت مدد ملے گی۔ ان تمام نوادرات کو ہر شخص معائنہ کرسکتا ہے۔ اور جو شوقین بغرض استفادہ اون کو

---

[1] یہہ خط پروفیسر سکیس ہوولنے پہلے لندن کے رسالہ "ہیو ریویو" میں شایع کیا تہا۔ مترجم

دیکھنے جائے حمدی بک اور اوس کا بھائی دونوں اوسکی سچی تر کی خوش اخلاقی سے تواضع اور اوس کو علمی تلاش و مطالعہ میں پوری امداد دینے کے لئے ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔

مرقومہ پروفیسر الیف ہیکس ہولر

۱۲۳۔ بروصہ

ہمیں بروصہ دیکھنے کا بڑا شوق تہا۔ مگر قسطنطنیہ میں ہمیں اتنی چیزیں دیکھنی اور اس قدر کام کرنے پڑے کہ جولائی کے پہلے ہفتہ میں جا کر ہم کو اس شوق کے پورا کرنیکے لئے فرصت ملی۔ خوش نصیبی سے صادق بک ہمارے ساتھ تہا جس کی طفیل ہمیں اس تفریحی سیاحت میں کوئی تکلیف نہ پہونچی۔ محل ہمایون کے پاس کی شکل دیکہتے ہی تمام مشکلیں حل ہو جاتی تہیں۔ البتہ بروصہ کے اوس ہوٹل میں بھی جو بہترین سمجھا جاتا تہا وہ ہماری آسایش کا عمدہ انتظام نہ کرسکا۔ وہاں کی ہر ایک چیز بالخصوص غذا ناقص اور غلیظ تہی صادق اس سیر کا ذکر سن کر بہت خوش ہوا۔ اور جب تک سلطان المعظم کی منظوری حاصل نہ ہوئی بچوں کیسی بے قراری ظاہر کرتا رہا۔ چونکہ ہم نے سلطانی یاور کے ہمراہ جانا تہا۔ ہم نے کوئی "یول تذکرہ" یعنی دستخطی پروانہ راہداری بروصہ جانیکے لئے نہ منگوایا۔ لیکن جب ہم نو بجے کے وقت جہاز پر سوار ہونے کو گہاٹ پر پہونچے تو صادق ابہی تک نہیں آیا ہوا تہا۔ اور ادھر ہمارے پاس کوئی پروانہ نہ تہا جس سے جہاز پر سوار ہونے میں کسی قدر وقت درپیش آئی۔ مگر جس وقت ہمارے لڑکے نے افسران گہاٹ کو یقین دلا دیا کہ ہم انگلزسرار (سفارت انگلشیہ) کے متعلقین میں سے ہیں تو ہم کو جہاز پر جانے کی اجازت دیدی گئی جہازی سفر میں چار گھنٹے صرف ہوئے۔ دن نہایت صاف اور مزیدار تہا گرمی کچھ زیادہ نہ تہی۔ چنانچہ بحری سفر میں بڑی کیفیت رہی۔ ہم نے موداینہ کو جانا تہا۔ یہ چہوٹا سا قصبہ اسی نام کی ایک خلیج کے ساحل پر جو بحیرہ مارمرا سے خشکی میں اندر کو چلی جاتی ہے واقع ہے۔ بحیرہ مذکور میں اس طرح کی کئی خلیجیں ہیں سب سے بڑی خلیج اسمد ہے جس کے دہانہ پر جزایر شہزادگان واقع ہیں۔ خلیج موداینہ میں داخل ہوتے مسافر کو سب سے اول پہاڑیوں کے ڈہلاؤ اور دامنوں کا گہنا سبزہ زار نظر آتا ہے۔ پہاڑیاں بعض بعض مقامات پر لب آب سے ہی شدید ہی اُٹھہ رہی ہیں۔ اس سبزہ زار کے ساتھہ ہی دور فاصلہ پر کوہ اولمپس کی برفانی چوٹیاں بہی دکہائی دیتی ہیں ہم دوپہر کا کہانا جہاز پر ساتھہ لے گئے تہے۔ کیونکہ ایسے سٹیمروں میں

قہوہ کے سوا دیگر سامان کی عمدگی کا یقین نہیں ہوتا۔ صادق بک نے مسافروں میں ہمیں ایک عجیب آدمی دکھاکر کہا کہ وہ ایک طرح کا شعبدہ باز اور نقال ہے قسطنطنیہ میں اوسے سب جانتے ہیں۔ اور اکثر ترک لوگ اوسے اپنے گھروں میں بلاکر اوس کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ وہ اپنے اعضا اور چہرہ کو مروڑ کر جس طرح کی شکل چاہے بنا سکتا ہے کچھہ عرصہ تک ہم اوسے ایک چوہے کے ساتھہ جو اوس نے اپنے رومال کا بناکر اپنے بازو پر بٹھایا ہوا تھا۔ اس طرح سے کھیلتا دیکھتے رہے کہ گویا وہ چوہا فی الحقیقت زندہ جانور ہے۔ دوسرے دن بروصہ میں جب وہ ہمارے ہوٹل کے پاس سے گذرا تو ہم جھروکہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اوس نے ہمیں پہچان لیا اور بازار میں کھڑا ہوکر ناچنے اور عجیب و غریب شکلیں بنانے لگ گیا۔

موادانیہ پہونچنے پر ہم نے گھوڑے گاڑی پر بروصہ جانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ٹرین کی روانگی میں ابھی کچھہ دیر تھی۔ گرمی بہت تیز ہوگئی ہوئی تھی۔ ادھر ساحل سے کچھہ دور جاکر ہمیں ایک ڈھلوان بے شجر گرد آلود سڑک پر چڑھنا پڑا۔ لیکن یہہ غنیمت تھا کہ پچھلی طرف خوبصورت نظارے برلب خلیج درخشاں دھوپ میں خوب چمک رہے تھے۔ آخر جب ہم بلندی کی چوٹی کے قریب پہونچے تو شہتوت کے گھنے جھنڈوں کا سایہ آگیا۔ چوٹی سے گذرتے ہی بروصہ کا عجیب و غریب میدان نظر آنے لگ گیا۔ دریائے نیلوفر اوسکے کنارہ کنارہ بہہ رہا تھا۔ اولمپس کی برفانی چوٹیاں اوسکی پشت پر کھڑی تھیں۔ اور بروصہ کی سفید فصیلیں۔ مساجد اور مکانات کوہ مذکور کے دامن میں گھنی سبزی میں سے چمک رہے تھے جتنی سبزی اس جگہ ہے اوس قدر کہیں اور جگہ شاید ہی ہوگی۔ یہاں کی ہوا ایسی صاف و شفاف ہے کہ ہم نے خیال کیا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ میں ہم منزل مقصود پر پہونچ جائیں گے۔ حالانکہ ہم ابھی تک نصف راہ کے پڑاؤ سے بہی بہت دور تھے۔ چوٹی سے نیلوفر کی اترائی بڑی سیدھی ہے۔ اودھر گرمی نے بہت ستا رکھا تھا۔ جب پڑاؤ آیا تو ہم نے لاکھہ لاکھہ شکر کیا۔ وہ شمشاد کے درختوں کے جھنڈ میں نالہ کے کنارہ پر بنا ہوا ہے۔ موسم سرما اور اوائل بہار میں یہہ دریا بہت زور سے بہتا ہے۔ یہاں سے لیکر بروصہ تک سڑک کی دونوں طرف کل اراضی زیر کاشت اور نہایت زرخیز ہے اوسی شام ہم نے شہر میں تھوڑی دیر سیر کی جس پر ہمیں معلوم ہوگیا کہ وہ سلسلہ کوہ اولمپس کی تین شاخوں پر آباد ہے۔ یہہ عمیق گھاٹیاں جن پر اوپر نیچے دونوں جگہ پل بنے ہوئے ہیں۔ ان شاخوں کو

ایک دوسرے سے جدا کر رہی ہیں۔ درمیانی آبادی شہر کا قدیم ترین حصہ ہے۔ اوس کے بلند ترین مقام پر قلعہ بنا ہوا ہے۔ عثمان و ارخان کی قبریں اور عثمانلی سلاطین کا قدیم محلسرا بہی اسی موقع پر ہے آبادی مذکور کے نشیبی حصہ میں کلاں مسجد اور بازار ہیں۔

مشہور سبز مسجد اور محمد اول کی تربت جو بروصہ کا در شہوار شمار ہوتی ہے مشرقی شاخ میں جسے گوک صو (آب نیلی) درمیانی شاخ سے جدا کرتا ہے۔ واقع ہیں۔ مغربی شاخ "قبور سلاطین" کے لئے مشہور ہے۔ بروصہ جسکا نام اوسوقت پروسہ تہا۔ پہلے صوبہ بتھنیا کا دار الخلافہ تہا۔ جسے آخری تھینین بادشاہ نے رومن فاتحین کے حوالہ کر دیا تہا۔ پلینی خورد پروسہ کا گورنر تہا۔ اوس کے زمانہ میں یہہ بڑا آباد اور بارونق شہر تہا اوسوقت کئی گرم حمام۔ یونیورسٹی اور کتب خانہ وہاں موجود تہے۔ سالہائے دراز تک کبھی اوس پر عیسائی اور کبھی مسلمان قابض ہوتے رہے۔ آخر ۱۳۲۶ء میں دوم عثمانی سلطان، ارخان نے اوسے قطعی طور پر فتح کرلیا اور اوسوقت سے وہ عثمانلی سلاطین کا مقام رہائش اور اونکی سلطنت کا دار الخلافہ بن گیا۔ درمیانی شاخ پر رومن عمارتوں کے جابجا آثار باقی ہیں اور بائی زنطینی فصیل کے ٹکڑے کئی جگہ اب تک صحیح سالم کہڑے ہیں۔

دوسرے دن ہم علی الصباح بیدار ہوکر ہوٹل سے باہر نکل گئے۔ کیونکہ بروصہ میں بیشمار مسجدیں اور مقبرے ہیں۔ اور وہاں کی نسبت عام مشہور ہے کہ سال بہر کے دنوں میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا مسجد اور جدا جدا سیرگاہ ہے۔ کلاں مسجد ٹھیک مربع شکل کی ہے۔ اوس کا نقشہ ابتدائی زمانہ کی مساجد کے مطابق اور قسطنطنیہ کی مساجد سے بہت مختلف ہے جو تقریبًا سب کی سب ایا صوفیا کے نمونہ پر ہیں۔ مسجد کلاں کے پانچ دروازے ہیں صحن کے وسط میں ایک کشادہ میدان بے سقف ہے تاکہ حوض پر دہوپ پڑتی رہے۔ منبر کے ماسوائے جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار اور بیل بوٹے ہیں باقی تمام مسجد قسطنطنیہ کی مسجدوں کے مقابلہ پر ہمیں بہت ہی سادہ نظر آئی۔ مگر جب سبز مسجد میں داخل ہوے تو ہم تعجب و حیرت سے دم بخود رہ گئے۔ اسے ۱۴۲۴ء میں سلطان محمد اول نے تعمیر کرایا تہا۔ اندرونی دیواریں از سرتا پا پرانی وضع کی نہایت ہی خوبصورت میناکاری اور پچی کاری سے ڈہنپی ہوئی ہیں۔ جو زیادہ تر سبز رنگ کی ہیں۔ مسجد کا ایک پہلو اور دروازے بیل بوٹے دار سفید سنگ مرمر کے ہیں۔ پہلے اسکے دو مینار بہی تہے جن پر چوٹی سے لیکر پاؤں تک پچی کاری تہی۔ یہہ ۱۸۵۵ء کے مہیب زلزلہ میں جن سے

شہر کا حصہ کثیر منہدم اور ایک ہزار سے زیادہ آدمی ہلاک ہوئے تہے گر گئے۔ اس مسجد کے سامنے برصہ کی خوبصورت وادی دور تک پہیلی چلی گئی ہے۔ اور اوس کے قریب ہی سلطان محمدؒ اول کا مقبرہ ہے۔ جو سارے شہر کا گوہر یکتا تصور ہوتا ہے۔ کسی زمانہ میں وہ اندر باہر دونوں طرف سے پچی کاری سے ڈہنپا ہوا تہا۔ بیرونی پچی کاری متذکرہ بالا زلزلہ میں گر گئی جسکے عوض وافق پاشا نے سبز کہپریلیں لگوا دیں۔ پاشا موصوف نے اپنی گورنری کے زمانہ میں شہر کی بہت کچہ رونق بڑہا دی تہی۔ اس مسجد کے اندرونی حصہ کی پچی کاری کی جو زیادہ تر بیل بوٹوں کی شکل میں ہے خوبصورتی کو بیان کرنا انسان کی حیطۂ اقتدار سے باہر ہے۔

وافق پاشا ہماری سیر سے ماقبل کے سال (۱۸۹۳ء) میں فوت ہوئے تہے۔ وہ نہایت بیدار مغز اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تہے۔ ہم نے اونکی بے نظیر کتب خانہ کا روہیلی حصار میں معاینہ کیا تہا جب ہم ٹرکی میں تہے اوسوقت یہہ کتب خانہ فروخت کیلئے رکہا ہوا تہا۔ صادق بک نے ہمارے اوس کتب خانہ کو دیکہنے کا انتظام کیا اور ایک مہمیہر اوسکے ہمراہ جاکر ہم روہیلی حصار میں جہاز سے خشکی پر اترے۔ اور اس چہوٹے سے قصبہ کے ڈہلوان بازاروں پر چڑہنا شروع کیا۔ یہہ بازار ایسے ڈہلدار ہیں کہ چلنے والوں کی آسانی کے لئے ان میں سیڑہیاں بنی ہوئی ہیں۔ وافق پاشا کے مکان کی چار دیواری ہم نے بلندی کی عین چوٹی پر پائی۔ ہماری کہٹکہٹانے پر دیوار کے دروازہ کا ایک دروازہ کہول دیا گیا اور اندر داخل ہونے پر ہم نے اپنے تئیں ایک باغ میں پایا جسے گلاب کے پہولوں کا انبار کہنا زیادہ بجا ہو سکتا ہے۔ کئی نوکر ہمارے استقبال کیلئے دست بستہ کہڑے تہے۔ ٹرکی میں ملازموں کے لئے کہڑا ہونے کا یہی درست انداز ہے۔ کُنہ اسکی یہہ ہے کہ فی الفور معلوم ہو جائے کہ اون کے ہاتہ میں کوئی ہتہیار نہیں ہے۔ وہ ہم کو مکان کی طرف لیگئے۔ مکان لمبا اور بلندی میں درمیانہ تہا۔ کتب خانہ اوس کے سب سے بڑے کمرہ میں تہا جس کو اوس کے مرحوم مالک نے بڑی احتیاط اور محنت سے جمع کیا تہا۔ اوس میں انگریزی اور فرانسیسی کتابوں کے بہت سے نایاب پہلے ایڈیشن تہے جن میں سے

سلہ روہیلی حصار باسفرس کے تنگ ترین موقع پر واقع ہے۔ روایت ہے کہ کیخسرو شاہ ایران اسی موقع پر باسفرس کو عبور کرکے یورپ میں داخل ہوا تہا۔ قلعہ مذکور محمدؐ فاتح نے عین محاصرہ قسطنطنیہ سے پہلے تعمیر کروایا تہا۔ اس کی چاردیواری اس طرح سے بنائی گئی ہے کہ اوس سے عربی خط میں بانی کا نام (یعنی محمدؐ) بنگیا ہے ہر م کی جگہ برج بنا ہوا ہے۔ اور کل عمارت ایسی خوبصورت اور دلفریب ہے کہ الفاظ اوس کی تعریف سے قاصر ہیں۔ مصنف۔

اکثر پرانی مستند کتابیں تھیں۔ ان کے علاوہ متعدد گرامر (قواعد) اور ڈکشنریاں (لغاتیں) اور چند
بے نظیر قلمی نسخے بھی تھے۔ خوبصورت ظروف چینی۔ مینا کار کھپریلیں اور بہت سی دیگر عجائبات بھی کمرہ
میں ادہر اُدہر رکھے ہوئے تھے۔ سب چیزیں فروختنی تھیں۔ نوکروں نے ذکر کیا کہ ایک امریکن نے کل مجموعہ
کے لئے بہت بڑی رقم پیش کی تھی۔ مگر وارثوں نے اوسے منظور نہ کیا اور ایسا اچھا موقعہ ہاتھ سے کھو
دیا۔ ہمارے چلے آنے سے بھی کئی مہینے بعد تک نیلام جاری رہا ۔ اور تھوڑی تھوڑی کتابیں کر کے بیچی
جاتی رہیں۔ اور جب عرصہ دراز کے بعد کل مجموعہ فروخت ہوا تو سارا زرثمن امریکن کی پیش کردہ رقم سے
بہت کم نکلا۔ ہمارے بیٹے نے بھی ایک نایاب کتاب بہت ہی سستے داموں پر خرید کی۔ مگر اس قصہ کو
یہیں چھوڑ کر ہم بروصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اوس دن ہم نے صرف ایک اور مسجد یعنی بایزید اول کی مسجد اور مقبرہ دیکھا۔ یہہ دونوں عمارتیں
ایک ٹیلہ پر باقی سب عمارتوں سے علیحدہ یکہ وتنہا حالت کس مپرسی میں کھڑی ہیں۔ بایزید یلدرم ۔
(صاعقہ و برق) فاتح یونان۔ سربیا۔ والیشیا و متعدد علاقہ جات ایشیا۔ تیمور شاہ مغلاں سے شکست کھانے
اور اوسکے ہاتھ اسیر ہونے کے بعد یہیں دفن ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تیمور تقریباً آٹھہ مہینوں تک بایزید کو
ساتھہ ساتھہ لئے پھرتا رہا حتی کہ وہ دلی رنج واندوہ سے فوت ہوگیا اور اوسکی لاش بروصہ کو بھیجدی گئی۔ عثمانی
فرمانرواؤں میں سب سے اول بایزید نے ہی سلطان کا لقب اختیار کیا تھا۔

اس مسجد و مقبرہ کے معاینہ کے وقت تک گرمی تیز ہوتے ہوتے ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔
صادق نے مسقف بازاروں میں پناہ لینے کا مشورہ دیا۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور وہاں کوتاہیہ[1] کے ظروف
گلی کے چند دلفریب نمونے معاینہ کئے۔ ان برتنوں کا رنگ و روغن نہایت ہی خوبصورت ہوتا ہے اور
دیکھہ کر طبیعت بے اختیار للچا جاتی ہے۔ مگر ساتھہ ہی وہ اس قدر نازک ہوتے ہیں کہ ہم نے زیادہ خریدنے
مناسب نہ سمجھا۔ میں نے جو ایک خوبصورت گلدان خریدا تھا۔ وہ ہوٹل تک پہونچنے سے پہلے ہی چور چور ہوگیا
ہم نے بروصہ کے ریشمی کپڑے اور تولئے خرید کئے۔ وہاں کے تولئے بہترین ترکی تولئے شمار ہوتے ہیں۔
صادق نے بھی اپنے ساتھی یاروں اور دیگر دوستوں کے لئے بہت سے چھوٹے چھوٹے تحفہ تحایف
خرید کئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس کے سوائے کوئی چارہ نہ تھا کہ سورج کی حدت کم ہونے تک

[1] ایشیائے کوچک کا مشہور شہر۔ مترجم

ہلکی سے ہلکی پوشاک پہنو اپنے اپنے کمروں میں آرام کرتے رہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے پر ہم گاڑی میں سوار ہو کر درمیانی قصبہ کے بالائی حصہ کو گئے اور قلعہ کے گرد اگرد چکر کاٹ کر اوس طویل چبوترہ پر پہونچ گئے۔ جسے واثق پاشا نے بنوایا تھا۔ وہاں سے متعدد دلفریب نظارے ہوتے ہیں پائین میں شہر بلند شمشاد۔ سرو اور دیگر بیشمار اقسام کے درختوں کی سبزی سے گھرا ہوا دائیں بائیں پھیلتا چلا گیا ہے۔ اور شہر سے پرے برصہ کی زرخیز وادی دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

عثمان اور اوسکے فرزند ارخاں فاتح برصہ کے مقبرے اس چبوترے کی عقب میں ہیں۔ واثق نے اونکی بھی مرمت کرائی تھی۔ وہ چند ہیا دینے والے سفید سنگ مرمر کے ہیں اور اندر سے استنبول کے مقبروں کی طرح خوبصورت شالوں اور قالینوں سے آراستہ ہیں۔ عثمان کی دستار میں جو اوسکی قبر کے سرہانے آویزاں ہے طبقہ عثمانیہ کا جسے ۱۸۶۲ء میں عبدالعزیز مرحوم نے قایم کیا تھا، مرصع بالماس تمغہ لگا ہوا ہے اور تمغہ کے ساتھ طبقہ مذکور کی اعلیٰ حمایل معہ ستارہ جو بڑے بڑے ہیروں سے بنا ہوا ہے لٹک رہی ہے۔ گو مقبرہ میں ہر وقت ایک چوکیدار موجود رہتا ہے۔ رات کو یہ نشان و حمایل بغرض حفاظت ایک مضبوط حجرہ میں جو زمین میں ہے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ان آرائشوں کا معاینہ کرتے ہوئے ہم نے صادق کو دیکھا کہ وہ چند قدم پرے ہٹ کر مودبانہ وضع سے کھڑا ہو گیا اور اپنے سلطان عظیم کی قبر کے پاس جو پہلا عثمانیہ خلیفہ[۱] تھا کھڑا ہو کر دعا مانگتا رہا۔ بعد ازان ہم مراد ثانی کے مقبرہ کو گئے۔ یہہ سیدہی سادی گنبد دار عمارت ہے اور اوس میں وہ سلطان خواب عدم میں لیٹا ہوا ہے جس نے کئی خونخوار معرکوں میں ہنگری اور البانیا کے جرنیلان اعظم ہنیادا اور سکندر بیگ کو شکستیں دی تہیں اور پہر تخت چہوڑ کر صوبہ میگنیشیا میں چلا گیا تہا۔ جہاں[۲] اوسکی باقی عمر عیش و عشرت میں بسر ہوئی۔ تاہم مرتے وقت اوس نے غریب آدمی کی طرح معمولی کچی قبر میں دفن

[۱] یہہ غلط ہے عثمان ابوالسلاطین اور بانی خاندان عثمانیہ تہے۔ مگر خلیفہ نہ تہے اول عثمانی خلیفہ سلطان سلیم اول ہوا ہے زیادہ توضیع کے لئے دیکھو تاریخ خاندان عثمانیہ۔ مترجم

[۲] مراد ثانی کا بحالت عزلت نشینی فوت ہونا درست نہیں۔ اوس نے دو دفعہ بیشک تاج و تخت کو تیاگ کر اپنے فرزند محمد فاتح کو بادشاہ بنادیا تہا۔ مگر دونوں مرتبہ شاہزادہ کی صغر سنی سے مجبور ہو کر اوسے زمام سلطنت پھر اپنے ہاتھ میں لینی پڑی۔ اور وفات کے وقت تک برابر حکمران رہا۔ مترجم

رکھے جانے کی وصیت کی جس کی تعمیل کیگئی۔ مگر پھر بھی قبر کی سینڈ کے گرداگرد سنگ مرمر لگادیا گیا۔ اور تاکہ اوس پہ بارش اور اور دہوپ پڑتی رہے۔ گنبد کو بیچ سے کہلا رہنے دیا گیا۔ یہہ مقبرہ نہایت ہی پرفضا موقع پہ شہر کے شور و شغب سے بالکل علیحدہ ہے۔ "قبور سلاطین" چار دیواری سے گہری ہوئی ہیں۔ ان کے گرداگرد گلاب کے چمن ہیں۔ اور شمشاد کے اِتنے اِتنے بڑے درخت اون پہ سایہ ڈالے ہوئے ہیں کہ انگلستان میں اُنکی برابر ہم نے شمشاد کا کوئی درخت نہیں دیکھا۔ یہہ قبریں تعداد میں آٹھہ یا دس ہیں اور معمولی اینٹوں یا پتھر کی ہیں۔ لیکن بعض میں ایرانی دستکاری کی خوشنما کھپریلیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ اِن میں سے ایک مراد ثانی کی عیسائی بیوی کی قبر ہے۔ وہ سرویا کی شاہزادی تھی اور سلاطین کی عیسائی حرموں میں سے ایک وہی ایسی تھی جو اپنا آبائی مذہب ترک کر کے مسلمان نہیں ہوئی تھی۔ مشہور و کسلانا (روشنک یا خورم) نے جسکی قبر ہم نے قسطنطنیہ میں دیکہی تھی۔ ابتدا میں ہی اپنا مذہب (کلیسیا یونانی) ترک کر دیا تہا۔ قبور سلاطین کی چار دیواری میں کئی قبریں شعرا۔ فلاسفروں اور درویشوں کی ہیں۔ جو ابتدائی سلاطین کے درباروں میں بمقام بروصہ جمع رہتے تھے۔ شفق کے نمودار ہونے تک ہم اِس خاموش اور پرتاثیر قبرستان میں ٹھہرے رہے۔ پھر ہوٹل واپس جاکر کہانے سے فراغت پانیکے بعد باغ میں جا بیٹھے۔ اور صادق بک ہمارے پاس بیٹھا ہوا نارگیلہ پیتا رہا۔ اوس کے مِلجانے پر سگرٹ یا چرٹ کا نام نہیں لیتا تہا۔

دوسری دِن علی الصباح انگریزی قونصل ہماری ملاقات کو ہوٹل میں آیا اور ہمارے ساتھہ بازار میں گیا جہاں صبح کا سارا پہر ہم نے خرید فروخت میں صرف کیا۔ صادق اِس معاملہ میں بہت ہوشیار ثابت ہوا۔ وہ دوکاندار کو پہلے اوس کے مذہب کی قسم دیکر دریافت کرتا کہ اوس نے خود فلاں چیز کتنے کو خرید کی تہی۔ پہر جیسا مناسب سمجہتا پانچ یا دس فیصدی اوس پر منافع بڑہا دیتا۔ اوسکی امداد سے ہم نے دو فی الواقع نہایت ہی شاندار قالین دو باریک کام کے چاندی کے خنجر سے (جو تقریبًا دو سو برس کے پرانے ہیں اور جنکی نسبت خیال کیا گیا ہے کہ جس شخص کے قبضہ میں ہوں۔ اوسکی دولت و حشمت میں ترقی ہوتی رہتی ہے) دو الماسی مینا کار پنیں (کالر یا ٹائی کو لگانے کی سوئیاں) ایک نہایت خوبصورت ایرانی مینا کار طلائی تشتری قہوہ کی پیالی کے لئے۔ کچھہ مزید ابریشمی کپڑا۔ اور کئی دیگر چیزیں خرید کیں۔ بروصہ کا ریشمی کپڑا جو نہایت نرم اور ہلکا ہوتا ہے بلاد مشرق میں بہت

مشہور ہے۔ ہم نے کئی خوبصورت یونانی لڑکیوں کو جو ریشمی کیڑے پالتی ہیں بڑے بڑے ٹوکرے
کویوں سے بہر کر کاتنے کے کارخانوں کو لیجاتے دیکہا۔ ان کیڑوں کی پرورش اور ریشم کے بنانیکا
کام بالکل یونانیوں کے ہاتہہ میں ہی۔ جب ہم بروصہ میں تہے تو ان دنوں حساب اوسط ایک لاکہہ
کویے یومیہ ارد گرد کے دیہات سے بروصہ لائے جاتے تہے۔ تسکرگاہ میں ہم نے عورتوں کو یہہ
کویے بازار بھیجنے کے لئے کاتتے ہوئے دیکہا۔ وہ سب کہاری اور ریشمی کاچ جس سے قابق جبیوں کی
قمیصیں بنائی جاتی ہیں بروصہ میں ہی بنتی ہے۔

سہ پہر کو ہم پہر قونصل کے ہمراہ سیر کو نکلے اور پہلے سلطان مراد اول کی مسجد کو گئے وہ موضع سکرگاہ[1]
کی سڑک پر ہے۔ یہہ مسجد صرف اس لحاظ سے قابل دید ہے کہ مسجد کی بجائے وہ زیادہ تر عیسائی
راہب خانہ کے مشابہ ہے۔ سوفتاؤں یعنی مذہبی طلبا کے حجرے مسجد کا جزو ہیں اور حسب معمول
صحن سے جدا نہیں بنے ہوئے۔ بنابریں طلبا اپنے حجروں میں ہی بیٹہے جمعہ کی نماز میں شریک ہو سکتے ہیں
اس سلطان کے مقبرہ میں ہم نے بہت بڑی سی دیگ دیکہی۔ وہ ہر وقت غلہ سے پر رہتی ہے۔ اور یہہ
غلہ لوگوں کے پاس فروخت کیا جاتا ہے۔ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تخم کے ساتہہ اگر اس دیگ کے غلہ سے
چند دانے ملا دئیے جائیں تو فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس مسجد کے برآمدہ سے علاقہ کا اچھا نظارہ ہوتا ہے
اس میں سنگ مرمر کا ایک فوارہ ہے جسکی ایک ٹونٹی سے سرد اور دوسری سے گرم پہر اسی طرح سے
ایک سے سرد ایک سے گرم پانی نکلتا ہے۔ قدما کو کئی ایسے چشمے معلوم تہے جن میں سرد اور گرم پانی بالکل
قریب قریب ہوتے تہے۔ ایک ایسا چشمہ ٹرائی میں بہی تہا۔ مگر اب اوس کا نام و نشان تک معدوم ہو گیا
ہے۔ صادق بک نے ذکر کیا کہ پچہلے برس میری بیوی حمام کرنیکے لئے تسکرگاہ آئی تہی۔ اوسکی ماں ساتہہ
تہی جو اس چشمہ کو دیکہہ کر سخت حیران ہوتی تہی۔ اسکے بعد ہم آہن اور گندہک کے مشہور چشموں کو دیکہنے کے لئے
موضع تسکرگاہ کو گئے۔ اور وہاں کی ایک سرائے کی سیر کی۔ مئی کے مہینوں میں وہاں کی سرائیں وجع
مفاصل اور دیگر اعصابی بیماریوں کے مریضوں سے پر ہو جاتی ہیں۔ ان میں نلوں کے ذریعہ سے ان چشموں کا پانی لایا
جاتا ہے۔ یہہ پانی ایک طرح سے خالص گندہک اور آہن ہوتا ہے بعض چشموں کے پانی فہرن ہایٹ تہرما میٹر
کے پیمانہ کے مطابق ۱۷۸ درجہ کی گرمی رکھتے ہیں۔ غالبًا تسکرگاہ ہی وہ جگہ ہے جہاں قیصر جسٹنین نے

[1] تسکر ترکی میں ٹڈی کو کہتے ہیں اور گاہ بمعنی موضع۔

محل اور حمام بنوایا تھا اور قیصرہ تھیوڈورا چار ہزار آدمیوں کے جلوس سے اس حمام اور محل کو گئی تھی۔
ہم نے سب سے مشہور حمام کی سیر کی۔ یہ تقریباً ۳۵۰ برس ہوئے سلطان سلیمان عظیم الشان کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ جنٹلمین مردانہ حماموں میں اور لیڈیز زنانہ میں گئیں۔ کل عمارت پر نہایت ہی خوبصورت و سبک طرز اور شوخ ترین رنگ کی مینا کاری ہے۔ بیرونی کمرہ میں بدیع الجمال ترکی خاتونیں غسل کے بعد رنگ برنگ کے نہایت ہی شاندار ریشمی اور سنہری روپہلی پوشاکیں پہنے دیوانوں پر بیٹھی ہوئی ایک دوسری سے باتیں کر رہی اور ساتھ ہی سگرٹ پی رہی اور قہوہ کی چسکیاں لگا رہی تھیں۔ دوسرے کمرہ میں کئی خاتونیں جو ابھی گرم حمام سے باہر نکلی تھیں۔ برہنہ تن باچشمہائے نیم باز استراحت کر رہی تھیں۔ اس کمرہ اور خاص حمام کے کمرہ میں اس قدر گرمی تھی کہ میں چند لمحوں سے زیادہ وہاں نہ ٹھہر سکی۔ حمام کے کمرہ میں بہت بڑا حوض ہے جس پر اونچا گنبد بنا ہوا ہے۔ اوس کے گرم پانی میں عورتیں ادہر اودہر تیرتی پھرتی تھیں۔ اور اونکی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اونکے جسموں کی چندھیا دینے والی سفیدی کے مقابلہ عجیب سحر بخش کیفیت دکھا رہی تھیں۔ حماموں کے پائین میں اوس جگہ جہانکہ پانی گرتا ہے ہم نے لوہے کا اتنا بڑا انبار دیکھا کہ خاصی چھوٹی سی پہاڑی معلوم ہوتا تھا۔ حمام سے نکلکر ہم گاڑی میں اوس سڑک پر چڑھ گئے جو پہاڑی کے ڈھلاو پر وافق پاشا نے بنوایا تھا۔ اوس سڑک سے دلفریب نظارے ہوتے ہیں۔ ہم تقریباً عین مغرب کے رخ جا کر آخر موضع انگا آیا پہونچ گئے وہاں سے جھیل اپولونیا کا جو موضع مذکور سے بہت نشیب میں ہے اور نیز جنگل کا جو چاروں طرف کئی میلوں تک چلا گیا ہے عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ انگا آیا میں شمشاد کا ایک درخت ہے جو پانچ آدمیوں کے گھیرے میں نہیں آتا۔ ہم کچھ دیر اوسکے نیچے بیٹھ کر شہتوت کھاتے رہے جو گاؤں کے لڑکے ہمارے لئے لے آئے تھے۔ یہاں تک میرا خاوند صرف صادق بک کے ساتھ اکیلا گاڑی پر گیا تھا۔ اوسنے بعد میں مجھ سے ذکر کیا کہ صادق بک کے ساتھ اوسکی اسلام اور عیسویت پر عجب دلچسپ گفتگو ہوئی تھی جس سے معلوم ہو گیا تھا کہ صادق قرآن شریف اور اپنے مذہب کے احکام سے پوری پوری واقفیت اور خبر رکھتا ہے اور اپنے پیغمبر کا جان نثار معتقد ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی تعصب کا نام نہیں جانتا۔
واپسی کے وقت بھی عمدہ تفریح ہوئی۔ پہلے ہم قونصل کے مکان پر گئے۔ وہاں اوس نے کوتاہیہ کے ظروف گلی کا بہت سا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ اوس جگہ ہم نے اوس قواص سے جو قونصل کے ساتھ

بلکہ نوجوان انگریز مسٹر ہیکبلن کی تلاش کرتا رہا تھا بات چیت کی ۔ مسٹر ہیکبلن کوہ اولمپس پر گم ہوا تھا
اس واقعہ کے حالات اکثر لوگوں کو ابھی تک یاد ہونگے ۔ مختصر کیفیت یہہ ہے کہ مسٹر ہیکبلن اور
انگریزی سفارت کا مسٹر ہارڈنگ ملکر پہاڑ پر چڑھے تھے ۔ مگر تقریبًا ایک گھنٹہ بعد چوٹی تک پہونچنے
سے پہلے ہی دونوں جدا ہوگئے ۔ کیونکہ مسٹر ہارڈنگ زیادہ چست و چالاک ہونیکی وجہ سے مسٹر ہیکبلن کی
نسبت زیادہ جلد چڑھہ سکتا تھا ۔ اوس وقت سے بعد پھر ہیکبلن کا پتہ نہیں ملا ۔ قونصل اور غواص دونوں کی
رائے تھی کہ اوسے وحشی البانوی گڈریوں نے جو پہاڑ کی چوٹیوں اور مرغزاروں پر اپنے ریوڑ چراتے رہتے
ہیں قتل کر دیا اور جب ترکی گورنمنٹ نے تلاش شروع کی تو نشان معدوم کرنیکے لئے اوس کی لاش کو
جلا دیا ۔ کل جستجو سے صرف ایک ذرا سا نشان ملا تھا ۔ غواص نے بتایا کہ ایک جگہ مجھے بہت سے قدم ہونکے
کھوج دکھائی دئیے جن سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند آدمیوں میں یہاں ہنگامہ کشتی ہوئی ہے ۔
اوس جگہ کو کھودنے سے مجھے چند انگریزی سکے دستیاب ہوئے ۔ مگر جرم گڈریوں پر ثابت نہ ہو سکا ۔ اب
آئندہ کیلئے لوگوں کو سوچ سمجھہ کر کوہ اولمپس پر چڑھنا چاہئے ۔ ترکی گورنمنٹ محافظت کے لئے کوئی
آدمی ساتھہ نہیں دیتی ۔ مسٹر ہارڈنگ اور ہیکبلن کے ساتھہ کوئی راہبر بھی نہ تھا ۔ دوسری صبح ہم
بروصہ سے ریل پر روانہ ہوگئے ۔ ایک بلا چھت کی کھلی گاڑی ریزرو کرالیگئی تھی ۔ اوس پر مکلف
کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور اوپر سائبان پڑا ہوا تھا جس سے ہماری نظر چاروں طرف کام کر سکتی
تھی ۔ راستہ بڑی عمدگی سے طے ہوا ۔ کھیت لہلہا رہے تھے اور دہقانوں کی جھونپڑیاں جا بجا بنی ہوئی
تھیں مودانیا کی طرف کی اترائی کے وقت راستہ زیتون ۔ انجیر ۔ انگور ۔ اخروٹ ۔ شاہ بلوط ۔ اور سفید
شہتوت کے درختوں کے بیشمار جھنڈوں میں ہو کر گزرتا تھا شہتوت کے درخت ریشمی کیڑوں کی پرورش
کے لئے لگائے جاتے ہیں ۔ قونصل اور ریلوے لائن کا انجنیر مودانیا تک ہمارے ساتھہ آئے ۔ وہاں
انگریزی سفارت کا حفاظتی جہاز ہمارے انتظار میں کھڑا تھا ۔ جہاز کا کپتان ہیگن معہ بیگم جہاز پر موجود تھا
اور ٹھیٹھہ انگریزی طرز کا ناشتہ ہمارے لئے تیار کیا ہوا تھا ۔ اس ناشتہ سے صادق بہت محظوظ ہوا ۔
انگریزی جنگی جہاز کے دیکھنے سے بھی اوسے بڑی خوشی ہوئی ۔ واپسی کا بحری سفر بھی مزے
سے طے ہوا ۔ جہاز گولڈن ہارن کے دہانہ کے قریب لنگر زن ہوا ۔ اور صادق بک وہیں سے
سلطان المعظم کو ہماری واپسی اور اس امر کی اطلاع کرنے کے لئے کہ ہم اس سیاحت سے کمال

محظوظ ہوگئیں۔ اور نیز ہماری طرف سے شکریہ عرض کرنے کیلئے سیدھا محل ہمایون کو روانہ ہوگیا۔

۱۴۔ امام حسن و حسین

دنیا میں بعض ایسی چیزیں ہیں کہ دیکھنے سے پہلے تو خیر وہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہی ہیں مگر دیکھ لینے کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں۔ یہہ امر ہم پر قدیم زمانہ کی افسانہ نما روایتوں سے ہی نہیں بلکہ تاریخ سے بھی واضح ہے کہ بعض اوقات مذہبی خبط ایک قسم کی مجنونانہ وارفتگی ہوجاتا ہے اور چند معتبر مشاہدوں کے بیان موجود ہیں کہ انہوں نے لوگوں کو مذہبی دیوانگی کے جوش میں اپنے جسموں کو خوفناک اذیتیں اور ضربیں پہونچاتے اور دوسروں پر مظالم ناگفتہ توڑتے دیکھا ہے مگر بسا اوقات ان تذکروں کی پوری ماہیت پر غور کرنیکے بغیر ہم سرسری نظر سے انہیں عبور کر جاتے ہیں اور دل ہی دل میں خیال کر لیتے ہیں کہ وحشت کا جبلی خاصہ ہی یہی ہے۔ اور اگر وہ تذکرے نسبتاً زیادہ مہذب اقوام کے متعلق ہوں تو یہہ قیاس کر لیتے ہیں کہ ایسی حرکات بدمستی اور شراب کے نشہ کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔ مگر قسطنطنیہ کے موجودہ باشندوں کو کوئی شخص وحشی نہیں پکار سکتا۔ اور یہہ ظاہر ہے کہ نشہ آور چیزوں کا ہماری نسبت وہاں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ تاہم امامین حسن و حسین کے ماتم کے دنوں میں جو کچھ ہم نے وہاں مشاہدہ کیا اور جو ہر سال محرم کے پہلے دس دنوں میں وہاں ہر ایک شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اُس پر اعتبار کرنا ایسا مشکل ہے کہ انسان اوسکی کیفیت بیان کرنیکی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر یہہ بتا دینا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ترکوں کا اس عجیب و غریب طریق اظہار رنج و ماتم میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ وہ اِسے ناپسند کرتے ہیں لیکن سلطان المعظم اس خیال سے کہ متعصب گنے جائیں اس طریقہ کو بند کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہہ کام زیادہ تر ایرانیوں کا ہے۔

قسطنطنیہ کے ایرانی باشندوں نے ترکی حکومت میں ایک طرح کی خود اپنی حکومت قایم کر رکھی ہے اور وہ ہر سال ان مذہبی مظالم کو مشاہدہ کرنیکے استحقاق سے ہرگز دست بردار نہیں ہونا چاہتے۔ ہمیں اس ماتم کو دیکھنے کے لئے ایرانی سفیر نے مدعو کیا تہا چنانچہ ہم شام کے قریب ایک بڑی خان میں جو مربع شکل کی اور چاروں طرف سے دوکانوں اور مکانات سے گھری ہوئی ہے جا پہونچے۔ وہ خلقت سے کھچا کھچ بھری ہوئی تہی۔ اوسکے صحن میں درخت بھی موجود ہیں۔ تاریکی پڑنے پر مکانات

میں چراغاں کیگئی اور سرا میں بڑی بڑی مشعلیں روشن کیگئیں جن پر زیادہ تر مٹی کا تیل ڈالا جاتا تہا۔ مٹی کے تیل - دہوئیں - موریوں اور انسان کے جسموں اور پسینوں کی بو سے کہلے میدان میں بہی ٹھیرنا سخت مشکل ہو رہا تہا۔ تہوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد باجے کی آواز سنائی دی اور لوگوں نے ایک بڑے جلوس کے لئے راستہ کر دیا۔ اس میں ایک ہزار سے زیادہ مرد اور لڑکے تہے۔ جلوس کے آگے آگے سفید پوش اطفال تہے جن میں سے بعض گہوڑوں پر سوار تہے اور بڑی عمر کے مرد پیچہے بیٹھے اون کو تہامے ہوئے تہے۔ یہہ سب کے سب چیختے چلاتے - اور روتے دہوتے طرح طرح کی حرکتیں کرتے جاتے تہے۔ اس جلوس کے بعد تین اور جماعتیں گذریں۔ سب کی قمیصیں سفید رنگ کی تہیں۔ بعض کے ہاتھ میں تلواریں اور دوسروں کے پاس لوہے کی بہاری بہاری زنجیریں تہیں۔ کل شہر کے ساتھ باری باری یا حسین یا حسین پکارے جاتے تہے۔ پہلی جماعت یا حلقہ والے اپنی چہاتیوں کو پہلے دائیں اور پہر بائیں ہاتہ سے پیٹ رہے تہے۔ دوسری جماعت اپنی زنجیریں ایک طرف سے دوسری طرف ہلاتی ہوئی اس طرح سے موزوں حرکت کرتی ہوئی گذری جس طرح ہمارے ہاں ناچ میں ہوتی ہے۔ تیسری جماعت دو لمبی قطار میں تہی جو ایک دوسرے کے بالمقابل پہلو کی طرف بڑہ رہی تہیں۔ ہر ایک نے بایاں ہاتہ اپنے ہمسایہ کے کمربند میں ڈالا ہوا تہا اور دائیں ہاتہ سے سب کے سب ایک ساتہ تلواریں ہلا رہے تہے۔ ان دونوں قطاروں کے بیچ میں بہت سے آدمی تہے جو امام حسن حسین کی داستان پڑہتے جاتے تہے۔ یہہ کل جلوس آہستہ آہستہ خان کی صحن کے گرداگرد چکر لگا کر پہر اوسی دروازہ سے جس سے داخل ہوا تہا باہر نکل گیا۔

ہم حیران ہو رہے تہے کہ جلوس میں تو کوئی ایسی بات نہیں دیکہی گئی جس سے کچہ خوف معلوم ہو۔ پہر ہمیں کیوں کہا گیا تہا کہ یہاں صرف مضبوط دل کے آدمیوں کو آنا چاہئیے۔ جلوس یہاں سے نکلکر جب تک کسی دوسرے خان کا چکر لگاتا رہا۔ ہم نے نہایت ہی تفرح چاء سے اپنے تئیں تازہ دم کر لیا۔ تہوڑی دیر بعد پہر باجے کی آواز سنائی دی۔ اس مرتبہ وہ زیادہ بلند اور پر جوش تہی۔ اور جو لوگ صحن میں موجود تہے اون کے چہروں پر بہی جوں جوں جلوس خان کے قریب پہونچتا گیا سخت تحریک اور ہلچل کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے گئے۔ جلوس پہر سرا میں داخل ہو گیا۔ مٹی کے تیل کی مشعلیں آگے آگے روشن تہیں مشعلوں کے بعد بدستور سابق خورد سال لڑکے تہے۔ اون کے پیچہے ایک سفید گہوڑے پر دو فاختہ تہیں جن سے امام حسن حسین کی روحیں مراد تہیں۔ ہائے۔ وائے اور حسن حسین کے نعرے بتدریج زیادہ بلند

ہوتے گئے۔ اور کئی تماشائی بھی ان نعروں میں شریک ہوگئے۔ پہلا حلقہ اس ضابطہ سے سینوں
کو ایسی باقاعدگی اور اس زور سے پیٹتا ہوا گذرا کہ یہی معلوم ہوتا تھا جیسے ہتھوڑے سخت پتھر کے
چٹانوں پر گر رہے ہیں۔ دوسری جماعت زنجیروں کو سروں پر سے اپنی پیٹھوں پر جو ایسے ننگی تھیں
ایسی بیدردی سے مارتی ہوئی گذری کہ گوشت پھٹ گیا تھا اور خون کی دھاریں بہ رہی تھیں۔ سب سے
آخر تلواروں والے آئے۔ وہ اپنے تمام جسم بالخصوص سروں پر سچ مچ تلواروں سے ضربیں لگا رہے تھے
خون ان کے بدن سے چاروں طرف اڑ رہا تھا۔ چنانچہ تماشائیوں کو ان چھینٹوں سے بچنے کے لئے
کسی قدر پیچھے ہو جانا پڑا۔ اس حلقہ والوں کی سفید قمیصیں چشم زدن میں لہولہان ہوگئیں۔ سر بعینہ سرخ ٹیکی
ٹوپی کے مشابہ ہو گئے۔ اور فرش پر بھی خون جاری ہو گیا۔ مگر وہ بعالم خود رفتگی اس طرح بڑھے جا رہے تھے
جیسے پیدل فوج غنیم پر۔ تعجب ہے بیہوش ہو کر بہت کم آدمی گرے۔ ایک ماتم کنندہ عین ہماری آنکھوں کے
سامنے مردہ ہو کر گرا۔ آخر کار ایک طرح کی پولیس آ گئی تھی۔ سپاہیوں نے اپنے اپنے سونٹے ماتم کنندگان کے سروں
کے اوپر پھیلا دیئے۔ تاکہ ضربیں سونٹوں پر پڑیں اور کھوپڑیوں کا قیمہ ہو کر وہ مر ہی نہ جائیں۔ کسی پر تشدد
کوئی نہیں کیا جا رہا تھا۔ اور بدمستی و خمار کے آثار مطلقاً نہیں پائے جاتے تھے۔ خلقت کا بیحد ہجوم تھا
مگر بے ترتیبی کا نام نہیں تھا۔ ہم نے کئی معمر کرخت مردوں کو چلاتے سخت اندوہ بھرے آنسو بہاتے
اور آہ سرد امام حسن اور حسین کے نام پکارتے سنا۔ یہ سب لوگ جہاں تک کہ انکی ظاہری شکل شباہت سے
قیاس ہو سکتا تھا۔ ادنیٰ یا ادنیٰ ترین جماعتوں کے لوگ تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے اگر کسی سے رونے چلانے
کا سبب پوچھا جاتا۔ تو غالباً وہ "آہ حسن، آہ حسین" کے سوا اور کوئی جواب نہ دے سکتا۔ یہ درست ہے کہ
اس جلوس میں چند ایسے لوگ بھی تھے جو امام حسن حسین کے واقعات پڑھتے جاتے تھے مگر انکی طرف کوئی شخص متوجہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بلکہ یہ حسن
حسین کے نعروں ہی جو باقاعدگی کے ساتھ باری باری پکارے جا رہے تھے۔ قصہ خوانوں کی آواز سنائی بھی نہیں دے سکتی تھی
کچھ عرصہ کے بعد گرمی اور مختلف بخارات اور بدبوئیں ناقابل برداشت ہو گئیں ہمیں اندیشہ تھا کہ انسانوں کے
اس بحر متلاطم سے جو سب کے سب وحشیوں کی طرح حرکتیں کر رہے اور مہیب خونخوار دکھائی دے رہے تھے
گذر کر سرا سے باہر جانا محال ہوگا۔ راستے بہت تنگ تھے اور ہماری پارٹی میں کئی لیڈیاں بھی تھیں مگر
جونہی لوگوں کی نظر محل سلطانی کے پادری پر جو ہمارے ساتھ تھا پڑتی وہ خود بخود ہمارے لئے راستہ کر دیتے
لندن میں ہزاروں پولیس والے بھی اس قدر جلد راستہ صاف نہ کرا سکتے جیسی جلدی ہمارے پادری چند

قواصوں نے کرا دیا جب ہم نے اس ہجوم کی باسلیقگی کی ایک ترکی دوست سے تعریف کی تو اوس نے مسکرا کر کہا "بات یہہ ہو کہ ہمارے اژدحاموں میں عورتیں نہیں ہوتیں" ہم اہالیان مغرب کو جو دقتیں درپیش آتی ہیں۔ اُن کے زیادہ حصہ کا باعث ایشیائیوں کے نزدیک عورتوں کی موجودگی ہے اور وہ اپنی یہہ رائے بڑے وثوق کے ساتھہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب تک ہم بھی عورتوں کو پردہ میں بند نہ کرینگے ہماری حالت کبھی درست نہ ہوگی۔

اس موقع پر اکثر ناظرین سوال کرینگے کہ یہہ سینکڑوں ہزاروں آدمی کس لئے آنسو بہا رہے اور حسن حسین کا بکا یہہ ہے تھی۔ اسکے متعلق تاریخ ہمیں یہہ بتاتی ہے کہ پنجم خلیفہ امام حسن فرزند فاطمہ (زہرا) و حضرت علی خلیفہ چہارم نے صرف چہہ ماہ خلافت کی۔ اور غالباً بیوی کے زہر دینے سے فوت ہو گئے۔ اور امام حسین کربلا کی لڑائی میں عبید اللہ کی شامی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے سنہ ۶۸ء میں شہید ہوئے سینکڑوں بادشاہ اور شاہزادے بعینہٖ ویسے حالات کی موجودگی میں اس عالم سے رخصت ہوئے ہیں۔ مگر اب ان کے نام تک دنیا کو یاد نہیں اور کوئی شخص اُن پر آنسو نہیں بہاتا۔ امام حسن حسین پر ان آنسوؤں کے بہانے کی اصل وجہ بہت گہری ہے۔ اولاً یہہ وجہ مذہبی ہے۔ باوجودیکہ حضرت سرور کائنات اپنی اُمت کو بار بار بتاتے اور سمجھاتے رہے کہ میں بھی محض تم سا بشر ہوں۔ مجھہ میں اور تم میں بلحاظ بشریت کوئی فرق نہیں" تھوڑا زمانہ گذرا تھا کہ لوگوں کا اونکی بسنبت یہہ اعتقاد ہو گیا کہ خداوند کریم نے اون کو سب چیزوں سے پہلے جبکہ ابھی آسمان و زمین۔ نور و ظلمت۔ آفتاب و ماہتاب یا بہشت و دوزخ بھی موجود نہیں ہوئی تھے پیدا کیا تھا۔ آنحضرت کے وصال کے وقت اونکی اولاد میں سے فقط حضرت فاطمۃ الزہرا زوجہ حضرت علی و مادر امام حسن و حسین زندہ تھیں خوش اعتقادوں نے نبی کریم کی رحلت کے بعد جلد ہی ان چاروں کی پیدائش کو بھی ویسا ہی سمجھہ لیا جیسی کہ آنحضرت کی پیدائش سمجھی گئی تھی۔ بنا بریں اونکا مقابلہ کرنا دنیں ہی کسی کو قتل کرنا سخت گناہ کبیرہ شمار ہوتا تھا۔ اون کے رگ و پے میں حضرت کا خون تھا۔ اور اس مقدس خون کو بہنے سے بڑھکر کوئی سنگین جرم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہہ ہے کہ امام حسن و حسین سے مذہبی تعلق ہونے کی جو دونوں قتل کئے گئے تھے۔ حالانکہ اون کو حضرت سرور کائنات سے خاص قرابت تھی علاوہ بریں امامین کا واقع اس امر سے رقت انگیز بھی ہو جاتا ہے کہ وہ دونوں بعالم جوانی شہید ہوئے۔ اور قومی شعرا اون کو بہت سے اوصاف کا جامع بتاتے ہیں۔ ایران میں مرثیہ خوانی کی مجلسیں ہوتی ہیں جو قسطنطنیہ کے طریق ماتم سے بہت مختلف ہیں۔

سر لوئیس پلی مرحوم نے کئی مرثیوں کا ترجمہ کیا تھا۔ ان مرثیوں میں امام حسن اور بالخصوص امام حسین کو قومی شہید اور ہیرو بتایا گیا ہے اور دنیا میں کوئی خوبی نہیں جو اونکی طرف منسوب کیگئی ہو۔ آخری لڑائی سے جس میں امام حسین شہید ہوئے ایک دن پہلے ہی فریق مخالف نے جب اون کو اطاعت مان لینے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ رات کے وقت اونکی ہمشیرہ روتی ہوئی آئیں اور کہا۔ "افسوس ہمارا خاندان برباد ہو گیا۔ میری ماں فوت ہو چکی ہیں اور نیز میرا والد علی اور میرا بھائی حسن۔ وائے بربادی گذشتہ۔ اور وائے بربادی آئندہ"۔ اس کے جواب میں امام حسین نے فرمایا "بہن خدا پر بھروسہ کرو۔ اور یاد رکھو انسان مرنیکے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ زمین و آسمان بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے ہر ایک چیز سوائے خدا ہی کی ذات پاک کے جس نے اپنی قدرت سے اون کو پیدا کیا اور اپنی قدرت سے اون کو معدوم کریگا صفحہ ہستی سے معدوم اور پھر اوسی کے پاس پلٹ جائیگی۔ میرا باپ میری ماں اور میرا بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ اون کے لئے اور ہمارے لئے اور نیز کل مسلمانوں کیلئے رسول اللہ کی نظیر موجود ہے" اس کے بعد امام ہمام نے اپنے سپاہیوں کو کہا۔ تم چلے جاؤ اور مجھ کو اکیلا چھوڑ دو۔ دشمنوں کو صرف میری ضرورت ہے۔ مگر اون سب نے انکار کر دیا کہ ہم آپ کے ساتھ اپنی جانیں نثار کریں گے۔ اس پر امام گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ قرآن شریف سامنے رکھ لیا۔ اور با آواز بلند پکارا "اے اله العالمین ہر مشکل میں تو ہی میرا بھروسہ اور ہر مصیبت میں تو ہی میری امید ہے" حضرت کی ہمشیرہ اور لڑکی رونے لگ گئیں۔ لیکن امام کا حوصلہ و استقلال برابر مضبوط رہا۔ اسی وقت دشمن کے چند سوار ساتھیوں کو چھوڑ کر امام سے آملے۔ مگر پھر بھی امام کی فوج اعدا کی جمعیت کے مقابلہ پر کچھ حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ امام حسین کے سر کو زخم پہونچا اور وہ اپنے خیمہ کو واپس آگئے۔ خون کی دھار زخم سے جاری تھی۔ وہ زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے معصوم لڑکے کو گود میں لے لیا۔ وہ حضرت کی گود میں ہی تھا کہ تیر کے لگنے سے ملک بقا کو راہی ہو گیا۔ باپ نے اپنے بچے کی لاش کو زمین پر رکھ کر بلند آواز سے کہا "اے اله العالمین مجھ ان مصیبتوں کو برداشت کرنیکی طاقت بخش"۔ پھر وہ پانی پینے کے لئے فرات کی طرف بڑھے۔ اعدا نے تیروں کی بوچھار کی جن میں سے ایک سے دہن مبارک زخمی ہو گیا۔ امام کھڑے ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے۔ خورد سال بھتیجا دوڑ کر چچا کو لپٹ گیا۔ اوس کا ایک ہاتھ تلوار سے کٹ گیا۔ امام یہ دیکھ کر رو پڑے اور کہا "پیارے بچے اس کا اجر تجھ کو اپنے آبا و اجداد کے پاس بہشت میں ملیگا"۔ امام نے گو وہ سخت زخمی

اور خون کے بہنے سے بیہوش ہو رہے تھے۔ اعداء پر شیر کی طرح حملہ کیا۔ وہ جلد شہید ہو گئے اور انکی لاش
دشمن کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندی گئی۔

مندرجہ بالا واقعات تاریخی لحاظ سے ٹھیک ہوں یا نہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر سٹیج پر انکی
نقل اتاری جائے تو دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جائیں۔ مگر یہہ سمجھ میں نہیں آتا
کہ اس قسم کے مشاہدہ کے بغیر ہی جس سے کہ انسان کے دل پر براہ راست اثر پڑ سکتا ہے۔ ان
سینکڑوں درشت مزاج۔ اکھڑ اور وحشی خصائل آدمیوں پر یہہ خود رفتگی کس طرح اور کہاں سے پیدا ہو جاتی
ہے کہ وہ اپنے جسموں کو زد و کوب اور ضربات شمشیر سے زخمی کر کے قریب المرگ ہو جاتے ہیں۔ اور
اودہر ہزارہا دوسری مخلوق بے اختیار رو رہی ہوتی ہے۔ لیکن خواہ ہم اس معمہ کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں
یہہ نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔ اور اکثر سفارتوں کے متعلقین اوس کے مشاہدہ کے لئے
آئے ہوئے تھے۔ جن میں سے بہت تھوڑے ایسے تھے۔ جو اپنی پوشاکوں پر خون کے دھبے نہ لے کر
گھروں کو واپس گئے ہوں۔

ان متذکرہ بالا وجوہات کے علاوہ جو مذہب اور انسانی رقیق القلبی پر مبنی ہیں آنسوؤں کی نہ سہی
کم از کم اس پرجوشی کی ایک اور بہی وجہ ہے جو قومی اختلاف یہہ نہ سہی پولیٹیکل امور پر ضرور مبنی ہے۔ وہ
پولیٹیکل (سیاسی) اس لحاظ سے ہو کہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں سنی و شیعہ میں سے آخر الذکر آنحضرت
کی اولاد و علی شوہر فاطمہ اور انکے فرزندان حسن حسین کو سوائے اور کسی کو جائز خلیفہ تسلیم نہیں کرتے
ابو بکر۔ عمر اور عثمان انکی نگاہوں میں غاصب تھے۔ اور اموی خلفا یعنی جانشینان معاویہ تو جس نے ۶۶۱ سنہ ع
میں امام حسن سے خلافت لی تھی بدرجہ اولی غضب کنندہ تھے۔ یہہ عناد شیعہ اور سنیوں میں اب کے
دم تک موجود ہے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی اب بھی وہ معمولی ہنگاموں اور بلووں کے لئے ہی نہیں بلکہ
اہم پولیٹیکل مشکلات و مصائب کے واسطے کافی بہانہ بن جائے۔

اس پولیٹیکل تفریق میں قومی اختلاف کا بھی کچھہ دخل ہونا امکان میں داخل ہے کیونکہ شیعہ زیادہ تر ایرانی
یعنی آریا نسل کے اور سنی عرب یعنی سامی نسل کے ہیں۔ عربوں کا خاصہ ہے کہ وہ رسم و رواج قواعد و
قانون اور شرع کے پابند با ضابطہ ہوتے ہیں۔ برعکس اسکے ایرانی آزاد منش۔ شاعرانہ مزاج اور فلسفیانہ
طبیعت رکھتے ہیں۔ عربوں نے گو ایرانیوں کو مغلوب کیا تھا۔ تاہم آخر الامر عرصہ دراز تک دماغی تعلیم و

تربیت کے معاملہ میں اپنے فاتحین کے اُستاد اور معلم رہے تھے۔ قسطنطنیہ[1] میں شیعہ وسنی دوش بدوش
اور بظاہر صلح وآشتی سے رہتے ہیں۔ مگر ایرانیوں کو رنجیدہ خاطر کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ وہ نہ فی الفور
برسر فساد ہو جائیں اگر اون کو اس قومی ماتم سے روکدیا جائے۔ تو گو باقی تمام دُنیا اس وحشیانہ دستور
کی موقوفی کو بہت پسند کرے لیکن وہ اسکو اپنی سخت دلآزاری سمجھیں۔ ہر ایک مشاہدہ کنندہ جان
سکتا ہے کہ جب یہہ ہزارہا آدمی چند گھنٹوں کے لئے محض حسن حسین کے نعرے مارنے سے ایسے
خود رفتہ ہو سکتے ہیں تو اگر کبھی اسکے عوض کوئی اور کلمہ جسکا مطلب زیادہ واضح ہو (مثلاً کفار کو مارو۔
وغیرہ) وردزبان ہو جائے۔ تو کیسا کچھہ خطرہ عظیم پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسے خود رفتہ اشخاص کو کوئی چالاک
آدمی آسانی کے ساتھہ قابو میں لاکر قتل عام پر لگا سکتا ہے۔ اور اغلب خیال ہے کہ اوسوقت یہہ لوگ
جطرح حسن حسین پکارتے بازاروں میں لہولہان پڑے رہنے پر یہہ تن تیار ہو جاتے ہیں۔ اوسی طرح بڑی
خوشی سے آخری دم تک لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں اور موت کو سیاہ چشم کنواریوں (حوران
جنت) اور امامین حسن وحسین کے پاس پہونچ جانے کا جو اون کے اعتقاد کے مطابق جنت میں
اون کا انتظار کر رہے ہیں زبردست وسیلہ اور ذریعہ سمجھہ لیں۔

پروفیسر الیف سکیس ہول۔

۱۵- ترکی خاتونیں

جو یورپین لیڈی ترکی کی سیر کو جائے۔ جب تک وہ چند حرم سراوں کا معائنہ نہ کرے وہ اوسجگہ
کے باشندوں کی اصلی معاشرت سے کبھی واقف نہیں ہو سکتی۔ یہہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ
چونکہ ترکی مستورات بیرونی دنیا کو دکھائی نہیں دیتیں۔ اون کو اقتدار بھی کچھہ حاصل نہیں۔ برعکس
اسکے چونکہ وہ اپنا سارا وقت گھروں سے باہر ادہر اودھر پہرنے پہرانے اور سہیلیوں سے اون کے

[1] قسطنطنیہ میں تقریباً ساٹھہ ہزار ایرانی آباد ہیں۔ اکثر دفاتر میں ملازم ہیں۔ بعض تاجر ہیں۔ اکثر کچھہ اور پیشے کرتے
ہیں۔ اور بعض مزدوری سے حیات بسری کرتے ہیں۔ اور گو شہر کے مختلف حصوں میں بود وباش رکھتے ہیں۔ مگر
جہاں اونکی بہت کثرت ہے۔ اس محلہ کو مالدہ خانہ کہتے ہیں۔ ایام محرم میں زیادہ تر اسی محلہ میں دہوم دہام کی مجلسیں ہوتی ہیں
اور نوحہ وبکا کا بازار گرم ہوتا ہے۔ مگر یہاں سینہ وتحت اغذا و دستور بالکل نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے۔ (از سفرنامہ مولوی شبلی)

مکانوں پر جاکر یا اپنے مکان میں ملاقاتیں کرنے پر صرف نہیں کرسکتیں۔ اون کو جوڑ توڑ اور سازشیں کرنیکے لئے بہت وقت ملتا ہے۔ مزید برآں یہہ بھی یاد رکہنا چاہئے کہ ترکی میں رشتوں و ناطوں کا انتظام دونوں طرف سے صرف مستورات ہی کرتی ہیں۔ مردوں کو اس میں کچہہ دخل نہیں ہوتا۔

گو موجودہ سلطان المعظم کی اپنی بیویوں اور کنیزکوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ محض تفریح جسمانی کے کہلونے ہیں اور اپنا سارا وقت اور بہت بیش بہا کپڑے پہننے اور لذیذ کہانوں میں صرف کرتی ہیں۔ لیکن اکثر پاشاؤں کی بیویاں نہایت ذہین و قابل عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی جایداد کے انتظام کی پوری قابلیت رکہتی ہیں۔ اور یہہ تو عام معلوم بات ہے کہ سلاطین کی ماؤوں کو بسااوقات امور سلطنت میں بہت دخل رہا ہے۔ اس وقت ترکی میں تمام نوعمر لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں سلطان المعظم نے اس غرض کے لئے زنانہ مدارس قایم کردیئے ہیں۔ جو بہت عمدہ اور قابل تعریف ہیں۔ لڑکیاں بارہ برس کی عمر تک ان میں تعلیم پاتی ہیں۔ اسکے بعد اون کو یشمق (باریک نقاب) پہنا دیا جاتا ہے اور وہ پردہ میں بیٹھ جاتی ہیں۔ اس عمر تک وہ اپنے باپوں کے ساتھہ سہ پہر کو سیر کے لئے باغوں کو چلی جاتی ہیں اور بیدھڑک مکانوں سے مدرسہ کو جاتی آتی ہیں۔ امرا کی لڑکیوں کے ساتھہ مدرسہ آنے جانے وقت حبشی غلام ہوتا ہے۔ مجہے شاہی حرم سرا کے اندر جانے کی دعوت نہیں دیگئی تہی۔ لیکن (شاہی حرم کے سوا) قسطنطنیہ کی اقامت کے دوران میں مجہے کئی ترکی حرموں میں جانے کا موقع ملا۔

سب سے اول میں ایک جلیل القدر فنیہ کی حرم محترم کو ملنے گئی۔ اس ملاقات کا انتظام اون یورپین افسروں میں سے ایک کی بیوی نے جو ترکی ملازم ہیں کیا تہا۔ اور خود بہی ازراہ شفقت میرے ہمراہ گئی تہی۔ ہم گاڑی پر سوار ہوکر پیرا کے اوس حصہ کو گئے جو گرینڈ رو (جادہ کبیر) سے پرے محل یلدز کے مقابل واقع ہے۔ مگر اوس میں اور محل کی حدود میں ایک عمیق گہاٹی حایل ہے۔ میں نے گاڑی کی سواری کر ہواخوری کرتے وقت اس نواح کے مکانات کی اونچی اونچی دیواروں کو کئی دفعہ دیکہا تہا۔ مگر یہہ کبہی خیال نہ گذرا تہا کہ ان چار دیواریوں میں اکثر وزرا اور اعلی امرا کے حرم نہاں ہیں ہماری گاڑی خود وزیر کے مکان یعنی سلاملق کے پاس سے گذرتی ہوئی سڑک سے نیچے اترکر ایک بلند دروازہ پر جو اونچی دیواروں میں بنا ہوا تہا کہڑی ہوگئی۔ اور ہم اوس میں سے نیچے اترنے ہی لگی تہیں کہ پہاٹک کہل گیا

اور گاڑی پر ہی اندر آجانے کے لئے کہا گیا۔ کیونکہ باغ میں ابھی تک مالی کام کر رہے تھے۔ اس لئے
خاتونان حرم اوس میں نہیں آسکتی تھیں۔ گاڑی باغ سے گذر کر ایک وسیع مربع سفید مکان کے دروازہ
پر رک گئی۔ مکان کی کرسی بہت بلند تھی۔ اس لئے دروازہ تک کئی سیڑھیاں سنگ مرمر کی تھیں
چاروں طرف سے مکان کو حرم سرا کی دیواریں احاطہ کئے ہوئے تھیں جن پر ملیدز کی دیواروں کی
طرح بیلیں نہیں چڑہی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل برہنہ اور سفید اور ایسی بلند تھیں کہ مکان کی بالائی منزل
کے دریچوں سے بھی کچھہ دکہائی نہیں دیسکتا تھا۔ پس خوبصورت گہاس کے تختوں۔ درخشاں
پہولوں کے چمنوں اور باثمر اشجار کے باوجود کل عمارت جیلخانہ کے مشابہ دکہائی دیتی اور معلوم ہوتی تھی
مکان کا دروازہ ایک غلام نے کہولا اور ہم ایک لمبے اور تنگ راستہ میں داخل ہو گئیں۔ وہ درمیانی
ہال کو جو بہت بلند اور وسیع تہا جاتا تہا۔ ہال کے وسط میں فوارہ چہوٹ رہا تہا۔ چوطرفہ گملوں میں
کہجوروں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اور گرداگرد غلام اور کنیزکیں دست بستہ ایستادہ تھیں کنیزکیں
حبشنیں اور سفید رنگ دونوں طرح کی تھیں جو شوخ رنگ کے سوتی پارچات اور سفید پگڑیاں پہنے
ہوئی تھیں۔ غلام سب کے سب سیاہ فام خواجہ سرا تھے۔ جو فراک کوٹ اور فس پہنے تھے۔
ہمیں ایک وسیع و مکلف کمرہ میں جاکر بٹھایا گیا۔ اوس میں ایک شاندار زرد رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا
مگر کتاب یا سامان کشیدہ ودستکاری کا نام ونشان نہ تہا۔ نہ اس امر کے کوئی آثار پائے جاتے تھے۔
کہ یہاں کوئی رہتا ہے اور کسی طرح کا کاروبار ہوتا ہے ہمیں بیٹھے تہوڑی دیر ہوئی تھی کہ پاشا کی حرم
آپہونچی۔ اوسکی پوشاک یورپین طرز کی تھی جسکا رواج قسطنطنیہ میں ایسا عام ہو گیا ہے کہ اب صرف
شاہی حرم سرا میں دیسی طرز کی پوشاک پہنی جاتی ہے۔ خاتون موصوفہ کے ساتھہ اوسکی مہمانی
یعنی وزیر کی ماں بہی تھی۔ آخر الذکر فقط ترکی بول سکتی تھی۔ بنا بریں میری سہیلی تو اُسکے ساتھ ترکی
میں باتیں کرنے لگ گئی۔ اور میں نے وزیر کی بیوی سے فرنچ میں گفتگو شروع کر دی۔ خاتون کا قد درمیانہ
شکل صورت خوشنما۔ اور آنکہیں چمکدار اور بڑی بڑی تھیں۔ اوس نے مجہے بتایا کہ سال میں ایک دفعہ یا زیادہ
سے زیادہ دو دفعہ وہ بند گاڑی میں سوار ہو کر ان مہیب دیواروں سے باہر جاتی ہے۔ اسکے سوائے
چاردیواری سے کبھی باہر نہیں جاتی۔ اوسکو اپنے باغ اور پالتو جانوروں۔ بلیوں اور پرندوں سے
بہت انس تہا۔ اولاد کوئی نہیں رکہتی تھی جس سے ہر وقت اوسے طلاق کا اندیشہ رہتا تہا۔ کیونکہ اب بہت

کم ترک دو دو بیویاں رکھتے ہیں۔ وہ فرنچ زبان کے ناولوں کو بکثرت پڑھتی رہتی تھی اور اسہی پر اسکے ان خیالات اور آرائمی کا دارومدار تھا جو وہ یورپین طرز معاشرت کی نسبت رکھتی تھی۔

باتوں باتوں میں اوس نے مجھسے کہا "ہم تم سے زیادہ خوش ہیں۔ کیونکہ اگر ہمارے خاوندوں کو کسی اور عورت سے دل لگی ہو جائے تو وہ ہماری کنیزکوں میں سے کوئی نہ کوئی ہوگی جن کو ہم بخوبی جانتی ہیں۔ لیکن تمہارے خاوند فرانسیسی ایکٹرسوں (تھیٹر میں ناچنے گانے والی عورتوں) کو ساتھ لئے پھرتی ہیں۔ جن کو تم مطلقاً نہیں جانتیں" کنیزکیں پہلے شیرینی وغیرہ لائیں۔ اور پھر سگرٹ۔ مگر میں نے تمباکو نوشی سے نابلد ہونے کا عذر کر دیا۔ سب سے آخر خوشگوار اور مفرح تہ کی قہوہ لایا گیا۔ قہوہ کی پیالیاں طلائی پیچوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ خاتون موصوف اچھی گویہ اور باجہ نواز ہے۔ اور اسکی دیوار ی تصویر نقشہ عمدہ بناتی ہے۔ دونوں کا اتالیق خود وزیر تھا۔ جو بہت عمدہ صناع اور فنون لطیفہ میں خوب ماہر ہے۔ مگر موسیقی نوازی، مصوری، فرنچ ناولوں اور خوبصورت باغ کے باوجود مجھے یہہ حسرت بخش احساس ہو رہا تھا کہ خاتون موصوفہ بعینہ اوس پرندہ کے مشابہ تھی جو اپنے پروں کو طلائی قفس کی سیخوں سے پھٹپھٹا رہا ہو۔ وہ اتنا زیادہ پڑھ گئی تھی کہ موجودہ حالت پر کبھی قانع نہیں ہو سکتی تھی (یعنی اگر جاہل یا نیم جاہل رہتی تو یہہ بندش ایسی ناگوار نہ معلوم ہوتی)

جب تک ہم کمرہ میں رہیں اوسکے تمام دروازے کھلے رہے اور کنیزکیں اون میں سے اندر باہر آتی جاتی رہیں۔ گویا کہ وہ ہماری مسلسل نگرانی کر رہی تھیں۔ ایک کنیز نے اطلاع دی کہ مالی چلے گئے ہیں جس پر ہم باغ کو جانے ہی لگی تھیں کہ وزیر اور سکا بھائی پہونچ گئے۔ وہ محل سلطانی سے ہماری ملاقات کے لئے جلد واپس چلے آئے تھے۔ ان دونوں کے پہونچنے کے وقت سے اونکی بیویاں بالکل ساکت ہوگئیں۔ اور گو میں نے وزیر کی بیوی کو اوس دلچسپ گفتگو میں جو وزیر اور میرے درمیان ہو رہی تھی شامل کرنے کی کوشش کی۔ مگر قطعاً ناکامیاب ہوئی۔ لیکن بعد میں جب میں نے اس معاملہ پر غور کیا تو مجھے اس سکوت کی کنہ یہہ معلوم ہوئی کہ ہم مساجد۔ و دیگر قابل دید عمارات عجائب خانہ کے قدیم تابوتوں اور قدیم محل سرا کے نوادرات کا ذکر کر رہے تھے جنکو خاتون موصوفہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نہ آیندہ کبھی دیکھ سکتی تھی۔ میں اس ملاقات سے ان دونوں عورتوں کی حالت پر دل میں سخت رحم کھاتی ہوئی واپس آئی۔ وہ مجھے اپنی حالت سی بجز پیغمبر مطمئن اور ناخوش سی معلوم

ہوئیں گو خاوند اونکی کمال ناز برداری کرتے تھے اور جو چیز دولت سے میسر ہوسکتی تھی اونکے لئے موجود تھی
تھراپیا کی اقامت کے دوران میں ایک دن آسٹرین سفیر کی بیوی مجھے منیر پاشا رئیس التشریفات
کی بیوی کی ملاقات کرانیکے لئے لیگئی۔ پاشا موصوف کا مکان باسفرس کے کنارہ پر ہے۔ اور پانی
اوسکی دیواروں سے ٹکرا کر بہتا ہے۔ مکان مذکور کا مردانہ حصہ (سلاملق) ہمیں پہلے دکھایا ہوا تھا۔ حرم اور سلاملق
کے درمیان خوبصورت باغ ہے جس میں مختلف اقسام کے گلاب کے سینکڑوں پودے ہیں۔ حرم کے
گرداگرد چونکہ کوئی چاردیواری نہیں اوسکی تمام کھڑکیاں جالیدار ہیں۔ ان میں سے اندر کی طرف سے باہر کی
چیزیں دکھائی دیسکتی ہیں۔ مگر باہر سے اندر بالکل نگاہ نہیں پڑتی۔ ہم آسٹرین سفارت کی ایک فایق پر
گئیں۔ گھاٹ پر دو یا تین حبشی خواجہ سراؤں نے ہمارا استقبال کیا جن میں سے ایک بہت ہی دراز
قامت تھا۔ اوسے ہم نے کئی مرتبہ پاشا کی خوردسال لڑکی کے ساتھ سٹیمر پر مدرسہ کو جاتے یا واپس
آتے دیکھا تھا۔ ہماری میزبان پہلی منزل کے ایک وسیع کمرہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور چونکہ وہ صرف ترکی
بول سکتی ہے۔ اوس کا بھتیجا[1] جو محل سلطانی میں یاور ہے ترجمان کا کام دینے کے لئے اوس کے پاس
موجود تھا۔ یہ خاتون نہایت قابل اور ہوشیار عورت ہے۔ اور گو اوسے اعلی تعلیم یافتہ نہیں کہا جاسکتا
تاہم اپنے خاوند کے تمام معاملات کے انصرام اور اوسکی جایداد کے انتظام کی پوری قابلیت
رکھتی ہے۔ پاشا موصوف کو خود ان کاموں کیلئے بہت ہی کم فرصت ہوتی ہے۔ اوسکا تقریبا سارا وقت
محل سلطانی میں صرف ہوتا ہے۔ ہم فرانسیسی میں گفتگو کرتی رہیں اور گو ہر ایک بات یاور کی وساطت سے
ہوتی تھی گفتگو ایک لمحہ کے لئے بھی سست نہ پڑی۔ جن حرم سراؤں میں ہم گئیں اون میں صرف یہی
ایسا تھا جہاں ناشتہ وغیرہ سے ہماری تواضع نہ کیگئی۔ ہماری میزبان کی عمر چالیس پچاس کے درمیان
تھی اور وہ اکثر خاتونوں کی طرح مضبوط جسم کی عورت تھی۔ وہ ہلکے اودے رنگ کی ململ کے کپڑے پہنے ہوئی تھی
اور گلے میں بڑے بڑے نیلموں کا ہار پڑا تھا۔ سر کے بال سیاہ اور تازہ ترین فرنچ فیشن کے مطابق جوڑا
کیا ہوا تھا۔ مکان کی قطع اکثر اون مکانوں ایسی تھی جن کے دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا۔ مکان کے بیرونی
دروازہ سے گذرتے ہی دربانی ہال ہے۔ اوس کے دونوں طرف کمرے ہیں اور دروازہ کے مقابل
والے سرے پر اوپر جانے کو خوبصورت فراخ زینہ ہے۔ منیر کی بیوی کی قطع وضع سے مجھے معلوم ہوا کہ

[1] یعنی نجیب بک جو قدیم محلسرا کی سیر کے وقت ہمارے ساتھ تھا۔ مصنفہ۔

وہ اپنے حال میں خوش اور نہایت مصروف عورت ہے۔ اوس نے مجھے بتایا کہ وہ اکثر فایتن پر سوار ہو کر باہر جاتی ہے۔ یہہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ باہر جاتے وقت وہ نقاب اور فرجہ پہن لیتی ہے فرجہ سیدھے سادے لمبے گہیرے دار جبہ کو کہتے ہیں۔ جسے تمام ترکی مخدرات جوان ہوں یا معمر باہر نکلتے وقت کپڑوں کے اوپر اوڑھ لیتی ہیں۔ اس سے تمام جسم گردن سے لیکر پاؤں تک ڈھنپ جاتا ہے عموماً یہہ قیمتی اور خوش رنگ کپڑے کا ہوتا ہے۔ مگر بایں ہمہ اوس کے بھدا پن میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میزبانہ ہم سے کمرہ کے دروازہ سے ہی رخصت ہو گئی۔ ہال میں اسلئے نہ آئی کہ شاید باغ میں کوئی مرد موجود ہو اور اوسکی نظر ہال کے دروازہ سے جو کہلا ہوا تہا۔ اندر پڑتی ہو۔

اس ملاقات سے چند دن بعد حمدی بک عجائب خانۂ قدیم اشیاء کے اعلیٰ مہتمم اور صیدا کے تابوتوں کے دریافت کنندہ نے جو عجائب خانہ مذکور کی زیب و زینت ہیں میری۔ میرے خاوند اور ہمارے لڑکے کی دوپہر کے کہانے کی دعوت کی۔ اوس کا مکان باسفرس کے کنارہ پر ہے۔ مگر مکان اور دریا کے درمیان ایک عام شاہراہ حایل ہے۔ خدام ہمکو سیڑہیوں پر سے بالائی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے۔ جہاں ہمارا میزبان اور اوس کی بیوی بیٹہی ہوئی تہی۔ یہہ کمرہ صنعتی نوادرات مشرقی ساخت کے پیندوں اور مینا کار کھپریلوں کے بے نظیر نمونوں سے پُر تہا۔ حمدی بک کی بیوی فرنچ نسل کی ہے۔ مگر اوسکی پرورش اور تربیت بچپن سے ترکی لڑکیوں کی طرح ہوئی تہی۔ تاہم وہ اپنے خاوند کے دوستوں سے پردہ نہیں کرتی اور کہانے کی میز پر صدرنشین ہوتی ہے۔ تمام مکان کی آرایش یورپین طرز کی ہے۔ چنانچہ اگر اوسکے دریچوں سے باسفرس۔ فایقیں اور دیگر عجیب و غریب شکل کی کشتیاں جو ہر لحظ سامنے سے گذرتی رہتی ہیں دکھائی نہ دیتی ہوں تو انسان کو یہی خیال گذر جائے کہ وہ ترکی میں نہیں بلکہ یورپ کے کسی اور ملک میں بیٹھا ہوا ہے۔ کہانے کیوقت فرنچ زبان میں پرجوش گفتگو ہوتی رہی جس میں خاتون موصوفہ بہی برابر شریک رہی۔ کہانیکے بعد وہ مجھے اپنے گول کمرہ میں لیگئی اور جنٹلمین (مرد) تمباکو نوشی کے لئے مکان کے مردانہ حصہ میں چلے گئے۔ میزبانہ نے باتوں باتوں میں مجھے کہا کہ سفر و سیاحت سے تمہیں بہت ہی لطف و خوشی حاصل ہوتی ہوگی۔ اس پر میں نے دریافت کیا کیا تم کبہی اپنے خاوند کے ہمراہ باہر نہیں گئیں۔ یہہ سنکر وہ سچ مچ ششدر رہ گئی۔ اور جواب دیا کہ یہہ امر بالکل ناممکن ہے میں کبہی پچہواڑے کی سڑک سے ہی اپنے باغ کو جو پہاڑی پر ہے۔ بلا نقاب نہیں گذرتی"

ہمارا صادق بک محل سلطانی کے خوش آیند و دلفریب یادرہے جو ہر جگہ سلطان المعظم کے
حسب الارشاد ہمارے ہمراہ جاتا تھا۔ اس قدر ربط ضبط اور میل جول ہو گیا تھا کہ مجھے اوس کا گھر دیکھنے
کی بڑی خواہش ہو گئی۔ گو اوس نے اس بارہ میں ہم سے کبھی ذکر نہیں کیا تھا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ
اوس کے کس قدر بال بچے ہیں۔ وہ عرب ہے اور ایک دفعہ باتوں باتوں میں اوس نے ذکر کیا تھا کہ اوسکی
بیوی بھی عرب ہے۔ وہ میری اس درخواست سے بہت خوش ہوا۔ اور یہہ قرار پایا کہ میں اوسکی بیوی کو دیکھنے
کے لئے تیسرے پہر آپیا سے پیرا کو جاؤں۔ اوسکا گھر مختصر سا۔ مگر اکثر ترکی گھروں سے بلند اور اس عمودی
پہاڑی کے عین کنارہ پر جو بلدیز کوشک کے مقابل بنا ہوا ہے۔ اس مکان میں بھی بیرونی دروازہ سے اندرونی
حصہ کو تنگ راستہ جاتا ہے جسکی وجہ سے دروازہ سے مکان کے اندر نظر نہیں پڑتی۔ خدام مجھے
پہلی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے۔ وہ بظاہر صادق بک کی نشست گاہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اوسکے
دروازے اور دریچے جالیدار نہ تھے۔ اوس کا سامان آرائش بہت سادہ تھا۔ گو ایک الماری فرنچ
اور جرمن کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ صادق بک نے جرمن برلن میں سیکھی تھی جہاں وہ کچھ عرصہ
رہا تھا اور فرنچ پیرا میں۔ انگریزی بالکل نہیں سمجھتا تھا۔ میں کمرہ میں پہونچی ہی تھی کہ وہ بھی آگیا اور
مجھے اوپر لے گیا۔ زینہ کی چوٹی پر اوسکی بیوی کھڑی تھی۔ وہ نہایت ہی خوبصورت اور درمیانہ قامت
تھی۔ آنکھیں خوشنما۔ اور سیاہ بالوں نے چہرہ زیبا کو اسطرح ہالہ کئے ہوئے تھے کہ گویا سیاہ ابر نے آفتاب کو حلقہ
کئے ہوئے ہیں۔ گلاب کا قدرتی پھول لگائے ہوئی تھی۔ وہ سفید ململ کے کپڑے اور سفید ساٹن کی
پاپوش پہنے ہوئی تھی۔ جامہ کے گھیر اور حاشیہ پر گلابی رنگ کا ریشمی فیتہ لگا ہوا تھا۔ اور سرخ رنگ کا
پٹکا کمر میں پڑا ہوا تھا۔ گلاب کا پھول بھی کمال شوخ ارغوانی رنگ کا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت الماس
اور جواہرات پہنے ہوئے تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ اس ملاقات کے لئے اوس نے بننے سجنے کی پوری کوشش
کی ہے۔ اوسکی نظروں میں میری سیاہ مخملی پوشاک فی الواقع بہت بے حقیقت اور میلی کچیلی دکھائی دی
ہوگی۔ جس کمرہ میں ہم گئے وہ چھوٹا سا تھا اور اوس کے دریچوں میں سر سے پاؤں تک جالی لگی ہوئی
تھی۔ خاتون موصوف نہایت ہی خوش و خرم اور مسرور معلوم ہوتی تھی اور اپنے آقا کو جو اوس کے مقابل بیٹھا
ہوا تھا ایسی محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی تھی جو عشق کے درجہ کو پہونچی ہوئی تھی۔ صادق بک نے
بیٹھتے ہی اس سوال سے گفتگو کو شروع کیا۔ "تمہارا اسکی نسبت کیا خیال ہے؟" میں نے جواب دیا۔

"کل پیرا میں اس سی خوبصورت ایس نے کوئی عورت نہیں دیکھی" میرے اس جواب میں ذرہ بھر مبالغہ
نہ تھا۔

اوس دن گرمی سخت تھی۔ صادق بک نے ایک دریچہ کا جالی دار بستہ نیچے اتار دیا۔ اس پردہ کے
ہٹتے ہی سامنے کی سبز پہاڑی کا خوبصورت نظارہ جسکی چوٹی پر یلدیز محل کی سفید کوٹھکیں اور وہ مسجد ہے
جہاں سلطان المعظم سلاملق کے لئے تشریف لیجاتے ہیں میرے سامنے نمودار ہو گیا اور دائیں طرف
محلہ بشکطاش کے مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے باسفرس کا پانی چمکتا ہوا دکھائی دینے لگ
گیا۔ صادق کی بیوی اوسی وقت اپنی جگہ سے اٹھ کر ایسی جگہ بیٹھ گئی جہاں سے آدمی دریچہ میں سے
آسمان کے سوا اور کچھ نظر نہیں آسکتا تھا۔

بعد ازاں بچے کمرہ میں لائے گئے۔ سب سے بڑی تقریباً آٹھ برس کی عمر کی لڑکی تھی۔ جس کے
کپڑے اور ٹوپی عجیب غریب شکل کی تھی۔ وہ ہر صبح مدرسہ جاتی تھی اور سہ پہر کو اپنی ماں سے
جو سوئی کے کام میں بالخصوص بہت ماہر ہے موسیقی اور کشیدہ کاری سیکھتی تھی۔ ماں کی طرح وہ بھی
صرف ترکی اور عربی بول سکتی تھی۔ صادق نے کہا کہ "میں اپنی لڑکی کو کبھی کوئی یورپین زبان نہیں
سکھاؤنگا۔ ان سے کیا فایدہ ہے۔ اس کا نتیجہ صرف یہہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں اپنی حالت سے
ناخوش ہو جاتی ہیں" مجھے اوس کا یہہ قول بالکل درست معلوم ہوا۔ لڑکی سے چھوٹا ڈیڑھ سال
کی عمر کا لڑکا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ اوسے اوسکی ماں کمرہ میں لائی۔ سب سے آخر
صادق کی ساس جو بزرگ پیرانہ سال عورت تھی۔ برف سے ٹھنڈا کیا ہوا کمال مفرح شربت بادام
لائی جو سوئیڈن کے شربت بادام سے بہت ملتا جلتا تھا۔ یہہ پیرزن سر پر سفید ململ کا دوپٹہ اوڑھے
ہوئے تھی اور سیاہ رنگ کے نرم کپڑے کی بڈول سی گون (سایہ۔ پشواز) پہنے ہوئے تھی۔
میرا دل تو مکان کے دوسرے حصوں کو بھی دیکھنے کو چاہتا تھا۔ مگر درخواست کرنے سے حجاب سے آ گیا۔
اور میں نے خیال کیا کہ شاید یہہ امر گھر والوں کو ناگوار گذرے۔ تاہم میں یہہ یقین دل میں لئے وہاں سے
رخصت ہوئی کہ یہہ کنبہ واقعی بہت خوش ہے۔ خاوند بیوی میں کامل محبت ہونے میں کوئی
شک نہیں۔ اور بیوی اپنے فرائض خانہ داری کے سرانجام میں ایسی مصروف ہے کہ وہ اپنے
حال میں پوری قانع اور مسرت ہے۔ اوسے کسی اور چیز کی خواہش نہیں۔ مگر بعد میں جبکہ صادق بک

اپنے کنبہ کو مفصلات کے ایک موضع میں جو شہر اپیا سے زیادہ دور نہ تھا لیگیا ہوا تھا اوس نے مجھہ سے ذکر کیا کہ "وہاں اوسے کوئی شغل نہیں۔ اور یہہ مشکل ہے کہ انسان عورتوں کے پاس بیکار بیٹھا رہے۔ اس کا یہہ مطلب ہوسکتا ہے کہ چونکہ عورتیں مردوں سے بہت ہی ادنی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان سارا دن اونکی صحبت میں نہیں رہسکتا۔

سب سے آخر میں نے جو مکان دیکھا وہ ایک نہایت وسیع خیال ترکی خاتون کا تہا۔ جو سلطان المعظم کی دور سے رشتہ دار ہے۔ وہ اپنی خوبصورت لڑکیوں کو اُن کی عمر پندرہ برس سے بھی اوپر ہو جانے تک مختلف سفارتوں میں جانے دیتی رہی حتی کہ خود سلطان المعظم نے اس معاملہ میں مداخلت کر کے اون کو یشمق پہننے کا حکم دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اب بھی جب کبھی مصر یا جزائر شاہزادگان میں رہتی ہیں تو بہت کچھہ آزادانہ روش رکھتی ہیں۔ اونکا مکان جو برلب باسفورس ہے بہت خوشنما ہے۔ اوس میں ایک بڑا حجرہ کہ دریا کی طرف ہے جو تقریبًا کلیم و جلیبی بیلوں سے ڈہنپا ہوا ہے۔ سٹیمر ہر مکان کے پاس سے گذرتے وقت مجہو اتفاقًا اون لڑکیوں کے سروں کی جہلک دکہائی دیجایا کرتی تہی جو اوس وقت حجرہ کہ میں بیٹھی کشیدہ کاری میں مصروف ہوتی تہیں یا سہ پہر کی چا پیتی ہوتی تہیں۔ جس دن میں گئی۔ لڑکیوں کی ماں باہر گئی ہوئی تہی۔ میں نے اون کو نہایت ہی دلآویز اور کمال خوبصورت پایا۔ وہ انگریزی بہت عمدہ بولتی ہیں اور اونکا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ایک اعلیٰ درجہ کی موسیقی نواز اور دوسری چابکدست مصورہ ہے۔ اوسکی اپنی ہاتھہ کی بنائی ہوئی بے شمار روغنی اور آبی تصویریں کمروں میں آویزاں ہیں۔ اُنہوں نے مجھہ کو اپنا خاص کمرہ نشستگاہ دکہلایا۔ وہ بعینہ انگریز لڑکیوں کے کمروں کے مشابہ تہا۔ فرق صرف یہہ تہا کہ نسبتًا بڑا اور زیادہ مکلف اور آراستہ تہا۔ کواڑوں کے تختوں پر قاہرہ کے منظروں کی دستی تصویریں لگی ہوئی تہیں جو ان لڑکیوں نے خود بنائی تہیں اور میزوں پر بکثرت عکسی تصویریں رکھی ہوئی تہیں۔ ان کمروں کو دیکھنے سے فورًا معلوم ہو جاتا تہا کہ وہ اپنی پابندی اور محبوسیت کو حتی الامکان خوشگوار بنانیکی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ مگر پہر بھی وہ خوش نہ تہیں۔ چہوٹی کی سگائی ایک سخت بدچلن شخص سے کردیگئی ہوئی تہی۔ ترکی سے چلے آنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اوس نے اس رشتہ کو توڑ دیا ہے۔ اوسکی باتوں سے واضح ہوتا تہا کہ وہ شادی کے خیال سے متنفر ہے اور حتی الامکان بیاہ کو معرض التوا میں ڈال رہی ہے۔ سہ پہر کی چا ہم نے پانچ بجے حجرہ کہ میں بیٹھہ کر نوش کی۔ وہاں سے وہ سب کچہہ دیکھہ سکتی تہیں۔ مگر خود بخوبی

لہ ورجینیا صوبجات متحدہ امریکہ کی ایک ریاست کا نام ہے۔ مترجم۔

نہیں دیکھی جاسکتی تہیں۔ وہ ہر شام قایق پہ سوار ہوکر دریا کی سیر کو نکلتی تہیں۔ اون کے نقاب اور خاتونوں ایسے دبیز نہیں ہوتے تہے۔ چنانچہ اِس ملاقات کے بعد میں اون کو اکثر پہچان لیا کرتی تہی۔ مَیں جب اونکی آیندہ زندگی کی ناخوشی اور بے اطمینانی پہ خیال کرتی تہی تو مجہہ اونکی حالت پہ بہت ہی رحم آتا تہا۔

ترکی خاتونوں کی طرز معاشرت کی یک سوادی اور یک آہنگی کی پوری پوری کیفیت ہم باشندگان مغرب محسوس نہیں کرسکتے۔ ہر عورت کیلئے امیر ہو یا غریب جسے اپنی عزت کا کچہہ بہی پاس ہو لازمی ہے کہ وہ غروب آفتاب کیوقت تک اپنے گہر میں پہونچ جائے۔ اب ایک طرف جاڑے کی کہٹن اور نہ ختم ہونے والی شام اور راتوں کا خیال کرو۔ اور دوسری طرف یہہ کہ کوئی دوست یا سہیلی اوسوقت اون کے پاس نہیں ہوسکتی۔ زنانہ رفقا یعنی سہیلیوں کیواسطے ضروری ہے کہ وہ اوسوقت اپنے اپنے گہروں میں ہوں اور مرد رفیق اونکا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ باقی رہے اپنے کنبہ کے مرد۔ وہ بہی عورتوں کی صحبت میں بہت کم بیٹہتے ہیں۔ یہہ کیفیت دیکہہ کر ہم مغربی عورتوں کو اپنی ترکی بہنوں کی حالت پہ بہت رحم آتا ہے۔ مگر امید ہے کہ جوں جوں ترکوں اور یورپینوں میں میل جول بڑہتا جائیگا۔ عورتوں کی طرز معاشرت میں ضرور تغیر ہوتا جائیگا۔ اور جس طرح مردوں نے مشرقی پوشاکیں اوتار دی ہیں ایک وقت ایسا آجائیگا (جو خدا کرے کبہی نہ آئے۔ مترجم) کہ عورتیں یشمق اور فرجہ کو دور کردینگی۔ اور اون کے ساتہہ ہی اون کی تنہائی اور پردہ داری کا بہی خاتمہ ہو جائیگا۔ وہ نوجوان ترک جنہوں نے برلن۔ پیرس اور وائنا میں تعلیم پائی ہے۔ شادی سے پہلے یہہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ ہم اپنی بیویوں کو پردہ میں نہیں رکہینگے۔ وہ آزاد رکہی جائینگی۔ لیکن جب موقع آجاتا ہے تو وہ سب کے سب رسم و رواج کی پابندی کے سامنے چوں نہیں کرتے۔ نہ اعلیحضرت عبدالحمید خان کی عہد حکومت میں تغیر کی کوئی امید ہی ہے۔ عورتوں کے پردہ کے متعلق اونکی رائے بہت ہی سخت ہے۔ اور مشکل کوئی ایسا برس گذرتا ہے جس میں یشمقوں کے اور

؎ لیڈی مُلر کے خیالات چونکہ بدنیتی پہ مبنی نہیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کو اون سے شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ ہمارے رسم و رواج اور خیالات کو اچہی طرح نہ سمجہہ سکنے کے باعث معذور سمجہی جاسکتی ہیں۔ اور کمال خوشی کا مقام ہے کہ جو امید لیڈی صاحبہ نے اوپر ظاہر کی تہی۔ اسلام کے مخلص خادم اور سچے حامی خلیفۃ المسلمین عبدالحمید خاں کی ذات والا صفات کی طفیل اوسکو پورے ہونیکو کوئی آثار نہیں ہیں۔ مترجم۔

زیادہ دبیز کرنے اور فریجوں کو اور زیادہ بیڈول اور گھیرے دار بنانے کی نسبت جدید سلطانی احکام
صادر نہ ہوتے ہوں جن خاتونوں کے مکان باسفرس کے ساحل پر ہیں۔ اون کے لئے تو ہوا خوری
کے واسطے فائقیں موجود ہیں۔ مگر بیرا کی بیگمات صرف بند گاڑیوں ہی میں آب شیریں کو جا سکتی ہیں جن کے
ساتھہ ساتھہ گاہ گاہ اون کے خاوند بھی زین سوار ہوتے ہیں۔ مگر وہ گاڑی میں سے کسی کے ساتھہ گفتگو
نہیں کر سکتیں۔ اگر ترکی خاتون کی گاڑی اوس کے خاوند یا فرزند کے پاس سے گذرے تو وہ بھی اوسوقت
اوس کو سلام نہیں کر سکتا۔ اور جبکہ گاڑی کھڑی ہو۔ اوسوقت کوئی شخص اپنی بیوی یا ماں سے بھی
ایک لفظ بولنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو پولیس فوراً مواخذہ کرے۔ بڑی سے بڑی
عزت جو تم کسی خاتون کی کر سکتے ہو یہہ ہے کہ جب اوسکی سواری گذرے منہہ پھیر کر اُدھر پیٹھہ کر دو جب
شاہی حرم سرا کی کسی بیگم کی سواری گذرے تو ایسا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ ایک دن ہم (دریا) آب
شیریں کے اوس حصہ کے کنارہ پر جو سلطان المعظم کے ایک مضافاتی محل کے باغ کے پاس سے بہتا ہے
بیٹھے ہوئے قہوہ پی رہے تھے۔ کہ صادق یک بیک اوٹھ کھڑا ہو گیا اور دوڑ کر پیٹھہ دریا کی طرف کئے ہوئے ایک
درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا باعث معلوم کرنیکے لئے ہم نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو کیا
دیکھتے ہیں کہ دریا کے دوسرے کنارہ پر باغ میں سے سلطانی حرم سرا کی دو بابتین گاڑیاں سڑک پر چلی جا رہی
ہیں۔ اونکی پردہ دار کھڑکیاں اسقدر اونچی ہوئی تہیں کہ یہہ دیکھنا ناممکن تھا کہ آیا گاڑیوں میں کوئی شخص سوار
بھی ہے یا نہیں۔ تاہم ہماری طرف جس قدر ترک تھے۔ ملازم یا غیر ملازم سب یہی بیہودہ حرکت کر رہے
تھے۔ اور صرف اُسوقت اپنی اپنی جگہہ پر واپس آئے جبکہ گاڑیاں نظر سے اوجہل ہو گئیں۔

پہلے مرد اپنی منگیتر کو شادی سے پہلے کبھی نہیں دیکھہ سکتا تھا۔ شادی کے بعد جب میاں بیوی
الگ کمرہ میں جاتے تھے تو اوسوقت پہلی مرتبہ نقاب اُٹھایا جاتا تھا۔ لیکن اب عموماً اس امر کا انتظام کیا
جاتا ہے کہ لڑکا اپنی مستقبلہ بیوی کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے بے نقاب دیکھہ لے۔ پردہ کی وجہ سے ترکی
میں ایسی مہمان نوازی نہیں ہو سکتی جو کہ ہم لوگوں کی مفہوم ہے۔ پاشا ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے
رہتے ہیں اور بعض پاشا یورپین شرفا کو بھی اپنے گھروں میں مدعو کرتے ہیں۔ مگر یہہ ظاہر ہے کہ جہاں
لیڈیوں کی تواضع و مدارات کیلئے میزبان کی خاتون شریک ضیافت نہ ہو اون کو مدعو نہیں کیا جا
سکتا۔ اس بارہ میں جہاں تک مجھے علم ہے صرف حمدی بک ایک مستثنیٰ ہے۔ مگر ساتھہ ہی یہہ بات

بھی ہے کہ اوسکی بیوی بلحاظ پیدایش فرینچ ہے۔ تاوقتیکہ وہ مبارک زمانہ آئے جبکہ ترکی عورتیں اپنے والدین اور شوہروں کے ساتھ ہر جگہ آجا سکیں میری رائے میں اعلیٰ تعلیم اون کو صرف بیچین اور ناخوش بنانے کا موجب ہوتی رہی گی۔ اور محض اون عورتوں کی زندگی آرام سے بسر ہو گی۔ جن کو سلطانی حرم سرا کی بیگمات کی طرح کہانے پینے اور پہننے اور ساری عمر نازپروردہ بچوں کی طرح رہنے کے سوائے اور کسی کام سے سروکار نہ ہو۔

۱۶۔ آخری باریابی بارگاہ سلطانی میں

۹ راگست پہونچگیا۔ ۱۰ رکو ہمارا ارادہ روانہ ہوجانے کا تہا۔ مگر اب تک آخری ملاقات کی نسبت ہمیں محل سے کوئی اطلاع نہ ملی تہی۔ صرف یہہ افواہ سننے میں آئی تہی کہ اعلیحضرت کی طبیعت زنصیب اعدا کسیقدر ناساز ہے۔ شام کیوقت ہم انگریزی سفارت کی سکرتریوں کے مسکوٹ میں سکرتری خانہ میں جو لارڈ سٹرٹ فورڈ ڈی ریڈکلف[1] کے زمانہ میں انگریزی سفارت خانہ تہا۔ کہانا کہانے گئے۔ اور میز پر بیٹھے ہی تہے کہ ہمیں اطلاع دیگئی کہ صادق بک محلسرا سے پیغام لیکر آیا ہے۔ پہلے وہ ہوٹل گیا تہا اور ہم کو وہاں نہ پاکر مسکوٹ کو آیا ہے۔ ہمارے میزبانوں نے اوس سے کہانے میں شریک ہونیکی درخواست کی جسے اوس نے خوشی سے منظور کر لیا اور پہر ہمیں بتایا کہ وہ پہر کے کہانے کیلئے ہم دوسرے دن دوپہر کے وقت محل میں پہونچ جائیں۔ ہم نے ٹھیک ساڑہے گیارہ بجے اوسے محل سے باہر آملنے کا اقرار کیا چنانچہ دوسرے دن سفارت کی کشتی پر سوار ہوکر دولمہ باغچہ کے کنارہ خشکی پر اترے اور وہاں سے گاڑی پر محل کو گئے۔ وہاں صادق ہم کو سفرا کی کوشک سے باہر ملگیا۔ وہ ہم کو اوس دروازہ سے آگے لیگیا۔ جس سے اوس کوشک کو راستہ جاتا ہے جہاں ہم نے حاجی علی کو دیکہا اور جلال الدین افغانی سے ملاقات کی تہی مگر ہم اس کوشک کو نہ گئے۔ بلکہ وہ ہم کو ایک لمبی سی پست قامت عمارت کی طرف لیگیا جسکی دیواریں بیلوں سے ڈہنپی ہوئی تہیں۔ اور جو حرم سرا کے اوس دروازہ کی سیدہ میں ہے جس میں سے ہم پہلی ملاقات کے موقع پر گذری تہے۔ باغ کی جس روش پر ہم چلے جارہے تہے وہ عمارت مذکور کی ایک آئینہ دار دروازہ

[1] مشہور انگریزی مدبر اور ایلچی۔ سر سٹرٹ فورڈ کیننگ اصل نام تہا۔ ۱۷۸۶ء میں پیدا اور ۱۸۸۰ء میں فوت ہوا۔ جنگ کریمیا کے وقت قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر تہا۔ مترجم

پر جاکر ختم ہوئی جس کے سامنے کوئی زینہ نہیں تہا۔ اوسکی سطح روش کی سطح کے برابر تہی۔ اوس میں سے گذر کر ہم ایک وسیع ہال میں جو بہت ٹھنڈا تہا داخل ہو گئے۔ اوس میں کوئی نوکر موجود نہ تہا۔ مگر صادق بک کو مفصل ہدایات ملی ہوئی تہیں۔ وہ ہمیں ہال میں سیدہا ایک کمرہ کو جو بائیں جانب تہا لے گیا اور ہمیں وہاں بٹھاکر باہر چلا گیا۔ ہمیں اپنے فرزند کو ہمراہ لانیکی خاص طور پر ہدایت کیگئی تہی۔ کمرہ میں شاندار قالین بچہا ہوا تہا اور اودہے رنگ کی ریشمی زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تہے۔ چند الماریاں اور چہوٹی چہوٹی میزیں اور بعض دیگر مینا کار چیزیں بہی جا بجا رکہی ہوئی تہیں۔ ہم نے وہاں کچہہ دیر انتظار کیا۔ دوپہر کے وقت ہمیں موذن کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی مینار سے نہیں بلکہ باغ میں کہڑا ہو کر اذان دے رہا تہا قرب کی وجہ سے اوسکی آواز معمول سے زیادہ منوحش معلوم ہوئی۔ دور سے سننے پر اوس میں پہر بہی ایک طرح کی نرمی سی پیدا ہو جاتی ہے۔

آخر کار صادق بک نے واپس آکر کہا کہ سلطان المعظم کی طبیعت درست نہیں اسلئے وہ تمہارے ساتہ بیٹھہ کر طعام تناول کرنے سے معذور ہیں۔ پہر ایک اور کمرہ کے جو پہلے سے اندر کیطرف تہا دروازے کہولدیئے گئے ہم نے ایک چہوٹی سی میز پر کمال لذیذ اور بے نظیر کہانا چنا ہوا پایا۔ میز کے گرد چار کرسیاں بچہی ہوئی تہیں اور اوس کے وسط میں تین بڑے بڑے طلائی بادئے جن پر نہایت نفیس کام تہا ایسے بے نظیر پہلوں سے بہرے رکہے تہے کہ ویسے پہل ہمیں پہلے کہیں دیکہنے نصیب نہیں ہوئے تہے۔ دیگر ماکولات کے علاوہ مچہلی۔ پلاؤ اور چوزے کا گوشت بہی تہا۔ ہمیں نہایت ہی اعلیٰ قسم کی شامپین بہی دیگئی۔ مگر صادق کے سامنے اوس کے جام نہ رکہے گئے۔ جب کبہی وہ ہمارے ساتہہ کہانا کہاتا تہا تو شراب سے ایسا سخت پرہیز نہ کرتا اور کہا کرتا تہا کہ "میں اسے گناہ صغیرہ تصور کرتا ہوں"۔ کہانے سے فارغ ہونیکے بعد ہمیں اطلاع دیگئی کہ جلالت مآب ہم سے ملاقات کرنیکے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ ہم صادق بک کے ہمراہ پہر بڑے ہال کو واپس گئے۔ وہ اوسی جگہ رہا۔ اور منیر پاشا رئیس التشریفات ایک دروازہ سے جو اوس کمرہ کے عین مقابل تہا جس سے ہم باہر آئے تہے۔ باہر برآمد ہو کر ہم کو اپنے ساتہہ لیگیا۔ ایک چہوٹے سے کمرہ سے گذر کر ہم سلطان المعظم کے روبرو پہونچگئے۔ جلالت مآب کہڑے ہوئے تہے جب ہم نے قریب پہونچکر فرشی سلام کیا تو حضور ممدوح نے ہم میں سے ہر ایک کے ساتہہ مصافحہ کیا۔ پہر مجہے ہاتہہ سے پکڑ اپنی دائیں جانب ایک سوفا پر جا بٹہایا اور میری منیسر ہمارا فرزند اور منیر پاشا سوفا کے مقابل تین کرسیوں پر بیٹھہ گئے۔

جلالت مآب کی چہرہ پر اوس دن سے جبکہ ہم نے اونکو پہلی مرتبہ دیکھا تھا بہت فرق تھا جب وہ سلاملق کو تشریف لیجاتی ہیں تو
گو کوئی شخص اون فوجونکی صفونکو چیر کر جو ہر ایک سڑک پر صف بستہ کھڑی ہوتی ہیں آگے نہیں بڑھ سکتا حضور ممدوح کو ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے
کہ کوئی (مردود) اونکی ذات پر حملہ نہ کر بیٹھے۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ سلاملق کی بعد ہم نے اونکو دیکھا تھا تو چہرہ مبارک پر ابھی تک تردد کی آثار باقی
تھے۔ محل میں وہ اپنے تئیں بالکل محفوظ تصور فرماتے ہیں۔ بنا برین وہ اب محل میں بہت خوش اور کمال مطمئن نظر آتے تھے۔ انہوں نے
سلسلہ گفتگو یہہ افسوس ظاہر کرنے سے شروع کیا کہ اونکی طبیعت درست نہیں تھی اور ابتک بھی بالکل بحال نہیں ہوئی
اسلئے وہ ہم کو اپنے ساتھہ کھانا تناول کرنیکے لئے مدعو نہ کر سکے۔ منیر پاشا نے حضور ممدوح کی ارشاد کا فرانسیسی میں یہہ ترجمہ کیا
کہ "اونکے معدہ میں کچھہ فتور آگیا تھا"۔ یہہ عام مشہور بات ہے کہ جلالت مآب مضیہ کی نام سے کوسوں بھاگتے ہیں پس گو آداب شاہی کے
مطابق اونکو ترکی کے سوائے کسی دوسری زبان کی سمجھہ سکنے کا اظہار کرنا مناسب نہیں۔ پھر بھی انہوں نے منیر پاشا کو فی الفور
ٹوک کر ترکی میں کچھہ کہا جس پر منیر نے پہلے فرنچ فقرہ کی اصلاح کرکے دوسرے الفاظ استعمال کئے جنکا مطلب تھا "جلالت مآب
کی طبیعت ناساز رہی ہے"۔ اسکے بعد حضور ممدوح نے میری نسبت ارشاد فرمایا کہ تمہاری صحت اوس دن کی نسبت جبکہ ہم نے
تمکو پہلے دیکھا تھا بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس عنایت آمیز ارشاد کا میں یہی جواب دے سکتی تھی کہ ٹرکی کی عمدہ آب و ہوا مجھے بہت ہی موافق
آئی ہے۔ پھر جلالت مآب نے ہماری بیٹی کو تسلی دی کہ ہماری چلے جانے سے اوسے آزردہ خاطر نہیں ہونا چاہئے۔ اسکے جواب میں ہوشیار رند
نے فی البدیہہ عرض کیا کہ کسی اور ملک میں تو ضرور وہ بہت ہی آزردہ خاطر ہوتا۔ مگر ٹرکی میں اوسکی زندگی ایسی خوشی کی ساتھہ بسر
ہوئی ہے کہ وہ اس مہجوری کو چنداں محسوس نہیں کریگا۔ ہمیں اس بات کا وہم و گمان تک بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ عنقریب قسطنطنیہ
میں آرمینیوں کا خونناک قتل عام ہوگا اور اس معاملہ میں اوسکو سفیر کی حیثیت سے بہت کچھہ دخل دینا پڑیگا۔ میرے خاوند کی ساتھہ سلطان المعظم نے
اپنے ملک کے مدارس اور اون مساعی جمیلہ کی متعلق جو انہوں نے اپنے سپاہیوں اور اپنی رعایا کی اولاد لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی تعلیم
و تربیت کیلئے اس بارہ میں کی ہیں کشادہ دلی کی ساتھہ بحث کی۔ وہ یہہ سنکر بہت خوش ہوئی کہ ہم اونکے ملک کی سیر سے کمال محظوظ ہوئے ہیں
ہم نے جلالت مآب کا اس امر کیلئے بھی شکریہ ادا کیا کہ حضور ممدوح نے صادق بیک کو ہمارے ہمراہ کر دینے سے ہر ایک معاملہ میں ہمارے لئے
کمال آسانی پیدا کر دی۔ اور بدوران اقامت ہم پر ہر وقت نظر عنایت مبذول رکھی اور ہمارے حال پر کمال شفقت ظاہر فرماتے رہے۔
جب امیر المومنین ہمکو رخصت کرنیکے لئے کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ اونکی خواہش ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے پاس اونکے ملک میں کچھہ
عرصہ بسر کرنیکی یادگار موجود رہے۔ جو یادگاری تحائف ہم کو دوسرے کمرے میں ملینگے۔ پھر ہمارے لڑکے کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا
"میں جانتا ہوں کہ انگریزی سفارت کے ممبر کی حیثیت سے تم کوئی تحفہ نہیں لے سکتے۔ مگر میں تمہاری باپ کے بیٹے کو تحفہ دیتا ہوں"۔
سلطان المعظم دروازہ تک ہمارے ساتھہ آئے مگر اس دفعہ مجھے اپنے بازو کا سہارا نہ دیا۔ ہم نے دروازہ پر پھر شکریہ و امتنان کا اظہار

کر کے مؤدبانہ سلام کیا۔ اور منیر پاشا چھوٹی کمرہ دالان میں سے ہم کو پھر اوسی کمرہ میں لیگیا۔ جہاں ہم نے پہلے انتظار کیا تھا۔ صاحب جب تک
بھی ہمیں وہیں آملے۔ منیر پاشا نے وہاں سفید مخمل کا ایک بڑا تھیلا جیب سے نکال کر اوسمیں سے تین پیکٹ جو سفید کاغذ میں بندھے تھے نکالے
اور ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک پیکٹ دیدیا۔ میرے خاوند کو طلائی سگرٹ دان تحفہ میں ملا۔ اوس پر سلطان المعظم کا طغرا ہیروں میں بنا
ہوا تھا اور حاشیہ پر بڑے بڑے حجم کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے مجھے ایک نہایت خوبصورت ہیروں کا موباف جوڑے کیلئے عطا ہوا۔
اسکے ساتھہ ہیروں کا ہی بنا ہوا ایک پرندہ تھا جسکی دم زمرد اور لعل کی تھی۔ یہہ پرندہ بطور جگنی گلے میں بھی پہنا جا سکتا ہے۔ اور بیچ سے
موباف کے ساتھہ بھی جڑ سکتا ہے جو دونوں ملکر نہایت ہی خوبصورت زیور بنجاتے ہیں۔ میرے لڑکے کو بھی خالص کندن کا
سگرٹ دان ملا جس پر سلطان کا طغرا ہیروں میں بنا ہوا ہے یہہ پروفیسر کے سگرٹ دان سے چھوٹا ہے۔ اوسے اس تحفہ کو اپنے پاس رکھنے کی اپنی گورنمنٹ سے
اجازت منگوانی پڑی تھی جو اوسے عطا کردیگئی۔ ان شاہانہ تحائف کو دیکھہ کر ہماری زبان سے خوشی اور تعجب کے جو کلمات بے اختیار نکل گئے اون کو سنکر
منیر پاشا نے کہا کہ "جو کچھہ تم نے کہا ہے اوسے فی الفور سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کرنا مجھہ پر لازمی ہے"۔ اور اس طرح سے ہمکو اوس
غیر معمولی عنایت و نوازش شاہانہ کا جو ہماری اقامت کے کل دوران میں ہمارے حال پر مبذول رہی شکریہ ادا کرنیکا ایک اور
موقع ملگیا۔ ہمیں دروازہ تک خود منیر پاشا ساتھہ آکر چھوڑ گیا۔ کوئی خادم سامنے نہ آیا۔ اور ہم محل یلدیز سے اوسکے بلند مرتبت سکونت گزین کیلئے
پسندیدگی و محبت اور رحم کے مخلوط احساس دلمیں لئے ہوئے رخصت ہوگئے۔

یہہ سمجھہ میں آنا مشکل ہے کہ وہ شخص جو بلا شک و شبہ اعلیٰ درجہ کا مہمان نواز اور نہایت ہی دلفریب زبان گفتگو و تکلم میں کمال خوش اخلاق
مہربان اور ہمدرد مشہور ہے اور جو شدید خواہش دوسروں کو خوش کرنیکی رکھتا ہے وہی آدمی ہے جس نے اور کچھہ نہیں تو کم از کم ارمینیوں کے قتل عام میں چشم پوشی
اور مسامحت کی ہے یہہ سب کو معلوم ہے کہ اونکو بچوں سے بہت محبت ہے جب ہم ٹرکی میں تھے تو ہم نے سنا تھا کہ اونکے محل میں ایک کمرہ نہایت
خوبصورت اور بیش قیمت کھلونوں سے جو پیرس سے منگوائے گئے ہوئے ہیں بھرا ہوا ہے۔ اور جونہی وہ سنتے ہیں کہ کسی لیڈی کے ساتھہ اوسکا بچہ
بھی حرمسرا میں آیا ہے تو وہ ان میں سے ایکدو کھلونے بطور تحفہ لیڈی مذکور کو ارسال فرمادیتے ہیں۔ انگلستان میں عام خیال ہے کہ اگر سلطان المعظم
چاہتے تو وہ اس مہیب قتل عام کو جو جا بجا اونکے نام سے کیا گیا روک سکتے تھے۔ مگر مجھے اسکے ماننے میں کچھہ کلام ہے۔ جو عیسائی اونکی سلطنت میں رہتے
ہیں اونکو بیشمار رعایتیں حاصل ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے بھی اونکے لئے ممنوع نہیں ہیں۔ کئی سفرا اور منسٹر بھی عیسائی ہیں اسکی نظیر
ہمیں انگلستان بلکہ ہندوستان میں بھی نہیں ملتی۔ سلطان المعظم کو تخت کے ساتھہ ہی ایک ایسی مشکل وراثت میں ملی ہے جسکا بظاہر کوئی
تدارک نہیں معلوم ہوتا۔ اونکی عیسائی رعایا بلحاظ تعلیم و ذہانت۔ دولت و حشمت۔ اور اقتدار سلطنت کا سب سے زبردست حصہ ہے۔ ادہر
ترک تعداد میں زیادہ اور صلیبی لڑائیوں اور فتح قسطنطنیہ کے وقت سے عیسائی اقوام کے باہمی جھگڑوں کے طفیل ملک کے مالک ہیں۔ ان دونوں حصوں کے
تعلقات کچھہ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ ترک اور عیسائی ہر وقت ایکدوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں چنانچہ جب کبھی کہیں بغاوت پھوٹ پڑتی ہے

تو سلطان المعظم یا اونکے وزرا کیا سوا اسکے حکم دینے کے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ جس طرح ہو بغاوت کو فرو کیا جائے۔ عیسائی خود ہی
بتائیں کہ جب دو قومیں جو ایک ہی گورنمنٹ کے ماتحت ہوں ایک دوسرے سے سخت عناد رکھتی ہوں تو وہاں اور کیا چارہ ہو سکتا ہے؟
ہندوؤں کی بہتری اور فلاح کیلئے انگریزی گورنمنٹ نے جو کچھ کیا تھا وہ دنیا سے پوشیدہ نہیں۔ مگر اونکی طرف سے ایام غدر میں جو
محض بے دلیل اور نامناسب جفا کی ظہور میں آئی اوسکی کوئی نظیر ہو سکتی ہے؟ پھر اسکے عوض میں جب ہزارہا باغی توپوں کے سامنے اڑا دیئے گئے
تو اہل ملک سے مخفی نہیں کہ لارڈ کیننگ پر پھر بھی سخت اعتراض کئے جاتے رہے تھے کہ اوس نے باغیوں کے ساتھ بہت ہی نرمی
کی ہے۔ سلطان المعظم جانتے ہیں کہ اگر وہ کسی طرح بھی اپنی غیر مسلم رعایا کی طرفداری کریں تو یورپ میں اونکی سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا۔
اور اونکی مسلمان رعایا اونکے مقابلہ پر اٹھ کھڑی ہوگی۔ ناظرین کو یہہ بھی خیال رہے کہ سلطان کی سلطنت میں ایک جماعت نوجوان ترکوں کی
بھی ہے جو آرمینیوں سے بڑھ کر اونکی حکومت کیلئے خطرناک ہے۔ اور جو محض اسلئے سلطان المعظم کی وفادار چلی آتی ہے کہ جماعت مذکور کو عیسائیوں سے
دشمنی ہے۔ ان دونوں قوموں میں ایسا سخت عناد ہے کہ وہ قطعی طور پر کبھی دور نہیں ہو سکتا صرف یہہ ہو سکتا ہے کہ وقتاً فوقتاً عارضی طور پر عناد کی اظہار
اور لڑائی میں التوا ہوتا رہے۔ مگر اسکا واقعی خاتمہ صرف دو صورتوں میں ہی ہو سکتا ہے۔ یا عیسائی بالکل معدوم کر دیئے جائیں یا مسلمان یورپ سے نکال دیئے جائیں

کیا یورپین دول نے اس مسئلہ کی متعلق درست طریقہ اختیار کیا ہے؟ اور کیا انہوں نے صرف عیسائیوں کی حمایت کا بیڑہ اٹھا کر اس امر کو
فراموش نہیں کر دیا کہ ترکی رعایا کو بھی بد انتظامی ٹیکسوں کی زیادتی اور کئی دیگر سختیوں کی شکایت ہے۔ فرق فقط یہہ ہے کہ ترک ان سختیوں کو
عرصہ دراز سے خاموشی اور تحمل کے ساتھ برداشت کرتے چلے آئے ہیں اور اف نہیں کرتے۔ برعکس اسکے ارمنی مدت مدید سے برسر بغاوت اور
شورہ پشت چلے آرہے ہیں اگر دول یورپ یہہ اصرار کریں کہ ٹرکی کی کل طرز حکومت ہی ازسرتاپا ایسی خراب ہے کہ اوسکی قایم رہنی دنیا
نا ممکن اور یورپ کیلئے باعث شرم ہے۔ اور کہ جب تک ترکوں کا باسفرس سے ورلی طرف رہنا گوارا کیا جائے یہہ لازمی امر ہے کہ اونکی حکومت تہذیب
و تمدن کے مسلمہ اصول کے مطابق ہو تو اس صورت میں خواہان اصلاح جماعت جو نوجوان ترکی جماعت کے نام سے موسوم ہے
اونکی طرف مایل ہو جاتی اور ٹرکی کی عیسائی رعایا بھی یورپین دول سے فرشتہ نہ ہوتی اور پھر یہہ مجتمعہ و متحدہ اقتدار اور دباؤ کل سلطنت
کی لئے ڈائنامائٹ اور بمب کے گولے پھینکنے کی بغیر دربار سلطانی سے ضروری اصلاحات حاصل کر لیتے۔ اور یورپ کو وہ خوفناک مقاتل
عام دیکھنے پڑتے۔ جو حصول اصلاحات کے لئے ناجائز وسایل اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں[۱] ✦

ختم شد

[۱] لیڈی صاحبہ نے آرمینیوں کے قتل عام۔ نوجوان ترکی پارٹی۔ اصلاحات اور سلطان المعظم کے منشا و ارادہ اور اونکی کارروائی کی نسبت جو کچھ تحریر کیا ہے
اوسکے متعلق ہم کچھ تحریر کرنے یا لیڈی صاحبہ کی بعض غلط استدلالات اور قیاسات کی تردید کرنیکی کوئی ضرورت نہیں دیکھتے۔ اس بارہ میں رسالہ مفرد جعفہ
مظالم آرمینیا۔ واقعات دوم۔ سبت سالہ عہد حکومت امیر المومنین عبد الحمید خان خلد اللہ ملکہ اور تاریخ خاندان عثمانیہ میں مفصل تحریر کر چکا ہوں۔ مترجم

قسطنطنیہ حصہ دوم

(جزو دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسطنطنیہ کی سیاحت اور وہاں کی پُرفضا سینری اور نظاروں کے متعلق انگلستان کے زندہ سیاح اور مشہور مصنف مسٹر موریس کرافورڈ حسب ذیل تحریر کرتے ہیں:-

فتح قسطنطنیہ

آنحضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے ارشاد فرمایا تھا "مبارک[1] ہیں اور مغفور ہونگے وہ لوگ جو قسطنطنیہ کو فتح کرینگے"۔ اس موعود مغفرت و برکت کو حاصل کرنے کے لئے بیشمار جان توڑ لڑائیاں اور کئی دلیرانہ معرکہ آرائیاں ہوئیں آنحضرتؐ کے صحابی ایوب رضؓ اُس فوجکشی[2] میں شہید ہوئے جو سب سے اول ترکوں نے مشرقی رومن سلطنت کے دار الخلافہ کو فتح کرنے کے لئے کی تھی۔ عیسائی مجاہدین[3] نے شہر کو فتح کر کے نذر قسطنطنیہ برکت حاصل کی اور ایک ہفتہ کے اندر اُس پر اسقدر تباہی وارد کی کہ تمام دوسرے فاتحین نے بارہ صدیوں میں بھی اُسے ویسا ویران اور برباد نہ کیا تھا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہمنام اور جانشین محمد فاتح

---

[1] آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شہر کے متعلق یہ حدیثیں مروی ہیں اول "جیشٍ من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم" یعنی امت سے اول جو لشکر قیصر کے شہر پر فوجکشی کریگا اُسکے لوگ مغفور ہونگے۔ دوم "لتفتحن القسطنطنیۃ فلنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا" قسطنطنیہ فتح کیا جائیگا اور کیا اچھا ہے وہ امیر جو اسکی فتح کا امیر ہوگا اور کیا اچھی ہی فوج جو اس فتح کو حاصل کرنے والی فوج ہو۔ (مترجم)

[2] یہ فوجکشی معاویہ بن ابی سفیان کے زمانہ خلافت میں بقول بعض ۴۸ھ و بقول دیگر ۵۲ھ میں کی گئی تھی جسکا انجام آخر میں صلح پر ہوا تھا

[3] یہ مجاہدین بیت المقدس کو مسلمانوں سے فتح کرنیکے لئے یورپ سے روانہ ہوئے تھے۔ مگر راستہ میں اپنی ہی ہم مذہب سلطنت کے دار الخلافہ کا محاصرہ کر کے ۱۲۰۴ء میں اسے فتح کرلیا اور بالڈون کے زیر حکومت قسطنطنیہ پر لاطینی بادشاہی قائم ہوگئی جو ۱۲۶۱ء تک قائم رہی (مترجم)

جیسے ٹرکی انہیں اپنے کل دور کے فاتح و منصور سلاطین پر ترجیح دیکر فاتح کے ممتاز لقب سے پکارتے ہیں۔ اُس
فتح کے دیباچے ہوا قسطنطین اول کی وسیع و عظیم الشان سلطنت روم کے آخری ہنگامے کے زمانہ میں صرف شہر کی
چار دیواری تک محدود ہو گئی تھی لیکن محمد کو اس چند میل مربع کے لئے بھی جو سینٹ صوفیا اور قلعہ یدی قلی حصار کے
درمیان ہے کئی برس لڑائی کرنی پڑی۔ اس فتح کیواسطے ناقابل تسخیر بڑے بڑے قلعے تعمیر کرنے پڑے بڑی بڑی
خندقیں کھودنی پڑیں اور حملہ آور بیڑہ کے جہازات کو پانی سے باسفورس کے کناروں پر اٹھانا پڑا جو وہاں سے پہیوں
اور گراریوں کی مدد سے خشکی پر کھینچکر پھر خلیج گولڈن ہارن میں ڈالے گئے۔ اور ان ابتدائی مرحلوں کو طے کرنے کے بعد
عین آخری وقت سخت جانگداز اور خونخوار لڑائی کرنی پڑی۔

آخری قیصر اپنے شہر کے دروازہ پر جان توڑ کر پیدل لڑتا ہوا ہلاک ہوا اور فاتح گھوڑے پر سوار مقتولین
کی لاشوں پر سے گذرتا ہوا آیا صوفیہ کے جنوبی حصہ میں داخل ہوا۔ جہاں اُسنے قریب ترین ستون پر اپنا خون آلود
ہاتھ مار کر اپنی فتح کا خونی نشان لگا دیا جو ابتک دکھائی دیتا ہے۔ فاتح کے داخلہ کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے
اُس کی درستی اور صحت کا میں ذمہ دار نہیں۔ تاریخ نہ سہی کم از کم روایت یہی کہتی ہے۔ فی زمانہ تو گرجے کی دیواروں
کے اندر کوئی خونریزی ہونے سے بھی قطعاً انکار کیا جاتا ہے اور وثوق کیساتھ کہا جاتا ہے کہ جو عیسائی اُس میں جمع
ہوئے تھے اُنکو بلا کشت و خون گرفتار کر لیا گیا تھا تاہم ہم لوگ جو اس ترقی و تہذیب کے موجودہ زمانہ میں رہتے ہیں اور
وہ زمانہ ایسا ہے کہ اسمیں فوجوں کی فوجیں کلوں سے ہلاک ہو جاتی ہیں اور سلطنتیں کھمبوں کی طرح ایک رات میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور
گوبھی کے پھولوں کی طرح ایک دن جوبن دکھا کر دوسری صبح دھوئیں کی طرح معدوم و فنا ہو جاتی ہیں۔ اور ایسی
بے ثباتی ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا استعاروں میں سے بھی کوئی ایک بھی کیفیت انپر پورا پورا صادق نہیں آسکتا۔ اُن
اون مختصر و نیک و رذیلانہ کارناموں کو جو مذہبی اعتقاد اور دینی پر جوشی کے پرانے زمانہ میں وقوع میں آتے تھے
اُنکے اغراض مطلوبہ کی وجہ سے بے اختیارانہ نظر محبت سے دیکھتے ہیں اور اُنکو کبھی غلط تصور کرنا گوارا نہیں کرسکتے
آجکل کے زمانہ میں سلطنتیں ایک دوسری سے لڑائی کرنے کے لئے مدتوں پہلے اتنی لمبی چوڑی تجویزیں کرتی رہتی
اور تدابیر سوچتی رہتی ہیں کہ انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کیوں نہیں پہلے زمانہ کی طرح
جھٹ پٹ معاملہ کو یکسو کر دیا جاتا۔ اس انیسویں صدی میں اب جو ٹرکی کی جنگ ہوگی اُسمیں شریک ہونیوالی
سلطنتوں کی طول طویل فوجی تیاریں اور جنگ کرنیوالی فوجوں کی نقل و حرکت اور اجتماع کی تجاویز کے طومار پر جو جنگ
نہ ہونے کی مباحثہ عمل میں لائی جائینگی گھنٹوں غور کرتے رہنے کی بجائے انسان کا دل یہی چاہتا ہے کہ وہ اُس زمانہ

مسجد کے نیم تاریک سقف راستہ میں کھڑا ہو کر ایک لمحہ کیلئے اسے درست یاد کر لیے کہ نیم مہذب نبرد آزما (یعنی محمد
فاتح) نے عیسائی خون کا نشان اُسمیں اس امر کی علامت میں لگایا تھا کہ اب وہ اُسکی ملکیت ہو گئی ہے۔ اگر یہ معاملہ
صحیح ہے تو اُس ایک چھاپہ میں اور اگر یہ محض روایت ہے تو اس روایت میں مشرق کی کل تاریخ اور داستان مرکوز ہے
حقیقت یہ چھاپا لگایا گیا تھا اُسوقت مغرب نے مشرق کا مقابلہ کیا اور اُسکے سامنے نامرتب باب ہوا۔ اُسوقت جو گذشتہ
زمانہ کی باتیں تھیں وہ نسیاً منسیاً ہو گئیں اور استقبال حال ہونا شروع ہو گیا نئی سلطنت کے قائم کرنیوالوں نے جنکے
ہاتھ خون سے رنگے ہوئے تھے قدیم سلطنت کے آخری حصن حصین کو مار لیا اور قسطنطین جسٹنین اور یونانی قیاصرہ
کا قسطنطنیہ ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ اور یہ بے بہا مرصع زیور جو تین نقرئی سمندروں کے محل اتصال پر
جڑا ہوا ہے یورپ کی گردن سے اُتار لیا گیا تاکہ ایشیا کے تاج میں گوہر شب تاب کا کام دے قیصر جسٹنین اُسکی
قیصرہ تھیوڈورا اور اُسکے اندھے سپہ سالار بیلی ساری اس۔ الغرض زمانہ گذشتہ کے تمام یونانی ناموروں کی روحیں
اور اُنکے آثار اُن تمام وسیع در و دیوار اور ستون دار گیلریوں اور ایوانوں سے جو استنبول کے نیچے پھیلے ہوئے تھے
ابد الآباد کیلئے غائب ہو گئے۔ اور اُنکی مذبوح آل داؤد اور وثار کی لاشوں سے ابھی خون جاری ہی تھا کہ اُنکے
ورثہ کے مالک نے اپنی قوم اور اپنی ذات کیلئے اُس خیر و برکت کے عطا ہونیکی دعا مانگی جسکا تقریباً آٹھ سو برس پیشتر
رسول اللہ نے وعدہ فرمایا تھا (یعنی جامع ایا صوفیا میں نماز شکرانہ ادا کی)

تاریخ عالم میں ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کوئی شہر ایک ہزار برس سے زیادہ تک ایک سلطنت کا دار الخلافہ رہکر چوبیس
گھنٹوں کے اندر دوسری ایسی سلطنت کا دار الخلافہ ہو جائے جسکے بانی مبانی اور رونق دہندگان مغلوب قوم سے
مذہب ملت زبان اور اوضاع و اطوار اور رسم و رواج میں قطعاً مختلف و متضاد ہوں۔ یہ طبعی امر تھا کہ محمد
کی فتح قسطنطنیہ کی حالتیں جو اچانک تغیر پیدا ہو گیا تھا وہ اہمیت اور نوعیت میں بہت ہی بڑا تغیر ہو۔ لیکن
پھر بھی جو کچھ انقلاب ہوا اُس سے فاتح کی اوصاف حمیدہ کی بدیہی شہادت مل رہی ہے۔ اُس دن سے لیکر
آجتک یہ یقین ہے کہ قسطنطنیہ میں کسی عیسائی یا یہودی کو ایذا نہیں پہنچائی گئی۔ استنبول پیرا اور اسکودری
(منقوطرا) کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو ترکی دار الخلافہ میں آجکے دن عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے غالباً زیادہ
پائی جائیگی جسکا باعث ترکوں کی بے تعصبی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ گو اُن کی اس صفت کا عام طور پر
چنداں اعتراف نہیں کیا جاتا۔ یہ بیشک درست ہے کہ بڑے بڑے گرجوں کی مسجدیں بنالی گئی تھیں اور جہاں
کہیں اُنمیں صلیب کے نشان تھے وہاں ہلال کا نشان بنا دیا گیا تھا اور مزید برآں اُنکی دیوار سے ہٹا دیا

فرشتوں اور متبرک لوگوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اُنپر فی الفور چونہ کا پلاستر کروا دیا گیا جس سے اکثر تصویریں ہمیشہ کیلئے نظر سے چھپ گئیں اور اسلام کی سخت سادگی پسندی نے ان تصویروں کی جگہ چند نام اللہ۔ محمد۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسنؓ۔ حسینؓ لکھوادیئے۔ استنبول کی ہر مسجد میں یہ آٹھوں نام نہایت خوبصورتی کیساتھ عربی خط میں آٹھ تختوں پر لکھے ہوئے ہیں جو مسجد کے اندر آویزاں ہوتی ہیں اور دنیا میں شاید ہی کوئی مسجد ہوگی جسمیں اس طرح یہ نام نہ لکھے ہوئے ہوں۔ مگر اسکے ساتھ ہی یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں ہوسکتا کہ ترک فنا کنندگان نہ تھے۔ بلکہ برعکس اسکے اُنہوں نے اپنی مساجد کیلئے عیسائی گرجہ کا نمونہ پسند کیا۔ چنانچہ ترکوں نے جسقدر مسجدیں قسطنطنیہ میں تعمیر کی ہیں وہ تقریباً سب کی سب کم و بیش ایا صوفیا کے نمونہ پر ہیں۔

قسطنطنیہ کی دلچسپی اور اُسکے نام میں ایسا جادو ہونیکی جو فی الفور دلوں کو اُسکی طرف کھینچ لیتا ہے بڑی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ وہاں ہر ایک عمارت اور ہر ایک چیز کے متعلق جو صدیوں کے انقلابات سے اب تک بچی چلی آئی ہیں طرح طرح کی مختلف روایتوں کے طومار در طومار موجود ہیں۔ عمارتوں کیواسطے گرجہ ایا صوفیا کو اور دوسری چیزوں کے لئے ڈلفی کے ستون کے بے سر سانپ کو جو آتمیدان میں کھڑا ہے نمونہ سمجھ لو قسمت نے اس سہ سانپے ستون کو پہلے ڈلفی سے قسطنطین کے ہاتھوں قسطنطنیہ منگوایا۔ جہاں وہ اُس موقعہ پر کھڑا کیا گیا جسکا ڈلفی کے مندر کے بُت نے ابتدا میں حکم دیا تھا۔ اس انتقال کی متعلقہ روایتیں عجیب و غریب افسانوں سے بھری ہوئی ہیں۔

اس روایت میں بھی قضا اپنا رنگ دکھا رہی ہے کہ جب محمد فاتح مشرقی سلطنت کے دار الخلافہ کو تیسرا نام دینے کیلئے شہر پر قابض ہوا تو اُسنے شہر میں داخل ہونے کے پہلے ہی دن اپنے جنگی تبر سے سانپ کا تیسرا سر اڑا دیا۔ اسمیں کلام نہیں کہ قدیم زمانہ کی موجودہ چیزوں میں سے بہت کم ایسی ہیں جنکا یونانی تہذیب کی اس یادگار سے زیادہ پرانا اور گہرا تعلق دنیا کی قدیم ترین تہذیب سے چلا آتا ہو۔ اسکے سر غائب ہوگئے ہیں مگر اور سب طرح سے سالم ہے۔ وہ آتمیدان میں مشرق کی تیز دھوپ میں تن تنہا کھڑی ہوئی ہے۔ اور کسی اور انقلاب کا انتظار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ شاید ایک صدی بھی گذرنے نہ پائے اور کسی مہذب ملک کے ہاتھ اسے یہاں سے اُٹھا کر لیجائیں اور دوسری جگہ اسے کھڑا کر کے اُسپر پھر پرستو مندر بنا دیں اور اُسکے تینوں سروں کو پھر اُسی طرح درست کردیں جسطرح کہ وہ پان اعظم کی دفعات سے پہلے فوبس اپولو کے نذر

اقتدار میں تھے۔ کون جانتا ہے کہ شاید وہ فاتح پیدا ہو چکا ہو جو اللہ تعالیٰ اور محمد صلعم اور چہار اماموں کی ناموں کے
ڈھالوں کو اکھیڑ کر انکی جگہ پھر طلائی مورتیں جڑوا دیگا۔ مگر خواہ نوشتہ تقدیر میں ایسا واقع ثبت ہی ہو میں
اسدن پر جسمیں یہ انقلاب عظیم واقع ہوگا غور و فکر کرنا نہیں چاہتا۔ تاہم یہ کہدینا مناسب سمجھتا ہوں کہ خواہ
عثمانلی قوم کسی دن پھر ایشیا کے اسی گمنام گوشہ میں جا پڑے جہاں سے وہ آئی تھی قسطنطنیہ جسکا نام بھی
شاید بدلجائے بدستور قدیم پھر بھی مشرق کا دار الخلافہ۔ ایشیا کی طلائی کلید اور ایسا گوہر تاباں رہیگا
جسکی ہوس و تمنا کئی تاجداران کو ستاتی رہیگی اور جسپر قیامت تک دنیا کی طامع قومیں آپسمیں لڑتی جھگڑتی رہینگی

ترکوں کے اوصاف

قسطنطنیہ کی سب سے حیرت انگیز چیز اسکی بیحد جانداری اور بارونقی ہے جسنے اسکو باوجود اس قدر انقلابوں
کے جو بمنزلہ موت کے تھے اب تک قائم و برقرار رکھا ہوا ہے۔ ٹرکی کو "مرد بیمار" اور قسطنطنیہ کو جو دنیا کے نہایت
ہی بارونق اور آباد شہروں میں سے ہے ویران و بوسیدہ کہنا ایک معمولی بات ہو رہی ہے۔ مگر جس شخص نے
غلطہ پل کے کسی سرے پر چند منٹ بھی صرف کئے ہوں وہ استنبول کی جگہوں اور غلطہ پل یا خود غلطہ کے پر
ہجوم بازاروں یا اُس سے اوپر کے محلہ پیرا کی نسبت کبھی وہم گمان میں بھی بیرونقی کا بعید ترین شائبہ تک کا
تصور نہیں کر سکتا۔ یوروپین سیاح خواہ وہ آسٹریلیا کے رہنے آئے یا اٹلی کے اس دار الخلافہ کی چہل پہل رونق
شگفتگی اور گرمی بازار دیکھکر دنگ رہجاتا ہے۔ دنیا کے کسی اور شہر میں نووارد کو بنی نوع انسان کی اسقدر مختلف
قسمیں بالکل ایک کے دوش بدوش گذرتی دکھائی نہیں دیتیں۔ یورپ کے ہر ایک ملک اور ایشیا کی ہر ایک قوم کے
آدمی وہاں موجود ہیں۔ غلطہ پل پر جو سفید پوش اہلکار پیرسجری کا محصول وصول کرنے پر مامور ہیں حضرت آدم
کی موجودہ نسل کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ ترین نمونے انکو محصول کا پیسہ دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ دنیا کے اکثر
اور دار الخلافوں کی طرح یہاں یہ بات بھی نہیں کہ کسی خاص خط و خال یا رنگ کے لوگ دوسری قسموں سے زیادہ
پائے جاتے ہیں بلکہ سب طرح کے لوگ یکساں بیشمار نظر آتے ہیں۔ خود ترکوں کی نسبت یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا انکو
ایک قوم کے افراد تصور کیا جائے یا مختلف اقوام کے افراد کا مجموعہ سمجھا جائے جنکو اسلام نے ایک مشترک رشتہ سے
وابستہ کر رکھا ہے۔ تم کسی مسجد میں چلے جاؤ وہاں تمہیں خالص النسل ترک جنکے رنگ کی صفائی ناروے کے باشندے کے
چہرہ کی رنگت کو بھی ماند کر رہی ہوگی۔ افریقہ کی تاریک جز بوم کے سیاہ ترین حبشی کے دوش بدوش کھڑے سجود میں مصروف
دکھائی دینگے۔ اور جونہی تم مسجد میں داخل ہو دونوں کی نظریں بالکل ایکساتھ خود بخود تمہارے قدموں کی طرف پڑینگی۔ یہ

دیکھنے کیلئے کہ آیا تم بوٹ اُتار کر یا اُن پر بابوج "دموزہ" پہنے ہوئے ہو یا نہیں جا بالعموم ہر مسجد کو دروازے پر
اس غرض کیلئے رکھے رہتے ہیں۔ رومن کیتھولکوں کیطرح مسلمانوں میں بھی مشترک اعمال و رسومات بکثرت ہیں اور ان
کثرت و عمومیت میں کوئی نہ کوئی چیز ایسی موثر ہے کہ انسان مسلمانوں کے اس تقاضا مطلب کو کہ انکے عبادت گاہ
کا احترام کیا جائے بے اختیار عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ میں اس موقعہ پر شروع شروع میں ہی ناظرین سے یہ کہدینے
کی اجازت چاہتا ہوں کہ بلاد مشرق کی متعدد سیاحتوں اور قدرے رہائش کے بعد مجھے ذاتی تجربہ سے خالص ترک کی
کی اوصاف حمیدہ کا پورا پورا الیقین ہو گیا ہے مگر خالص ترک کی شرط لازمی ہے۔ یونانیوں ارمنوں۔ ایرانیوں اور
افریقیوں نے اپنے آپکو ترک مشہور کر رکھا ہے اور بعض اوقات سرکاری عہدے ملجانے پر انکے فرائض بد دیانتی سے ادا کر کے
ترکوں کو بدنام کر رکھا ہے ورنہ ترک نہ ہتھم نہایت شریف النفس اور دنیا کی اعلیٰ اور غالب قوموں میں سے ہیں وہ
بالطبع خوبصورت دراز قامت۔ کمال جفاکش و متحمل اور بے اندازہ مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ انکا رنگ نکھرا ہوا
آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ وہ تین پاکیزگی پسند اور ایسے دیانتدار ہیں کہ اپنا نقصان گوارا کر لینگے لیکن دیانت
صداقت کو کبھی نہ چھوڑینگے۔ اس معاملہ میں وہ چالاک یونانیوں اور ارمنوں سے جو انکا خون جگر پی پیکے موٹے ہو رہے
ہیں کبھی برسر نہیں آسکتے۔ بلاد مشرق میں عام کہاوت ہے کہ ایک ارمنی کو دغا دینے کیلئے دس یہودی اور ایک
ایرانی کو دغا دینے کیلئے دس ارمنی درکار ہوتے ہیں۔ خالص ترک ایسے بدمعاشوں سے بھلا کب کہاں نپٹ سکتے ہیں وہ
ان شریر متعفنوں سے ویسے ہی برسر آسکتے ہیں جیسے شاید کہ خود یہ بدمعاش ایک متوسط ذہانت کو منہ دیکھنے سے
قسطنطنیہ کی عجیب و غریب مخلوط الاقوام آبادی میں ہی ترکوں کی سادگی اور شرافت کا یہی ثبوت ہی ترک آسانی سے
دھوکہ کھا جاتے ہیں چنانچہ اُنکی سادگی سے فائدہ اٹھانیکے لئے دنیا کی چار کھونٹ سے لوگ قسطنطنیہ میں جمع ہوتے
رہتے ہیں مگر کوئی شخص اس امر کو ذہن نشین رکھکر قسطنطنیہ کے بازاروں میں کھڑا ہو جائے اور تھوڑی دیر کیلئے اپنے
دل و غور سے بھی کام لینے کی تکلیف اٹھائے تو اسے اس بیان کی پوری پوری تصدیق ہو جائیگی۔ ملک کی پیداوار کم
اور ممالک غیر سے بھی زیادہ مال داخل نہیں ہوتا سو گویا مجبوری میں لوگ پیچھا سکو کہ درمیان میں بھری رہنے کا ایک بڑا سبب ہے
پس ان یونانیوں اور ارمنوں کو جنہیں جو سپر کے سامنے تمام سیکنڈ ہی تھلہ بدروا لیڈر یا نوبل کے قریب دیکھا
یعنی تنبل کے انتہائی سر تک کہیں کچھ بھرے ہوئے ہیں مگر ترکوں کو نہیں لوٹتے ہیں تو اور کس چیز پر گذارا کر رہے
اور فریب و مال الطرین رہے ہیں۔
کیا تم کو قسطنطنیہ میں کبھی کوئی ایسا یونانی یا ارمنی بھی ملا ہے جو سرکار سے کسی امتیاز مطلب "جیسکہ" یا کسی اور

خاص رعایت کا طلبگار نہ ہو۔ اور کیا ان امتیازات، اجاروں یا ٹھیکوں کی بدولت ترکوں کو آخر بہ نسبت اجارہ دارو
کو تاوان اور ہرجانے نہیں دینے پڑتے؟ ہم کاروباری لوگوں کے استفسار ہوگی کہ پہت اور انکے گذارہ کیلئے جیسا
کارخانے کوٹھیاں یا اجناس کی منڈیاں اور ریلوے لائنیں درکار ہیں مگر کیا حسب ضرورت کارخانے اور کوٹھیاں
وغیرہ کہیں دکھائی دیتی ہیں؟ پھر یہ لوگ کس طرح گذارہ کر رہے ہیں؟ کاروبار کے میدان سے ترکوں کو لوٹ کر

غلطہ پل سے نظارہ

غلطہ پل کی خوبیوں اور اسکے دلکش منظر کی پوری پوری کیفیت پہلی نظر میں نہیں بلکہ کچھ دیر مشاہدہ کرتے رہنے کے
بعد واضح ہوتی ہے۔ اسے وینس اور فلورینس کے ہر دو مشہور آفاق پلوں کا مجموعہ سمجھنا چاہئے۔ یہ پل کشتیوں پر بنا ہوا ہے
اسکے درمیان ایک جوڑ ایسا ہے جسے حسب ضرورت ہٹا کر جہازوں اور کشتیوں کیلئے راستہ بنا لیا جاتا ہے۔ یہ ٹکڑا صرف
رات کو ہٹایا جاتا ہے۔ پل مذکور تین حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ میں گاڑیوں اور پیدل مسافروں کا راستہ ہے دوسرے
حصہ میں جو چنداں عریض نہیں چھوٹی چھوٹی دوکانوں اور قہوہ خانوں کی قطار ہے۔ اور تیسرا وہ حصہ ہے جہاں لوگ
جہازوں پر چڑھنے اترنے یا مال اتارنے چڑھانے کے لئے مسلسل پلیٹ فارم بنے ہوئے ہیں کل سال کا اوسط نکال کر
سرسری طور پر اندازہ لگایا ہے کہ ہر روز غلطہ پل سے ۲۰۰ ہزار آدمی گذرتے ہیں۔ اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل
ہیں جو اسکودرہ اور باسفورس کو جانے کیلئے پل پر سے گذر کر جہازوں کی گھاٹوں کو جاتے ہیں۔ اس پل پر ایک ایسا
مقام ہے جہاں انسان گھنٹوں آرام و چین سے قہوہ اور سگرٹ نوش کرتے ہوئے پل پر سے گذرنے والوں کی
بھیڑ یا گھاٹ سے جہازوں پر اترنے چڑھنے والوں اور غلطہ کے قائق جیبوں اور حمالوں کی اوضاع و اطوار اور طریق
دستور کو جو غلطہ کی طرف کے سرے پر پل سے مشرق کی طرف کے گھاٹ پر جمع رہتے ہیں بخوبی دیکھ سکتا ہے اکثر
یورپین سیاح انکو اس مقام کی خبر نہیں۔ یہ خوشگوار مقام اس قہوہ خانہ کا ایک گوشہ ہے جو استنبول کو جاتے ہوئے پل
کی بائیں طرف سب سے پہلے آتا ہے اس قہوہ خانہ میں ایک وسیع ہوادار اور کمال منقش اور پاکیزہ کمرہ ہے۔ اور کمرہ کے
تین طرف دریچے ہیں جنمیں سے ہر وقت گرم سے گرم دن میں بھی ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے۔ کمرے کے اس گوشہ میں
بیٹھ جاؤ جو پل اور نیز غلطہ سے قریب ترین ہے۔ اور شکر کی (میٹھی) یا سادہ (بلا قند) قہوہ کی ایک پیالی تیار کئے جانے
کا حکم دیکر اپنا سگرٹ سلگا لو اور مشاہدہ شروع کر دو۔ جو منظر تمہارے پیش نظر ہوگا وہ ایسا رنگ برنگی اور کثیر الالوان ہوگا
کہ آنکھیں چندھیا جائینگی پھر لطف یہ کہ وہ رنگ ساکن نہیں ہونگے۔ بلکہ سیر بین کی رنگین تصویروں کی طرح سرعت سے
گذرتے چلے جا رہے ہونگے سب سے اول جو چیز آنکھوں کو محسوس ہوگی وہ فیس (رنگ) کی ٹوپیوں کی کثرت اور بہتات ہی

سینکڑوں نہایت شوخ سرخ رنگ کی بالکل ہم شکل نیم مخروطی ٹوپیاں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر سرخ
مکھیوں کے جھنڈوں کی طرح تقریباً ایک ہی سطح پر حرکت کرتی اور ایکدوسری کے پاس سے گذرتی دکھائی دیں گی
فس کو سلطان محمود ثانی الملقب بہ مصلح نے جس نے اسے یونانی ٹوپی میں تھوڑا سا رد و بدل کر کے اختراع کیا تھا
رواج دیکر سرکاری ملازموں کے سر کی پوشش قرار دیا تھا۔ ان سے وہ بھاری بھاری دستاریں جنکو پہلے فوج
اور تمام سرکاری اہلکار باندھتے تھے مفقود ہو گئیں۔ رنگ کی شوخی کو اگر علیحدہ رکھا جائے تو یہ ٹوپی نہ اتنا چنداں
خوشنما اور خوش شکل نہیں مگر اسمیں کلام نہیں کہ ساتھ ہی صفا و ستھری ضرور ہوتی ہے۔ اس سے سر کی پوشش
میں یکرنگی و یکسانی پیدا ہو گئی ہے۔ اور لمبے سیاہ ریشمی پھندنے کیوجہ سے اسکو پہن لینے پر افسروں اور سپاہیوں کے
سرخ چہروں پر ایک قسم کا رعب و جلال برسنے لگ جاتا ہے۔ لیکن ابھی عمامے بالکل غائب نہیں ہوئے۔ وہ
ابھی تک موجود اور بکثرت مروج ہیں جو زیادہ تر سفید یا سبز رنگ کے ہوتے ہیں۔ اکثر غربا اس امر کے اظہار کے
کے لئے کہ وہ مسلمان ہیں اپنی ٹوپیوں کے گرد سفید یا سرخ کپڑا لپیٹ لیتے ہیں۔ سفید اور سبز رنگ کے عمامے
علماء کا امتیازی لباس ہے۔ اسے وہی پہنتے ہیں جنہوں نے دینی تعلیم پائی ہو۔ گو یہ ضروری نہیں کہ وہ
بالضرور علماء کا کام بھی کرتے ہوں۔ علماء کی باقی پوشاک بھی قدیم طرز کی ہے۔ یعنی گھیردار تنگ آستین
کا سیدھا سادہ جاچغہ۔ جو سامنے سے کھلا ہوتا ہے۔ اور اسکے نیچے سے سفید بیدلغ قمیص اور کلابتوں کے
کام کی صدری دکھائی دیتی رہتی ہے۔ کھلی شلوار۔ اور بہت چوڑا کمربند چینے سرخ کے سوا اور سب رنگوں کے ہوتے
ہیں۔ مگر اب زیادہ رواج یورپین طرز کے لباس کا ہے۔ فوجی وردیاں ہو بہو جرمن فوج کی وردیوں کی نقل ہے
اور سویلینوں (غیر فوجی) اشخاص کا لباس مغربی یورپ کے شرفاء کے لباس سے ملتا جلتا ہے۔ علماء خوب رعب
داب اور شان کے ساتھ چلتے ہیں جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لباس کی خوشنمائی پر نازاں اور
اسکی وقعت سے باخبر ہیں۔ جسکے سر پر سبز پگڑی ہو اسے جان لو کہ پیغمبر کے خاندان سے ہے جو حضرت
ابراہیم کے خاندان کی طرح جسکے بڑھانے کا خدا نے وعدہ کیا تھا کثرت میں صحرا کی ریت کے ذروں کے برابر
ہو گیا ہے۔ مگر اس سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب بناوٹی سید ہیں۔ سادات کی نسل سے ہونے کے دعوے
میں اکثر سچے ہیں کیونکہ سبز کپڑے کا نشان خاندان میں آباؤ عن جد چلا آتا ہے اور باپ سے بیٹے کو ملتا ہے پس
یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص جسکا خاندان پشتوں تک ایک جگہ رہتا ہو اپنے آپ ہی یہ نشان لگا کر سید بن جائے۔
ہاں کوئی گھر سے باہر جا کر بیا کرے تو وہ دوسری بات ہے۔ سیدوں کے گھرانے کی عورتیں بھی اپنے گھونگھٹ میں سبز ریشمی

سوتی کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا بطور نشان اپنے کپڑوں سے لگا لیتی ہیں۔ مکانوں سے باہر یہ نشان عورتوں پر شاذ و نادر دیکھا جاتا ہے۔ شاید یشمق بازیچہ کے پیچھے چھپا ہوا ہوتا ہوگا۔ فریجہ اُس گھیرے دار جبّہ کو کہتے ہیں جسے تمام عورتیں گھروں سے باہر نکلتے وقت گردن سے پاپوش کی ایڑیوں تک پہن لیتی ہیں جو تقریباً سب عورتوں کی اعلے درجہ کے ولایتی چمڑہ کی ہوتی ہیں۔ یشمق اب وہ نہیں رہگیا جو دس برس پہلے تھا۔ موجودہ یشمق چہرہ کو چھپانے کا مطلق کام نہیں دیتا۔ سلطان المعظم نے اسبارہ میں سخت احکام جاری کر رکھے ہیں۔ مگر کوئی عورت اُنکی تعمیل کی پروا نہیں کرتی۔ آجکل اکثر صرف پیشانی کو باریک سی سفید ململ کے نقاب سے ڈھانپ کر نقاب کا باقی حصہ ٹھوڑی کے نیچے گچھا کر دیتی ہیں۔ وہ دوہری پٹی جو آدھے چہرہ اور ناک پر ہوتی تھی اب بالکل غائب ہوگئی ہے۔ یا صرف اُسوقت پہن لیجاتی ہے جبکہ اُب شہر میں عام تفرجگاہوں میں ہوں یا اپنی قائقوں میں بیٹھکر خلیج گولڈن ہارن اور باسفرس کی سیر کر رہی ہوں پرانی طرز کے نقابوں کا رواج ہٹ جانے سے قسطنطنیہ کے بازاروں سے ایک بڑا دہوکہ اور چھلاوا دور ہوگیا ہے۔ ان نقابوں سے انسان کی طبیعت خواہمخواہ اُلجھتی تھی کہ ضرور کچھ تو ہے جسکی یہ پردہ داری ہے۔ سفید پٹیوں میں صرف آنکھیں دکھائی دیا کرتی تھیں جو تنہا دیکھے جانے پر کمال سیاہ طرحدار مست اور دلآویز نظر آتی تھیں۔ اُسوقت خواہمخواہ یہی خیال ہوتا تھا کہ اس یشمق کے نیچے حور کا چہرہ پنہاں ہے۔ مگر اب نقشہ ہی بدلگیا ہے۔ باریک یشمقوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ سب سراب ہی تھا۔ ورنہ پہلے بھی وہی زرد رنگ اور نحیف چہرے ہوتے تھے۔ جو اب دکھائی دیتے ہیں۔ ترکی مستورات کے حسن کی یہ کیفیت دیکھکر مجھے اکثر تعجب ہوتا تھا کہ شاید اُنکے حرم سراؤں میں آئینہ کا عام رواج نہیں ورنہ وہ اس بضاعت پر اپنے یشمقوں کو کبھی باریک نہ کرتیں۔

مگر قہوہ خانہ کے دریچے میں بیٹھے ہوئے متحرک انبوہ کے لباسوں یا خط و خال کی پوری پوری چھان بین کرنیکی اصلا فرصت نہیں ملسکتی جو کچھ تمہیں دیکھنے نظر آئیگا وہ یہی ہے کہ متحرک دہوپ اور چمک اور سایہ اور رنگ آپسمیں ملجلکر عجب شاندار کھچڑی بنا رہے ہیں۔ مشرقی و مغربی طرز معاشرت کا عجیب نا اجتماع اور گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ادھر ایک نہایت ہی صاف اور شستہ پوشاک کا آدمی ہے اور اُدھر اُسکے شانہ بشانہ غلیظ ترین انسان موجود ہے۔ یہاں ایک فوجی ایجوٹنٹ زریں کمر بند لگائے عرب گھوڑے پر سوار جا رہا ہے اور دوسری طرف ایک کمال بدبخت اندھا اور لنجا گدا گر ہاتھ پھیلائے "ان پارہ" (ایک پیسہ) راہ خدا دیتے جاؤ کی مسلسل ہانک لگا رہا ہے۔ اسجگہ کوئی سید آل رسول سبز عمامہ باندھے جاہ و تمکنت کیساتھ

آہستہ آہستہ چلا جا رہا ہے اُسکے قریب ہی نہایت زرد رنگ کوئی ترکی لیڈی سفید و سیاہ فرجیہ میں چھپی ہوئی بےفکرانہ جا رہی ہے اور اُسکے پیچھے پیچھے اسکی شوخ چشم حبش کنیز ہے جسکا نقاب اپنی خاتون کے نقاب سے بھی ہلکا اور ڈھیلا ڈھالا ہے۔ کہیں کوئی متبرک صورت درویش ہلکا خاکی۔ ہلکا سبز یا فولادی بھورے رنگ کے کپڑے اور لمبی نوکدار کلاہ پہنے سر و چشم جھکائے چلا جا رہا ہے۔ کہیں کوئی نوعمر نوجی طالب علم جسکی عمر غالباً بارہ برس سے زیادہ نہیں چست وردی ڈانٹے اکڑتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایک نرشر و حبشی غلام اسکے ساتھ ساتھ ہے اور اگر وہ لونڈا ذرا بھی دائیں بائیں ہو تو فی الفور اُسے گھونسہ رسید کر دیتا ہے۔ یہ نظارہ کچھ دیر آنکھوں کے سامنے رہتا تھا کہ لو یکبارگی انبوہ پھٹ جاتا ہے اور ایک شاندار گاڑی اُسمیں سے بجلی کی طرح کوندتی ہوئی گذر جاتی ہے۔ اسمیں غالباً کوئی سفید ریش چست کوٹ۔ متین۔ ثقہ وزیر سلطنت سوار تھا جو سلاملق کو جا رہا ہوگا۔ یا یلدیز کوشک سے مابعالی کو واپس آ رہا ہوگا۔ اگر گاڑی بند بر دام تھی اور اُس سے آگے اردلی کے بھی کچھ سوار تھے۔ تو سمجھ لو کہ اُسمیں خاندان قیصری کے بیشمار شہزادوں میں سے کوئی نحیف بدن و نفیس مزاج زرد رو نیم دق زدہ شہزادہ سوار تھا۔ انسانی سروں کا یہ دریا سفید دھوپ میں اُدھر سے اُدھر لہریں مارتا رہتا ہے۔ اس سے پرے سمندر کا شفاف نیلگوں پانی اور اسی رنگ کا آسمان اور دور فاصلہ پر پہاڑیوں کی باریک سی دھاریاں نظارہ کی دلفریبی کو نہایت درجہ تک بڑھاتے دیتی ہیں۔ یہ درخشاں سیلاب پُل پر سے اس طرح گذرتا رہتا ہے جسطرح پگلی ہوئی دھات کی دھار بھٹی سے نکلکر دوڑتی ہوئی سانچہ میں گرتی رہتی ہے۔ اور کل نظارہ کچھ ایسا دلکش اور دلآویز ہے کہ انسان کے حواس تقریباً مبہوت ہو جاتے ہیں +

اس کا یہ حیرت افزا اثر صرف نوواردوں پر ہی نہیں پڑتا۔ بلکہ تم دیکھوگے کہ وہ موٹا تازہ توندل یونانی بھی جو تمہارے قریب چرمی بنچ پر بیٹھا ہوا ہے اس نظارہ کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ طفولیت سے اسکی آنکھیں اُس سے مانوس ہو رہی ہیں اور اُسکے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ وہ باورچی ہے اور اُسکی آنکھیں صفرا زدہ ہیں تم کو اُسکا باورچی ہونا اس سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ وہ نارگیلا (حقہ) پی رہا ہے۔ اور جن لوگوں کی قسطنطنیہ کے قہوہ خانوں میں عام آمد و رفت رہی ہے اُنسے پوشیدہ نہیں کہ تمباکو نوشی کی یہ طرز تقریباً محض اسی پیشہ والوں کی پسندیدہ خاطر ہے۔ وہ چولہے میں آگ کو روشن رکھنے کی مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے۔ مگر اسکے اور سبز حقہ کی آواز کے باوجود غلطہ پل کے دوپہر کے وقت کے دلفریب منظر سے اسکی بیمار و زرد آنکھیں ایک لحظہ

کیلئے نہیں ہٹتیں - صوبجات متحدہ امریکہ کے مغربی ساحل کے مشہور بندرگاہ سان فرانسسکو سے لیکر چین کے دارالخلافہ پیکن تک کل دنیا میں اُسکی نظیر موجود نہیں - اور نہ کوئی اور منظر ایسا دلفریب - وضعدار، شوخ، شگفتہ، مختلف الانواع اور جامع اتضادات و عناصر مختلفہ ہے - ان بیشمار آدمیوں میں سے جو ہر لحظہ نظر سے گذرتے ہیں - اور انسانی بود و باش کے دو حصوں (استنبول و پیرا) کے درمیان جو صرف ایک تنگ سے راستے سے آپسمیں ملے ہوتے ہیں شہد کی مکھیوں کی طرح ادہر سے اُدھر تانتا باندھے ہوئے ہیں - وسعت کی قطع وضع اور تراش خراش کی پوری کیفیت نظم و نثر یا افسانہ میں بیان کرنی حیطۂ انسانی سے خارج ہے - بیان کرنا تو درکنار انسانی تصور کے پلے ثبات ایسا کرنے کی کوشش سے ہی ڈگمگا جاتے ہیں +

قسطنطنیہ کا منظر

اول اول قسطنطنیہ کو دیکھنے پر جو نقشہ میرے دل پر قائم ہوا اُسے میں مدت العمر فراموش نہیں کرسکتا - اُس سے بعد خوش نصیبی سے مجھے کئی مرتبہ قسطنطنیہ کو سال کے مختلف موسموں اور دن کے مختلف وقتوں اور حصوں میں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے - مگر پہلی دفعہ کے نظارہ کی دلچسپی اور خوبصورتی کو مابعد کا کوئی نظارہ نہیں پہنچا - مجھے یاد ہے کہ فروری کا مہینہ تھا جب کہ ہمارا اسٹیمر بحیرہ مارمورا سے باسفرس میں داخل ہوا - اُسوقت سخت برفباری ہو رہی تھی - برف کے پہنبے ایسی سرعت و کثرت کے ساتھ گر رہے تھے کہ بمشکل کوئی عمارت بھی صاف صاف دکھائی دیکتی تھی - مگر جونہی ہمارا جہاز جامع ایا صوفیہ کے بالمقابل پہنچا - برف یکبارگی بند ہو گئی - بادل ہٹ گئے صاف نیلگوں آسمان برآمد ہو گیا اور ہمارے پیچھے سے صبح کا آفتاب نکل آیا جس سے استنبول پر روشنی چھا گئی - اسوقت کا سماں کمال حیرت افزا تھا - ہر ایک گنبد اور مینار برف سے ڈھپا ہوا تھا - اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا تمام خوبصورت شہر چاندی کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے - اور پھر صناع و دستکاروں نے اُسپر طرح طرح کی کندہ کاری کردی ہے - نازک مینار روشنی کی کرنوں کی طرح سر بفلک دکھائی دینے لگ گئے - اور سیاہ شمشاد چاندی کے معلوم ہوتے تھے - حتی کہ بدی قلعہ بھی جو مغربی فصیل کی انتہا پر واقع ہے خالص سنگ مرمر کا مکان نظر آتا تھا صرف سمندر کا رنگ اور تھا - چند لحظہ پہلے وہ غلیظ و کثیف سا تھا - اب دھوپ کی چمک سے وہ یکلخت سخت نیلگوں رنگت کا ہو گیا جو نیلم کی بجائے زیادہ تر لاجورد کے مشابہ تھی -

اس نظارہ کی کیفیت ہرگز بیان نہیں ہوسکتی - نہ ویسا منظر میں نے عمر بھر دنیا کے ×××××××××××××× کسی اور حصہ میں دیکھا ہے - یہ کیفیت چند لحظے ہی اپنی جھلک دکھا کر کافور ہو گئی - ابر پھر گھر آئے - روشنی دھیمی

برف پڑنی شروع ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر تک بارش اور بعد ازاں اور برفباری ہوئی۔ اُسوقت ہم خشکی پر پہنچ گئے ہوئے تھے۔ گلیوں کے کیچڑ۔ سنسانی۔ پت نالوں کی بوچھاروں اور سرد ہوا کے جھونکوں سے جوتی کے گودی کو بھی پیچ تاب ہی تھی ہماری بُری گت بنی اور دل یہی چاہتا تھا کہ فوراً ہوٹل پہنچ جائیے تاکہ اُسکے کسی آرام دہ کمرے میں آتشدان کے پاس بسیرا کیا جائے۔ ممکن ہے اس دوسری کیفیت نے ہی پہلی کیفیت کو دماغ کے خانۂ یادداشت میں اُسکی قدرے زیادہ نمایاں جگہ دلادی ہو۔ مگر یادداشتکے بعض سلسلے کچھ ایسے خوشگوار ہوتے ہیں کہ انسان کو اُنپر کچھ تاسف نہیں ہوتا +

تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے مینے قسطنطنیہ کی تصویر کو ایک اور روشنی میں جو پہلی سے بالکل ہی مختلف تھی دیکھا ایک دن مجھے محلہ قاضی کوئی[۱] میں دیر ہوگئی۔ اور شام پڑگئی۔ مگر چونکہ رات ضرور پیرا واپس جانا تھا مینے چار چپوں کی قائق کرایہ کرلی گرمی کی بہار تھی۔ چاند چھٹی یا ساتویں رات کا تھا۔ اور خوب روشن چمک رہا تھا۔ مگر شمال کی طرف دور فاصلہ پر کچھ ابر دکھائی دیتے تھے اور سطح سمندر پر سرد و تیز ہوا چل رہی تھی کشتی آہستہ آہستہ چلی جارہی تھی کہ بادل بڑھتے بڑھتے چاند تک پہنچگئے۔ اور جب ہم توپ کاپے کے مقابل پہنچے تو طوفان رعد و برق پورے زور سے شروع ہوگیا۔ یکبارگی کمال تاریکی چھاگئی اور پل کے لیمپوں کی دھندلی روشنی اور سمندر کی سفید جھاگ کے بغیر جو سامنے نظر آرہی تھی اور سب چیزیں دکھائی دینے سے رہگئیں۔ پانی کی بڑی بڑی بوندیں برسنے لگ گئی تھیں لیکن ملاح روشنی کے مینار موسومہ "مینار لینڈر" کی سرخ روشنی کی مدد سے جو ہمارے عقب اور دایاں رُخ تھا کشتی کو برابر کھیتے گئے۔ اتنے میں بجلی بھی چمکنی شروع ہوگئی تھوڑے تھوڑے لمحوں کے بعد اُسکی چمک سے دونوں شہر پیرا اور استنبول ایسے روشن ہوجاتے کہ دور دور کے مکانات کے دریچے اُن کی عمارتوں کے دیگر جزئیات لو حتی کہ مسجدوں کے میناروں پر کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی صاف دکھائی دیجاتیں۔ اُسوقت بعینہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر آگ کے شعلوں سے مشتعل ہوگیا ہے جو دوسرے ہی لمحہ بجھ جاتے ہیں اور پھر یکبارگی روشن ہوجاتے ہیں۔

قسطنطنیہ کا سب سے بہتر نظارہ جسکا اثر بہی دیر پا رہتا ہے۔ گرمی کے موسم میں نظر آتا ہے۔ اُن دنوں مسلسل دھوپ کی کرنوں سے ہر گلی کوچہ اور کونہ صبح سے شام تک یکساں روشن رہتا ہے۔ اور اُسکے سامنے تاریکی و سایہ اس طرح غائب ہوتا جاتا ہے جسطرح گرمی نمی کو چوس لیتی ہے۔ اُس موسم میں نم

[۱] قاضی کوئی ایشیائی ساحل پر اسکودر کے قریب واقع ہے۔ اور پیرا یورپی ساحل پر غلطہ کے اوپر۔ (مترجم)

دیکھو گے کہ اُن ساقیوں کو جو سلطان احمد کے خوبصورت فوارہ کے زرین جنگلہ کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں مومن و کافر بلا تمیز مذہب کل پیاسوں کو ٹھنڈے پانی کے چھوٹے چھوٹے کٹورے دینے سے ایک لمحہ کی فرصت نہیں ملتی۔ یہ وہ دن ہیں جبکہ گلیوں کے کتے آپسمیں لڑنا جھگڑنا بھول جاتے ہیں اور روشن سایہ میں جو دوسرے شہروں کی دھوپ کے برابر ہوتا ہے گرمی سے ہانپتے ہوئے لیٹے رہتے ہیں۔ اور دلسے دعا کرتے رہتے کہ ہر ایک رہگذر رحمدل ترک ہو جو اُنکو تکلیف دینے کی بجائے خود ایک قدم پرے ہٹ کر گذر جائیگا۔ کوئی یونانی یا ارمنی نہ ہو جو خود ایک گز پرے ہو جانے کی بجائے بیچارے کتوں کو بوٹ کی ضربے سڑک کے نصف پار پھینکدیگا۔ محل توپ کاپو سرائے کا ایوان اور مسقف ستونوں میں گلگشت کرنے کا مزا بھی اسی موسم میں آتا ہے اس محل میں ایک مختصر سا کتب خانہ بھی ہے۔ جسمیں خاندان عثمانیہ کے سلاطین کی عجیب اور حیرت بخش تصویریں رکھی ہیں۔ مگر وہ ہر ایک کو نہیں دکھائی جاتیں۔ محمد فاتح۔ بایزید صوفی۔ سلیمان عظیم الشان۔ احمد اول۔ بانی شش مینار جامع مسجد۔ محمود مصلح قاتل ینگچریاں در رواج دہندہ فیس اور دیگر اکثر سلاطین نے اسی وسیع و فراخ محل میں اپنی زندگیاں بسر کی تھیں۔ یہ سلاطین تھے تو ایک ہی خاندان کے مگر ہر ایک کی اُمنگیں اور خواہشیں ایکدوسرے سے بالکل مختلف تہیں بعض ایسے عیاش منش تھے کہ جن خیصروں کے وہم و گمان میں بھی ویسے عیش عشرت کے سامان کبھی نہ گذرے تھے بعض سپاہی منش اور سادہ طبیعت اور سخت مزاج چند کمال رحمدل۔ اور بعض سفاک و خونخوار۔ مگر مطلق العنانی میں البتہ سب یکساں تھے۔ فرق یہ تھا کہ بعض اصولاً اسکے قائل تھے مگر عمل نہیں کرتے تھے بعض اسپر عامل تھے۔ اور باقی میں دونوں باتیں نہیں۔ ان سب کی تصویریں وہاں موجود ہیں ہر ایک بادشاہ پورا مسلح۔ شاندار درباری پوشاک میں ملبوس اور مرصع کلغی دار عمامہ باندھے ہوئے ہے اکثر کے چہروں پر درشتی اور جلال برستا ہے اساسے وہ بھی خالی نہیں جنکے بشروں پر زنانہ عیش و عشرت کے بھی تھوڑے بہت آثار پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ سلطان صرف بادشاہ و شہنشاہ کا مرادف ہی نہیں بلکہ "ہنکار" (زلفظ ہنکیار) قاتل انسان کا بھی لقب کہلاتا ہے۔ محل کی ڈیوڑھی میں دونوں پھاٹکوں کے درمیان ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جو مقتل کا کام دیتا تھا۔ وہیں بیشمار پاشا۔ وزرا اور ارکان سلطنت جلاد کی کی کمان کا شکار ہوئے تھے۔ چند لمحہ پہلے اُنکے دلوں میں ارمان ہوتے تھے کہ سلطان ہم پر یہ نوازش کریگا۔ اور ہمیں فلاں عزت بخشیگا۔ مگر اُنکو یہ خبر نہ تھی کہ قضا سر پر کھیل رہی ہے۔ سمندر کی طرف محل میں ایک چھوٹا سا

پہاٹک ہے۔ اُسکی نسبت بیشمار روائتیں مشہور ہیں مگر وہ ویسی مستند تاریخی واقعات نہیں جیسے کہ متذکرہ
صدر کمرہ "جلاد اوداسی"[۱] کے متعلق روائتیں منتشر ہیں عام روایت یہ ہے کہ جن کنیزوں پر سلطان کا غضب
وارد ہوتا انکو ٹاٹ کے تہیلوں میں جنہیں پتھر وغیرہ ڈالکر بوجہل کر دیا جاتا تہا بند کرکے اس دروازہ کے
راستہ سمندر میں پہینک دیا جاتا تہا جہاں انکا جسم مچھلیوں کی خوراک بنجاتا تہا۔ لیکن اگر تمہارے ساتھ کوئی
یونانی راہنما ہو۔ تو وہ تمہیں قسمیں کہا کر یقین دلائیگا کہ پہلے سلطان مقتول یونانیوں کو یہ بتانیکے لئے جسمانی
عقوبت پہنچایا کرتے تھے کہ اُنہوں نے اپنا زر ومال کہاں چھپایا ہوا ہے۔ اور پہر اُنکی لاشوں کو اس دروازہ کے
راستہ سمندر میں پہنکوا دیا کرتے تھے لیکن سلاطین نے عیسائیوں کو جو شاہی سندات عطا کی تہیں
اُنہیں دیکھکر اس روایت پر مطلق اعتبار نہیں ہوسکتا۔ مزید براں خود عیسائی مورخین کی کتابوں سے بھی
اس امر کی بہت ہی کم (جو نہ ہونے کے برابر ہے) تصدیق ہوتی ہے۔ البتہ خاتونان حرم کے قصہ کے متعلق
کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اُنکے حالات بیرونی دنیا کو شاذ ونادر معلوم ہوسکتے تھے۔ اس وسیع عظیم الشان محل
کے کمروں میں سیاح کو عالم تصور میں ابتک یہی محسوس ہوتا ہے کہ ابتک نازنینان حرم کی دلاویز آنکھیں
سفید یشمقوں میں سے اُسے دیکھ رہی ہیں۔ اس کتب خانہ کے شاہی مرقعوں میں کسی بیگم کی تصویر نہیں ہے

یہاں کی دوکانداری اور خرید وفروخت بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ انگریزی میں مثل ہے کہ ہر شخص کا
گھر اُسکا قلعہ ہے۔ یہ ٹرکی میں ہر ایک شخص کی دوکان پر لفظاً ومعناً زیادہ صادق آتی ہے۔ ہر گاہک کا دوکان
کے سامنے نمودار ہونا اُسکو باقاعدہ محاصرہ کرنیکے برابر ہے۔ ٹرکی میں سودا پختہ کرنے پر لازمی طور سے بہت
وقت صرف ہوتا ہے۔ اور یہی تعویق غالباً بازاروں میں ہر وقت انبوہ رہنے کا باعث ہے۔ اگر کوئی شخص
کسی ایسی چیز کے خریدنے کا خواہشمند ہو جسکی قیمت عام معلوم یا از روئے رواج مقرر شدہ ہو تو خریدنے سے پہلے
اُسے کئی مرتبہ دوکاندار کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اگر ہر شخص کی نسبت قیاس کر لیا جائے کہ اُسے چار مرتبہ
جانا پڑتا ہے تو اسکا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہوگا کہ بازار کے پیچ در پیچ رستوں اور بغلی گلیوں میں
فی الواقع کاروبار اور خرید وفروخت کی مقدار کے مطابق جسقدر آدمی ہونے چاہئیں اُس سے چوگنی موجود
رہتے ہیں۔ یہ طریق واقعی بڑا تکلیف دہ ہے۔ جسوقت اول اول مطلوبہ شئے نظر آئے تو تم کو بالکل انجان بن جانا
چاہئے اور اپنا چہرہ ایسا قایم رکھو کہ گویا تمہیں اُس چیز سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ پہر دوکاندار سے کم ازکم

[۱] جلاد اوداسی کے لفظی معنی ہیں جلاد کا کمرہ۔ بیکرہ "دروازہ" اور طہ کا پل" یعنی محل کے بڑے دروازہ کے نیچے ہے (مترجم)

سو مختلف چیزوں کی قیمت پوچھو اور اُنہی میں اُس خاص چیز کی قیمت پوچھو۔ اگر تم چھوڑ جاؤ گے تو سوداگر کو یہ
ہوجانا امکان میں داخل ہے کہ تم فی الواقع اُسی چیز کے متلاشی ہو۔ معائنہ سے فارغ ہو کر قہوہ کی پیالی طلب کرو
اور دوکاندار سے کہدو تم نے کوئی چیز خریدنی نہیں تھی محض تفریح کیلئے قیمتیں پوچھتے رہے تھے۔ اسکے بعد
چند دنوں کا وقفہ کر کے پھر جاؤ اور متعدد اشیا کا مول کرا کر واپس چلے آؤ۔ تیسری مرتبہ اگر تم شئے مطلوبہ کو
زیادہ غور سے دیکھو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جو دام دوکاندار کہے اُسکا تیسرا حصہ اُسے بتا دیو۔ چوتھی مرتبہ
معرکہ کی تیاری کر کے جاؤ۔ دوکاندار نے اگر دیکھ لیا کہ تم بجد متمول اور غیر مستقل مزاج نہیں تو غالباً قیمت مطلوبہ
کی دو تہائی پر فیصلہ ہو جائیگا۔ اور اسمیں تم گھاٹے میں نہ رہوگے۔ لیکن دوکاندار کے سلمان یا یہودی ہونیکی
شرط لازمی ہے۔ عیسائی دوکاندار تو سر سے پاؤں تک مونڈ لیتے ہیں۔ اُنسے ایسے بچتے رہو جیسے طاعون سے
یہ طریقہ بجائے خود بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ان متواتر چکروں اور دردسر کا معاوضہ کافی ملجاتا ہے۔ بازار
میں ہر ایک چیز پُراسرار ہے اور اکثر خوبصورت بھی ہیں۔ اس ہیرا پھیری میں تمہیں اُنکی مفت میں سیر ہو جاتی
بازار کیا ہے؟ فصیلدار شہر کے اندر دوسرا فصیلدار شہر ہے اور اس دوسرے شہر میں ایک ناممکن التسخیر
قلعہ بنا ہوا ہے جسکے چاروں طرف تنگ گلیاں اور تاریک کوچے اور راستے موجود ہیں۔ کل مجموعہ پر جسکے پیچ
در پیچ راستے بھول بھلیاں کو پرے کرتے ہیں اور خود وہاں کے رہنے والے بعض اوقات اُنمیں چکرا جاتے ہیں
ڈاٹ دار سقف ہے جسپر دریچہ دار چھوٹے چھوٹے گنبد روشنی کیلئے بنے ہوئے ہیں اس چھت کے نیچے دنیا کے
ہر حصہ کے باشندوں کا جم غفیر کاروبار میں مصروف ادھر اُدھر چکر لگاتا رہتا ہے اور ہر دوکان اور کنج مغربی
تہذیب اور مشرقی صنعت کی ہر ایک پیداوار سے اٹا ہوا ہے۔ مگر مشرقیت کی بو ہر طرف پائی جاتی ہے۔ یہ وہ
بو ہے جو نو واردوں کو تو بہت پیاری معلوم ہوتی ہے۔ مگر اُن یورپینوں کو جنہوں نے مشرق میں بود و باش
اختیار کرلی ہو سخت ناگوار گذرتی ہے۔ الغرض کل دنیا میں بجز استنبول کے بازار "چارشی" کو ہی حاصل
ہے کہ یورپ۔ ایشیا۔ اور افریقہ تینوں براعظموں کی پیداوار ایک جگہ ایکدوسرے سے ملی جلی ہوتی موجود پائی جاتی ہے
سب مرکزوں کا مرکز اور قسطنطنیہ کے سوداگروں کا محفوظ امانت گھر اور قلعہ "بازستان" زرہ فروشوں کی
منڈی ہے چارشی کے اس اندرونی حصہ میں کہا جاتا ہے بے انتہا زر و دولت موجود ہے۔ ہر قسم کے سکے
جواہرات۔ جملہ قسم کے قیمتی پتھر۔ ریشمی قالین۔ بیش بہا اثاثہ اور کارچوبی پارچات۔ سونا چاندی۔ اسلحہ
اور ہر قسم کی مشرقی دستکاری کے بیش قیمت نمونے لکڑی کے صندوقوں میں ایسی بے ضابطی سے رکھے

ہوتے ہیں کہ یورپین دیکھکر حیران رہجاتا ہے۔ ان صندوقوں کو کم بیش آہنی پتریاں اور پٹیاں تو لگی ہوتی ہیں مگر قفل معمولی قسم کے ہیں۔ تاہم آجتک بازستان میں کبھی کوئی چوری نہیں ہوتی۔ اسمیں بڑے بڑے مضبوط پھاٹک ہیں جو شام کو سویرے بند کئے اور زیادہ دن چڑھے کھولے جاتے ہیں۔ اور سوداگروں اور دیگر امانت جمع کرنیوالوں نے بیشمار چوکیدار نوکر رکھے ہوتے ہیں جو مشرق کے قدیم طریق کے مطابق جسکا یورپ میں بھی عنقریب رواج ہونیوالا ہے دن رات پہرہ دیتے رہتے ہیں عجیب و غریب قفلوں اور زنجیروں و بلیوں کے بنانے میں صدیوں تک اپنی ذہانت صرف کرکے یورپ کو اب یہ سمجھ آنی شروع ہوگئی ہے کہ سب سے بڑھکر حفاظت صرف زیادہ روشنی اور معتبر چوکیدار سے ہو سکتی ہے۔

اس جگہ جو سوداگری کا مال یا قدیم اشیاء فروخت کے لئے جمع ہیں انکی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کرنا بے سود فضول ہے۔ ایسی فہرست ایکسو جلدوں میں بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ وہاں کوئی دو چیزیں یکساں نہیں وہاں انسان مشرق کی دستکاری کی مقدار عظیم۔ اسکی مختلف اقسام اور گوناگونی اور صنعتی خوبصورتی دیکھکر دنگ رہجاتا ہے۔ اہل مغرب ان امور سے بیس برس گذشتہ کی نسبت اب زیادہ باخبر اور واقف ہیں۔ اُسوقت تو ایک معمولی تربیت یافتہ یورپین کسی قالین کو دیکھکر یہ تمیز نہیں کرسکتا تھا کہ آیا یہ فرانس کے شہر جیبرڈ کی ساخت ہے یا سمرنا کی۔ لیکن ان دستکاریوں کو دیکھکر انسان کے دل میں خود بخود یہ سوال اُٹھتا ہے کہ اگر وہ بیشمار آنکھیں جو "فضول کتابوں" کی تحریر میں دن رات غرق رہتی ہیں۔ اور وہ بیرون از حد و حساب انگلیاں جنکا بڑا کام یہ ہے کہ اُنجنوں کے ہاتھوں کی طرح بیکار رہیں کسی ایسی مفید چیز کی تیاری میں مصروف ہوں جو مشین کی نہیں بلکہ ہاتھ سے بنائی گئی ہو تو کیا دنیا اب سے زیادہ دولت مند اور زیادہ خوبصورت نہ ہو جائے۔

قسطنطنیہ کی دلفریبی زیادہ تر اُن تین سمندروں کی بے نظیر خوبصورتی پر منحصر ہے جو اُسکی دیواروں کے نیچے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اور ان تین سمندروں کی شہرت زیادہ تر اُنکی قایقوں کی طفیل ہوتی ہے یہ امر متنازعہ فیہ اور قابل تصفیہ ہے کہ آیا ترکوں نے اہالی وینس کی کشتی موسومہ گنڈولا کی نقل اُتاری ہے یا وینس والوں نے ترکی قایق کی۔ لیکن ان دونوں میں ایسی زبردست مشابہت ہے کہ یہ یقینی امر ہے کہ اُن دونوں کی اصلیت مشترک ہے۔ گنڈولا سے اُسکی چھتری اُتار لو اور منقار نما اگلے حصہ کو ہٹا دو تو جو باقی رہجاتا ہے وہ ہو بہو قایق ہے۔ قایق اپنے جسم اور جسامت کے برابر کی تمام دوسری کشتیوں کی نسبت کمال آرام دہ اور بآسانی قابو میں رہتی ہے۔ باقی رہے انکے ملاح وہ ترک ہوتے ہیں جو یورپ بھر میں بہترین

ملاح ملتے گئے ہیں۔ اگر وہ ایسے نہ ہوں تو ایکدن کام نہ کر سکیں۔ باسفرس اور گولڈن ہارن ہر قسم کی کشتیوں اور جہازوں سے پر رہتے ہیں۔ اور انکا پانی اس تیزی سے بہتا ہے کہ ذراسی غفلت بھی مہلک اثر رکھتی ہے۔ مزید برین ان کشتیوں کو عموماً فاصلے بھی ایسے لمبے لمبے طے کرنے پڑتے ہیں کہ معمولی لیاقت کا کشتی بان محض تفریح یا کثرت کے لئے ان کو طے کرنا گوارا نہ کرے۔ ایسے دریا میں جسکی دھار بعض بعض جگہ چار پانچ میل فی گھنٹے کی رفتار چلتی ہو دھار یا رو کے مقابل ۱۵ یا سولہ میل تک کشتی کو کھینا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

اجنبی اکیلا ہو تو ایسی صورت میں قایق سے محترز رہتا ہے کیونکہ ایک تو وہ کشتی بانوں سے کرایہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ یا اگر رہنما ساتھ ہوا اور اُسنے سودا کرا دیا تو ملاحوں کے علاوہ نفر اسی اکیلے کی صحبت میں بیٹھنا پڑتا ہے اور اور وہ مسلسل بکواس کرتے رہنے سے دماغ کو چاٹ جاتا ہے مگر یہ سواری نہ کرنے سے وہ گھاٹے میں رہتا ہے کیسی جمعہ کی سہ پہر کو گولڈن ہارن میں ایسے وقت جبکہ کشتی بحری کارخانہ سے پرے کی چوڑی کھاڑی میں داخل ہو اور سورج پہاڑی کے عقب میں ہو گیا ہو خاموش ملاحوں کے بالمقابل کسی ساتھی کے بغیر تن تنہا گدگدی گدیلوں پر سہارا لگا کر لیٹے ہوئے سگرٹ پیتے رہنے سے جبکہ کشتی تیزی کیساتھ سطح آب پر تیرتی جا رہی ہو وہ کیفیت حاصل ہوتی ہے جو ذوق نہیں بھول سکتی۔ خلیج جابجا تنگ اور چوڑی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں وہ چوڑی ہو گئی ہے تو کچھ آگے جا کر پھر یکبارگی تنگ ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح پھر چوڑی اور پھر تنگ۔ سایہ اور روشنی دوش بدوش پڑ رہی ہیں۔ سبز پہاڑیوں کا عکس برابر پانی میں پڑتا رہتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ہلکی پھلکی کشتیوں کی رفتار سے پیدا شدہ ننھی ننھی سی موجیں۔ تیلانی جیبوں یعنے ملاحوں اور مردانہ سواریوں کی سرخ ٹوپیاں۔ سفید براق قمیصیں اور زرق برق کی پوشاکیں۔ اور زنانہ سواریوں کی سیاہ مخملی گونوں اور زرد بچوں کے گوناگون رنگ عجب دلکش سماں بنا رہے ہوتے ہیں۔ جہاں دریا (خلیج) چوڑا ہو وہاں کل کشتیاں دنتی پنکھے کی طرح اُسکی سطح پر پھیل جاتی ہیں اور ہر ایک کشتی والے کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ تنگ موقعوں پر سب سے اول وہی پہنچے۔ ان تنگ موقعوں پر کشتیوں کا پھر ہجوم ہو جاتا ہے۔ اور اُسوقت ملاحوں کی اُستادی ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ وہ بھیڑ میں سے کس طرح اپنی کشتیوں کو چلائے رکھتے ہیں اور کوئی تصادم نہیں ہونے دیتے الا شاذ و نادر اگر ایک کشتی دوسری سے چھو جائے تو طبیعت پر کیسا ضبط رکھتے ہیں اور ایکدوسرے سے قطعاً سخت کلامی یا گالی گلوچ نہیں کرتے۔

ان تنگ حصوں میں جابجا خوبصورت چوبی پل بنے ہوئے ہیں۔ اور خلیج کے کنارے ان موقعوں پر پست اور سبز گھاس سے ڈھپے ہوئے ہیں۔ کشتیاں ان پلوں کے نیچے سے عجیب پھرتی کیساتھ گذرتی ہیں

کناروں پر جابجا چھوٹے چھوٹے گھنے جھنڈ ہیں۔ ہر ایک جھنڈ میں قہوہ فروش اپنی چھوٹی سی انگیٹھی جس پر ہر وقت کوئلے دہکتے رہتے ہیں پانی کی صراحی اور صفا پیالیوں کی قطار لگائے بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ ان کناروں پر اور مرغزار میں کیتوں کے کتنے ٹھنڈے گھنے سایہ میں ساری سہ پہر آرام کرتے رہتے ہیں۔ عورتیں اور بچے گھاس پر ایک طرف جھرمٹ باندھے ہوتے ہیں۔ اور مرد انکے کسیقدر فاصلہ پر آپسمیں مل کر بیٹھے ہوتے ہیں عورتیں فریجوں سے سارے جسم کو لپیٹ کر اور اپنے یشمقوں سے خوب احتیاط سے چہروں کو چھپا کر بیٹھتی ہیں قیصری بنگلہ کے قریب درخت زیادہ گھنے ہیں۔ اور لوگوں کا ہجوم بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے۔ مصری ہیں نواز اور سنہاسے بجانیوالوں کی عجیب و غریب عربی سُر دلی جنمیں سے بعض کرخت بعض سریلی مگر حیرت انگیز ہیں سب یکساں ہیں شام کی سہانی فضا میں اور دلفریبی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ لوگ آپسمیں کم بات چیت کرتے ہیں چپکے بیٹھے یا لیٹے ہوئے قدرت کے مزے لوٹتے رہتے ہیں۔ البتہ سب طرف قفلیاں بیچنے والی یہ صدا "دوندالہ قیماق" (ملائی کی قفلیاں) برابر گونجتی رہتی ہے۔ محل سے اوپر درخت اور بھی گنجان اور بلند ہیں اور خلقت کا بہت زیادہ ہجوم ملتا ہے۔ اعلے سے اعلیٰ اور نفیس سے نفیس گاڑیوں سے لیکر ٹوٹے ہوئے دہقانی چھکڑے تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوتی ہیں۔ جا بجا سائبان اور خیمے بھی موجود ہوتے ہیں یہ دوکانداروں کے ہیں اور وہاں سے تم گوشت۔ ملائی۔ پنیر۔ سادہ قفلیاں شربت قہوہ اور سگرٹ جو ہر شخص کے منہ میں ہوتا ہے خرید سکتے ہو۔

یہی وہ موقعہ جو یورپ کے آب شیریں کے نام سے مشہور ہے۔ اُس جگہ خوشگوار سایہ میں خنک آب رواں کے قریب کچھ دیر بیٹھکر مشرق کی بھینی بھینی ملائم ہوا کا لطف اُٹھاؤ۔ اور اُسوقت تک جبکہ شفق نمودار ہو جائے اور تم یقین واپس جانی شروع ہو جائیں اپنے تصورات کا مزہ اُٹھاتے ہو۔ یا اگر تمہاری طبیعت کاروباری ہو اور صبح تم خرید و فروخت کے لئے بازار میں رہے ہو اور وہاں تمہیں کسی دوکاندار نے ایرانی قالین پسند آیا ہو تو آپ وہاں لیٹ کر اُس دیہودی اسحاق یا موسے یا رعیسائی ہارشٹو یا دیانت دار ترک دوکاندار مسمی عثمان بک کو قابو کرنیکی تدابیر سوچتے رہو۔

قسطنطنیہ کا رہائشی حصہ

کاروباری محلوں کی حدود اور سرکاری دفاتر اور وزارت خانوں کے قرب وجوار پر سے قسطنطنیہ دنیا کے خاموش ترین شہروں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ یورپین لوگوں کی نظروں میں ترکوں کی خانگی

معاشرت پر اسرار معلوم ہوتی ہے۔ مگر فی الحقیقت وہ ایسی مخفی چیز نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہے سوگر بلاد کی طرح
بلاد مشرق میں بھی گھر کے نوکروں کا یہی حال ہے کہ وہ اکٹھے ہو کر گپیں ہانکتے رہتے ہیں۔ اور آپسمیں عموماً ذکر
کرتے رہتے ہیں کہ آج انکے آقاؤں نے فلان فلان کھانے کھائے۔ انکی خانونیں اتنی دفعہ باہوں کو حنا سے
رنگتی ہیں۔ دن میں اتنی مرتبہ غصہ سے بے بس ہو جاتی ہیں۔ اور اسقدر رقم کی دد کانداروں کی مقروض ہیں
لیکن گو یہاں بھی سب چیزیں اُسی طرح وقوع میں آتی رہتی ہیں جس طرح کہ انسانی بود وباش کے دیگر مقامات
میں تاہم تنگ و تاریک کوچوں کے مکانات کے بند دروازے اور جالی دار کھڑکیاں نامحرم کی نظر کو ہرگز اندر
دخل نہیں پانے دیتیں۔ کاروباری حصص شہر کے مرکز یعنی بازار سے مغرب کی طرف جانے پر دوسری حصوں
کی نسبت بازاروں میں بہت کم عورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اور جو باہر نظر بھی آتی ہیں انکے نقاب زیادہ بہتر
اور چہرہ کے زیادہ حصہ پر پڑے ہوتے ہیں۔ یہاں ترکی آبادی ہے جو شہر کے وسط سے شروع ہو کر دروازہ
ایڈریانوپل اور فتحیہ مسجد کی جانب تک بڑھتی چلی گئی ہے۔ مکانات عموماً دو منزلہ ہیں اور مختلف الحیثیت۔ بعض نہایت
مضبوط اور بعض بالکل بوسیدہ اور دوسرے ان دونوں کے بین بین۔ ابھی تم کو پختہ اینٹوں یا پتھر کی نہایت
خوبصورت نفیس اور مصفا عمارت ملیگی۔ جسکے جھروکے باہر کو نکلے ہوئے ہونگے اور زینہ تک ایسے صاف و شستہ
ہونگے کہ بوٹ سمیت تم انپر چڑھنے کو دل نہ چاہے گا۔ اسکے سامنے ہی دوسرا مکان ایک چھوٹا سا چوبی جھونپڑا
ہوگا جسکے تختے اور کڑیاں ایسی بوسیدہ اور خمیدہ نظر آئینگی کہ تم اسکو دیکھتے ہی حیران رہجاؤ گے یہ مکان قائم
کس طرح ہے۔ اسکے بعد تمہیں غالباً کسی کفشدوز کم حیثیت درزی یا قہوہ فروش کا پست سا بیدر چھپر دکھائی
دیگا۔ چھپر سے آگے کسی فوارہ کا زنگ آلود جنگلہ اور بعد ازاں چار پانچ گز مربع کا چھوٹا سا قبرستان ہوگا۔
جسمیں قبروں کے سرہانے کے سنگی مینار لمبے گھاس کی طرح جھکے ہوئے یا چاروں طرف لیٹے ہوئے ہونگے۔ اس سے
آگے پھر مکانات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا جنمیں سے کوئی سیدھا اور مستقیم کھڑا ہوگا۔ اور کوئی خم کھا گیا ہوگا
پھر کوئی چھوٹی سی مسجد اُس سے آگے دوسرا قہوہ خانہ۔ بعد ازاں گلی کا سرا جہاں لاغر بدن لڑکے کرایہ کے لئے
دو یا تین مضبوط گھوڑے (جو قسطنطنیہ میں اسیطرح کرایہ پر چلتے ہیں جیسے دوسرے شہروں میں گاڑیاں) پکڑے
ہونگے۔ پھر یہ گلی دوسرے بازار یا کوچہ میں جا ملے گی۔ غرض یہ ہے نقشہ ترکی آبادی کی گلیوں کا۔ جو پہاڑی
سے اوپر نیچے بازاروں اور کوچوں کے برائے نام قابل شرم فرش پر سے گذرتے ہوئے تم کو فصیل شہر کے
قرب و جوار تک دکھائی دیگا۔ البتہ مکانوں کی حیثیت اور بناوٹ آبادی کے ہر حصہ میں تمہیں کم و بیش

مختلف نظر آئیگی فصیل کے برابر برابر زمین یکبارگی معقول فاصلہ تک پشتہ کی طرح دروازوں اور فصیل سے پرے کے کھیتوں کی سطح کے برابر بلند ہوگئی ہے -

مسجد قہریہ

ہر نووارد اور سیاح قہریہ مسجد کو ضرور دیکھتا ہے - یہ کسی زمانہ میں یونانی راہب خانہ اور پرانا کنیسہ تھی - اسکی عمارت تو مختصر سی ہے - مگر نقش ونگار اور تصویروں کی وجہ سے قابل دید ہے - مسجد کا مُلّا خالص النسل روشن خیال ترک ہے - آنکھیں نیلی - بال بھورے اور رنگ نکھرا ہوا اُسکا سبز عمامہ بتا رہا ہے کہ وہ آل رسول[1] ہے - اور وہ تھوڑی سی فرانسیسی بھی بول سکتا ہے اور اپنی مسجد کی عمارت کی خوبیوں سے ویسی ہی دلچسپی رکھتا ہے جیسی کہ کسی عجوبہ پسند یوریین سیاح کو ہو سکتی ہے - یہ اُسی کی طفیل ہے کہ مسجد کی دیواروں سے چونے کے پلاستر کے حصہ کثیر کو دور کرکے پرانے نقش ونگار اور تصویریں آشکارا کر دی گئی ہیں اور عمارت ہر وقت درست حالت میں رہتی ہے - کیونکہ جہاں کہیں ذرا سا مگر ابھی مرمت طلب ہوا اُسکی فوراً درستی کر دیجاتی ہے -

قسطنطنیہ کا نظارہ فصیل سے

مذکرہ صدر پشتہ کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا قہوہ خانہ حال میں تعمیر ہوا ہے - وہاں سے شہر کا ایسا نظارا ہوتا ہے - جو باقی جوانب کے نظاروں سے بہت ہی مختلف ہے - اس طرف سے قسطنطنیہ کی شکل ہی بالکل نئی دکھائی دیتی ہے - باسفرس سے انسان کو مسجدوں کے گنبد اور مینار کے سوا جنمیں کہیں کہیں تھوڑی تھوڑی سبزی یا سیاہ شمشاو یا سرو کے بلند درختوں کا سایہ بھی جلوہ فگن ہوتا ہے اور کچھ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے - مگر شہر کے اس سرے سے دیکھنے پر مکانوں کی نسبت درخت زیادہ معلوم ہوتے ہیں اور شہر میں ہر جگہ ہری سبزی خاکی یا لال چھتوں کے بیچوں بیچ اُبھری ہوئی نظر آتی ہے - پائیں میں اور بائیں جانب خلیج گولڈن ہارن کی شکل دکھائی دیتی ہے - زیر قدم نشیب میں مشہور قہریہ مسجد اور اسکے تین سرو ہیں اور دور فاصلہ پر سر عسکر کے برج وجالہ کی بڑی بڑی عمارتیں اور ایا صوفیا کا دھندلا سا خاکہ نظر آتا ہے -

---

[1] سبز عمامہ کا لازمی طور پر سادات کا نشان ہونا درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ خالص النسل ترک ہونا لکھا ہے اور سید ہونا لکھا بہر نوع عمامہ کا نشان غلط ہے یا مُلا ترک نہیں - (مترجم)

فصیل و یدی قلہ

شہر کے اس حصہ میں آبادی پتلی ہے۔ اور وہ بظاہر تقریباً ویران سا معلوم ہوتا ہے۔ جوں جوں زمین بلند ہوتی جاتی ہے مکان کم اور بہت سے بیڈول سے کشادہ میدان ملتے جاتے ہیں جنپر موسم بہار میں ہری ہری گھاس گرما میں بالشت بالشت بھر گرد و غبار اور سرما میں گھٹنوں تک کیچڑ ہو جاتا ہے۔

شہر کے اس طرف گولڈن ہارن سے لیکر بحیرہ مارمورا تک ۵ بر جدار مستحکم فصیل چلی جاتی ہے جسکے سامنے ایوب ایسے نامور غازی کی کوئی پیش نہ گئی اور وہ اسیجگہ مدفون ہوئے جہاں شہید ہوئے تھے۔ اور یہ وہی فصیل ہے جسنے آخری محاصرہ میں محمد فاتح کو کئی ہفتہ شہر کے اندر قدم نہ دھرنے دیا تھا۔ سمندر سے بالکل قریب قلعہ موسومہ یدی قلہ (ہفت بروج) واقع ہے جسے محمد فاتح نے تعمیر کیا ہے۔ یہ اب بالکل ویران پڑا ہے۔ اسکا فراخ صحن۔ بیشمار برج پھاٹک اور فصیلیں۔ الغرض کل وسیع و فراخ کھنڈر کا مجموعہ انقلابات زمانہ سے اب ایک بے نام و نشان ارمن ہوچی کا مسکن بنا ہوا ہے پہلے یہ شہر کا محافظ قلعہ اور گنجینہ تھا۔ پھر قید خانہ ہوا۔ جسمیں سلاطین قانون بین الاقوام و تعلقات باہمی کے من مانتے معنے کر کے اُن ممالک کے سفراء کو جنسے جنگ کا اعلان کیا جاتا تھا قید کر دیا کرتے تھے۔ بعد ازاں یہ مدرسہ کا کام دیتا رہا۔ اور اب بالکل کھنڈر پڑا ہے۔ پچھلی دفعہ جب میں وہاں گیا تو حسب معمول پتھروں کی بینڈ پر سے مشہور خونی چاہ کو دیکھنے کے لئے بیرونی دروازہ سے گذرتے وقت ایک پتھر سے جو محراب کے نیچے پڑا ہوا تھا مجھے ٹھوکر لگی۔ میں نے اسکو اُٹھا لیا۔ وہ کسی عورت کی قبر کے سرہانے کے پتھر کا ٹکڑا تھا۔ کیونکہ اسپر سورج مکھی کا پھول پتھر کو کھود کر بنا ہوا تھا۔ جو عورتوں کی قبروں کا نشان ہے۔ مردوں کی قبروں کے پتھروں پر پہلے عمامہ اب فیض کا نشان ہوتا ہے۔ پھول کے نیچے کتبہ کا کچھ حصہ موجود تھا۔ جو ابھی تک بخوبی پڑھا جاسکتا تھا پہلے عربی زبان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اُسکے نیچے ترکی میں چند الفاظ تھے جسکے معنے یہ ہیں "میں اس باغ عالم میں آئی۔ مگر مروت و احسان کا کہیں پتہ و نشان نہ پایا" معلوم ہو رہا تھا کہ آگے بھی کچھ عبارت موجود تھی۔ مگر پتھر اسجگہ سے ٹوٹ گیا ہوا تھا۔ ان الفاظ میں عجیب رقت اور درد بھرا تھا۔ خدا معلوم یہ عورت جو سالہا سے دراز سے فصیل سے باہر مدفون ہے کون تھی۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہونے لگ گیا کہ گویا اس ناشاد عورت کی روح پھر واپس آکر اس باغ عالم کے دروازہ کو کھٹکھٹا رہی ہے۔ اور التجا کر رہی ہے کہ زندگی میں تو نصیب نہ ہوا۔ اب ہی کوئی تھوڑی سی مروت اور احسان کر گذرے۔ میری چار و طرف سناٹا اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ دھوپ ملبع ہے پژمردہ جھاڑیوں

اور گرد آلود روشوں پر جو کسی زمانہ میں قلعہ کے صحن کی رونق تھا اور نیز سامنے کی ویران پہاڑی منہدم مسجد اور خونی چاہ کی منڈیر پر جو کشادہ پھاٹکوں سے پرے تھا خوب تیزی سے پڑ رہی تھی۔ اور اس ہو کے عالم میں اس ترکی عورت کی نامراد روح درمیانی محراب میں کھڑی بیفائدہ رحم و کرم کی درخواست کر رہی تھی۔ جسکو پورا کرنیوالا وہاں کوئی موجود نہ تھا۔

ارمن موچی کا بیان ہے کہ جب محمود مصلح نے نگیچریکی فوجکو نیست و نابود کیا تو کئی نگیچریوں کے سر اس کنوئیں میں پھینکے گئے تھے۔ وہ تاریک اور بہت گہرا ہے۔ پانی اسمیں اب تک موجود ہے۔ مگر مقتولین کے سروں کی کوئی کھوپری اب غالباً باقی نہیں رہ گئی ہوگی۔

قلعہ کی وسعت کا اندازہ کسی ایک برج پر چڑھنے سے بخوبی ہو سکتا ہے فصیل پر کھڑے ہونے سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ یہ برج بھی بجائے خود نہایت وسیع اور تاریک ہیں۔ اور اکثر گرداگرد چوبی خانے بنے ہوئے ہیں جنپر صرف دستی چوبی زینوں کے راستہ پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ خانے کسی وقت سپاہیوں کی خوابگاہوں کا کام دیتے تھے۔ برجوں کے اندر پیچ در پیچ زینے ایسے تاریک ہیں کہ ارمنی موچی کو راستہ دکھانے کیلئے روز روشن میں لالٹین جلاکر ساتھ لانی پڑتی ہے۔ ان برجوں کے نیچے اوپر قید خانے بنے ہوئے تھے۔ نچلے قید خانے کھڑکی دار اور بالائی بلا دریچہ تھے۔ آخری یورپین سفیر جو یہاں قید ہوا فرنچ سفیر مسمی رفن تھا جو ۱۷۹۸ء میں ٹرکی اور فرانس میں جنگ کا اعلان ہونے پر نظر بند کیا گیا۔ جس کمرہ میں اُسے قید رکھا جانا بیان کیا جاتا ہے اُسمیں روشنی کیلئے صرف ایک سلاخدار دریچہ ہے جو دو فیٹ مربع سے بھی کم ہے اور فرش سے اسقدر بلند ہے کہ بہت ہی دراز قد آدمی اُسمیں سے باہر کو دیکھ سکتا ہے۔ اس امر کا سب کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ ترک قانون بین الاقوام کو جس سادگی اور دلیری سے بالائے طاق رکھکر ممالک اجنبیہ کے سفراء کو قید کر دیا کرتے تھے وہ خالی از ہیبت و جلال اور دلچسپی نہ تھی۔ برجوں کی کھپریلی چھتوں پر پچاس یا زیادہ برسوں کے عرصہ میں آندھیوں سے مٹی کے انبار جمع ہو گئے ہوئے ہیں اور انپر جھاڑیاں اور بوٹیاں بکثرت اُگی ہوئی ہیں۔ موچی کا بیان ہے کہ مقتول سفراء کی روحیں جنکے سر اسطرح فصیلوں کے کنگرہ پر چن دیئے جاتے ہیں جس طرح لنڈن کے محل ٹمپل بار کے کنگرہ پر رات کو اس باغ آویزاں میں گشت کرتی رہتی ہیں۔

ترکوں کی معاشرت

اکثر دیگر ایشیائی شہروں کی طرح قسطنطنیہ کے باشندے بھی دو مختلف طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں

یعنے اندرون خانہ وبیرون خانہ۔ اکثر ترک علی الصباح گھروں سے نکلجاتے ہیں اور کام سے فارغ ہوکر سہ پہر کو شام سے کچھ ہی پہلے واپس آتے ہیں۔ دن کو گھروں سے باہر بازاروں وغیرہ میں رہتے ہیں۔ مگر جونہی کہ اُنکا کام ختم ہوجائے وہ فوراً گھر و نکو چلدیتے ہیں۔ اور اگر اُسوقت تم کسی ترک کو گھر پہ ملنے جاؤ تو جواب ملیگا کہ وہ حرم میں ہے اور وہاں سے اُسکو بلایا نہیں جاسکتا۔ حتی کہ نوکر اُسے تمہارے آنیکی اطلاع کرنیسے انکار کرینگے۔ لیکن اگر تمہیں اُس سے سخت ضروری کام ہو اور ملاقات کئے بغیر چارہ نہ ہو تو تم کو سلاملق میں بیٹھکر اُسکے خود بخود اپنی مرضی سے باہر نکلنے کیوقت تک انتظار کرنا پڑیگا۔ سلاملق مردانہ نشستگاہ کو کہتے ہیں۔ جو ہر ترک کے مکان میں ضرور ہوتی ہی اور اُس سے پرے حرم کا پُراسرار علاقہ ہوتا ہے۔ حرم مروجہ اصطلاح کے مطابق خاص پرائیویٹ وہاں غیر نہ جاسکیں کمروں کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ لفظ مجرد آدمی کے مکان کے پرائیویٹ کمروں پر بھی جسمیں صرف مرد رہتے ہوں صادق آتا ہے۔ مگر بالعموم یہ ہر ایسی جگہ کے لئے بولا جاتا ہی جو عورتوں کیلئے مخصوص ہو چنانچہ ترکی ریلوے گاڑیوں کے آخری کمرہ کو بھی جس کے اور گاڑی کے باقیماندہ حصہ کے درمیان پردہ ہوتا ہے حرم کہتے ہیں۔ اسیطرح جہاز میں عورتوں کے کمرہ کو اور مسجد کی جالیدار گیلری کو بھی حرم پکارا جاتا ہے۔ رہایشی مکان میں حرم ہی وہ حصہ ہے جہاں صاحب خانکی بیوی بچے۔ اور کنبہ کی دوسری خاتونیں رہتی ہیں ضمناً اسموقعہ پر یہ تحریر کردینا نامناسب نہ ہوگا کہ گو قرآن کریم ایک ہی وقت چار تک کی اجازت دیتا ہے۔ اور طلاق کا مختار ہونے کی وجہ سے مرد اگر چاہے تو ہمیشہ بیوی کو بدلتا رہسکتا ہے۔ بایں ہمہ آجکل بہت کم ترک ایسے ہیں۔ جنکی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں۔ اب وہ پرانے زمانہ کے ترک جنکی بیشمار بیویاں اور کنیزکیں ہوتی تہیں سوائے شاذ و نادر مستثنیات کے بالکل نہیں رہگئے۔ البتہ مسلمانوں نے پردہ کو جو مذہبًا اور رواجًا اُنہیں چلا آتا ہے اور کئی فائدے رکھتا ہے نہیں چھوڑا۔ اُس دروازہ کے پیچھے جو سلاملق سے اندر جاتا ہے جو کچھ موجود ہے یا جو کچھ گذرے اُسمیں غیر کو مداخلت کرنے کی مجال نہیں حتی کہ وہ لوگ جنہیں مشرقی رسم و رواج کا کچھ بھی علم ہے مکان میں عورتوں کی موجودگی کی نسبت اشارا کرنے کا خیال تک نہیں کرتے۔ ترکوں کی زندگی مکان سے باہر دن کیوقت صرف مردوں کی صحبت میں بسر ہوتی ہے دن کیوقت وہ اپنے کنبہ کی کسی عورت کی صحبت یا رفاقت میں دیکھا جانا پسند نہیں کرتے میںنے ایکدو دفعہ ایکدو ترکوں کو ایشیائی ساحل پر علاقہ کی دور اندر نقاب پوش خاتونوں کے ہمراہ گاڑی پر سفر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر استنبول میں ایسے مشاہدہ کا کبھی موقعہ نہیں ہوا۔ دن کو ترک گھر سے باہر اپنے کار منصبی اور فراغت کے لحاظ سے بازاروں

بازاروں میں یا کھلے میدانوں میں درختوں کے نیچے یا بازار کی دوکانوں میں کھانے پینے اور قہوہ وسگرٹ
نوش کرنے میں اپنا وقت صرف کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہر کے مصروف اور کاروباری حصہ میں باورچی خانوں
اور قہوہ خانوں کی بہت کثرت ہے۔ اور پھیری والوں کا تانتا جو کھانے پینے کی چیزیں بید کے خوانچوں میں رکھے
ہوئے ہجوم میں ادھر اُدھر چکر لگاتے رہتے ہیں ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ جدھر نگاہ کرو کوئی نہ کوئی خوانچہ والا کھڑا
ہوگا۔ یہاں ایک شخص ڈبل روٹی "پیدہ" (فطیری روٹی) اور "بکسیمنٹ" (بسکٹیں) بیچ رہا ہے اس سے چند
قدم پر پنیر فروش موجود ہے۔ جو مدور بانسی ٹوکرے میں دو تین قسم کا پنیر اور "یودر" (دہی) رکھے ہوئے
ہے۔ وہاں ایک باورچی کباب گرم گرم پلاؤ۔ ساگ اور دوسری ترکاریوں کا سالن بیچ رہا ہے۔ حلوائیوں
مٹھائی فروشوں۔ اور شربت بیچنے والوں کا تو کوئی حد وحساب ہی نہیں۔ سب سے زیادہ کثرت سقوں کی ہے
وہ بالعموم ایک ڈھول کی شکل کا آبدان کندھوں پر اٹھائے ہوتے ہیں جس پر دھوپ سے بچاؤ کرنے کیلئے ہری
ٹہنیاں اور شاخیں رکھی ہوتی ہیں۔ ایک ہاتھ میں چرمی نلکی کا پتلی موہانہ اور دوسرے میں دو
یا تین وزنی مسی کٹورے ہیں۔ جنکو انگلیوں کی عجب استادانہ حرکت سے وہ ہر وقت بجاتے رہتے ہیں۔ اور
اس آواز سے راہگذروں تشنہ دہانوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میاں بہشتی اس وقت کہاں براج رہے ہیں
اگر سیاح اٹلی کے راستہ یہاں آیا ہو تو وہ ہر قسم کے ماکولات اور شربت کے بیچنے والوں کی ذاتی صفائی
اور ستھرا پن دیکھکر دنگ رہجائیگا۔ اور انکی چیزیں بھی ایسی نفیس ہوتی ہیں کہ خواہ شکم سیر ہو اُسے خود بخود
بھوک پیدا ہو جائیگی۔ خوانچہ والوں کے علاوہ بازار میں کئی باورچیخانے اور ہوٹل بھی ہیں۔ اسی بازار میں
ایک فربہ اندام خوش رنگ ترک ایسے عمدہ کباب بناتا ہے کہ کل دنیا میں ویسے کباب نہ بنتے ہونگے۔ اسکی مختصر
سی دکان بازار کے متصل ایک چھوٹے سے چوک میں ہے۔ مرمر کی صاف سل پر جو دریچہ کی دہلیز کا کام دیتی
ہے چوبی سیخوں کی قطاریں لگی ہیں کہ حسب ضرورت فی الفور اٹھا کر آگ پر رکھدی جائیں۔ پلاؤ بڑی بڑی
سینیوں میں پڑا ہے۔ جسکو ہر وقت گرم رکھنے کیلئے سینیوں کے نیچے کوئلے جل رہے ہیں۔ اور پاکیزہ بدن
چابکدست لڑکے گاہکوں کی خدمت کے لئے دست بستہ کھڑے ہیں۔ گاہک یا تو اس میز پر بیٹھکر کھانا کھاتے ہیں
جو باورچیخانہ کے عقب میں بچھی ہوتی ہے۔ یا دروازہ سے باہر خاموش چپ چاپ چوک میں جو باورچیخانہ کے
سامنے ہے۔ سب سے مرغوب کھانے کی ترکیب یورپینوں کو لاکلام نہایت عجیب معلوم ہوگی جو حسب ذیل ہے
"پیدہ" (فطیری روٹی) کی مربع ٹکڑے کاٹ کر شوربے کی رکابی میں اوپر تلے رکھدیئے جاتے ہیں۔ اُسپر ملوثی ہوئی

ملائی کی دو انگشت موٹی تہ بچھا دیجاتی ہے۔ پھر اسپر آگ سے اسپونفت اترے ہوئے گرما گرم گوشت کی ٹکیوں کا انبار لگا دیا جاتا ہے۔ بعدہ ان سب چیزوں میں نمک مرچ الائچی۔ اور گرم مصالحہ ڈالکر انکو ملا لیا جاتا ہے۔ کبابا نہایت لذیذ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ زود ہضم ہوتا ہے۔

اس امر کی تصدیق اُن سیاحوں سے ہوسکتی ہے جو دہیں ہر چیز کو ترش ملائی کیساتھ کھانے کے عادی رہے ہیں۔ پلاؤ بھی کوئی بُری چیز نہیں میں اسکے تیار کرنے کی درست ترکیب بتلانے سے محترز رہتا ہوں۔ اسکے لئے بہت جگہ چاہئے۔ دنیا میں ترکی۔ یونانی۔ ایرانی اور ہندوستانی یہ چار قسمیں پلاؤ کی بہت مشہور ہیں بوجہ صدر رانکے فرق بتانے سے بھی اغماض کرتا ہوں۔ البتہ یہ لکھے دیتا ہوں کہ میری سمجھ میں ایرانی پلاؤ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ باورچی فقط کھانے کی چیزیں دیتا ہے۔ پانی بہم پہنچانا اُسکا کام نہیں اگر تمہیں ضرورت ہو تو اُس سقہ کو جو بازار میں چکر لگاتا رہتا ہے بُلا کر پانی یا شربت کا کٹورہ خرید لو قسطنطنیہ میں بھی اب تہذیب گھر کر گئی ہے۔ ہر گاہک دوکاندار سے اسبات کا متوقع ہوتا ہے کہ کھانیکے ساتھ چھری کانٹا لائے۔ ان دونوں چیزوں کو اب ترک نہایت سلیقہ کیساتھ استعمال کرسکتے ہیں ایران میں شوربہ کیساتھ فطیری روٹی علیحدہ دیجاتی ہے جسے گاہک ہاتھ سے توڑ توڑ کر کھاتا ہے۔ اور میری بھی ہمیشہ یہی رائے رہی کہ کانٹے کی نسبت انگلیوں کو ہی بدرجہا زیادہ مناسب آلہ غذا کھانے کا سمجھنا چاہئے۔ کھانے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسکی اپنی انگلیاں ہیں۔ اور ان کو اُسنے کھانے سے پہلے دھو لیا ہے۔ مگر ہوٹلوں اور عام ضیافتوں میں جو کانٹے دیئے جاتے ہیں اُنکی نسبت دُھلے ہوئے ہونے کا کبھی تحقیق یقین نہیں ہوسکتا اور خدا معلوم پہلے اُنکو کس شخص نے اور کس طرح پر استعمال کیا تھا۔ ہم مسواک کرنے کے بغیر رہنے کی تکلیف گوارا کر لیتے ہیں۔ مگر دوسرے آدمی کی مسواک یا دانتوں کا برش استعمال نہیں کرتے لیکن کانٹے خواہ کل دنیا کے مستعملہ ہوں۔ اُنکی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ اس ایک ہی امر سے اکثر بیرونی اور ظاہر دارانہ صفائیوں اور نفاستوں کی قلعی بخوبی کھل رہی ہے۔

ترک جو کچھ بازاروں میں کھاتے ہیں وہ سب ایک طرح سے تیسرے پہر کا ناشتہ ہوتا ہے۔ اصل کھانا وہ شام کو بعد وہ اپنے گھروں میں کھاتے ہیں بازستان کے تاریک کونہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسکے چھوٹے سے مینار کی چوٹی بازار کی ڈاٹ دار چھت کے نیچے بعینہ بچوں کے کھلونہ مکان کے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ دوپہر کے وقت موذن اس مینار پر چڑھکر اُسکے دریچہ میں سے اُسی زمعہ شور کے سلتہ مسلمانوں کو نماز کے

کے لئے بلاتا ہے۔ جس طرح سلطان احمد کی عالیشان جامع کا موذن اُسکے سر بفلک مناروں کی چوٹی سے بازار کے کہلا مہنے کے اثنا میں جنبنی نمازوں کا وقت ہے اتنی دفعہ یہ موذن برابر اذان دینا رہتا ہے دوپہر (ظہر) کی اذان سے گو چھوٹے بڑے سب کو خبر ہو جاتی ہے کہ دوپہر ہو گئی ہے۔ اسوقت کا کہانا کہانا چاہئے۔ مگر جس طرح کہ یورپ کے جنوبی عیسوی ممالک ہیں دوپہر کے کہانے کے وقت لوگوں میں عام ہلچل پڑ جاتی ہے یہاں خلقت کے اژدہام میں ویسی کوئی عام دوڑ دھوپ نہیں دیکھی جاتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ترک جب گھر سے باہر ہو تو اُسکے کہانے کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔ اور اُسے اسبات کی پروا نہیں ہوتی کہ ٹھیک مقررہ وقت پر کہانا کہائے۔ بلکہ جب فرصت ہوئی کہا لیا۔ صرف شام کا کہانا ایسا ہوتا ہے جسے وہ پابندی کیساتھہ پرانے دستور کے مطابق گھر میں بیٹھکر کہاتا ہے۔ ابھی تک کئی ایسے ترکی خاندان ہیں جنکے ہاں کہانے کا دستر خوان ہر روز سلاملق میں بچھایا جاتا ہے۔ اور غریب و امیر جو آجاتے اُسکے لئے کہلا ہوتا ہے۔ اُسوقت جو آجائے اُسے کہانے میں شریک کر لیا جائیگا۔ فرق اتنا ہوگا کہ اگر نووارد صاحب خانہ کی حیثیت کا ہوا تو اُسکے ساتھہ بیٹھہ جائیگا۔ اور اگر کم درجہ کا ہوا تو دوسرے دستر خوان پر جو اُسی کمرہ میں ذرا علیحدہ کم درجہ والوں کے لئے بچھا ہوا ہوتا ہے۔ ٹرکی میں کہانا کہلانے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ مہمان رات بھی وہیں بسر کرے۔ میزبان اپنے مہمان کو پلنگ و بستر کے علاوہ شب خوابی کے کپڑے اور سلیپر بھی بہم پہنچاتا ہے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ خاتونان حرم اُس دستر خوان پر نہیں ہوتیں۔ وہ حرم کے اندر علیحدہ دستر خوان پر کہاتی ہیں میرے ایک دوست کے خانساماں نے تہوڑا عرصہ ہوا مجھسے سخت شکایت کی۔ کہ عموماً مہمان صبح بہت سویرے اُٹھکر وہ سلیپر اور کپڑے اُڑا لے جاتے ہیں جو رات کو اُنہیں دیئے جاتے ہیں۔ اور میرے آقا کی کشادہ دلانہ میزبانی اور مہمان پروری کا یہ کمینہ بدلا دیتے ہیں یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ ترک میز پر زیادہ دیر نہیں بیٹھتے۔ کہانا ہوتا تو بیشک بہت قسموں کا ہے۔ مگر ہر ایک قسم ہر ایک مہمان کے سامنے صرف ایکدفعہ رکھی جاتی ہے۔ اور جونہی اُسکی رکابیاں خالی ہوئیں ملازم جھٹ پٹ اُنہیں اُٹھا کر دوسری قسم رکھدیتے ہیں ٭

جو سڑک ڈاک خانہ سے نور عثمانیہ کو جاتی ہے وہ قسطنطنیہ کی قابل ذکر سڑکوں میں سے ہے غلطہ پل اور بازار کے درمیان زیادہ تر اسی پر آمد و رفت ہوتی ہے۔ اُسمیں بھانت بھانت کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اور ہر ایک قسم کی تجارت اور ہر قوم کے لوگوں کی اُسمیں دوکانیں اور کوٹھیاں موجود ہیں۔

اسکی کیفیت ناقابل بیان ہے۔ یونانی اور ارمنی معالجِ دنداں اس نواح میں بکثرت رہتے ہیں۔ اُنکی دکانوںکے
دروازوں پر بڑے بڑے تختے آویزاں اور بورڈ لگے ہوئے ہیں۔ جو اگر اُن کی قابلیت کی مقدار کے
لحاظ سے ہیں تو وہ بیشک مجسم ماہرِ دنداں ساز ہونگے۔ اسی جگہ ڈاک خانہ کے قرب و جوار میں منشی اور
خطوط نویس ناخواندوں کے نامہ و پیام لکھنے کیلئے سارا دن سایہ میں بت بنے بیٹھے رہتے ہیں۔ زیادہ تر
ترکی مستورات اُنکی گاہک ہیں جو دبیز اور رازدارانہ لب و لہجہ میں انکو اپنے خط لکھواتے وقت چہرونکو
بالعموم نقاب سے زیادہ احتیاط کیساتھ ڈھانپ لیتی ہیں۔ اٹلی اور یونان نیز اکثر کئی مشرقی ممالک میں
یہ طریق عام مروج ہے۔ مگر پھر بھی ان عورتوں میں سے چند کے چہروں کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے جو منشی
کی میز پر بڑے شوق سے جھکی ہوئی ہیں اُسکی تیزی کیساتھ چلتی ہوئی قلم کو دیکھتی رہتی ہیں تھوڑی دیر کیلئے
ٹھہر جانا تضیع اوقات نہیں ہے۔ ترکی کاغذ کی قلم سے لکھی جاتی ہے۔ اور دوات میں سوف دار سیاہی
ہوتی ہے۔ اسی مقام کے قریب ینی جامع ہے۔ جو قسطنطنیہ کی خوبصورت ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے
اور ہر وقت مختلف الاقوام والعمر نمازیوں کا اُسمیں جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ بازار کے شور و غل آپا دھاپی اور
اور چمک دمک کو پیچھے چھوڑکر مسجد کے دروازہ پر سے بوٹ پر سلیپر پہننے کے بعد کسی نماز کیوقت متبرک عمارت
کے اندر داخل ہو جاؤ۔ وہاں تمہیں بالکل دوسرا نقشہ دکھائی دیگا۔ جو عجیب با متانت اور شاندار ہوگا۔ اور
ساتھ ہی تم پر اہالی مشرق کی طرزِ زندگی کا پراسرار خاصہ اور راز سربستہ واضح و آشکارا ہو جائیگا۔ تم دیکھو گے
کہ خنک سایہ میں ہر عمر کے مسلمان محراب یا دیواروں کی مقدس تحریروں اور کتبوں کی طرف منہ کئے رکوع
سجود میں مصروف ہیں۔ اُنکی حرکات و سکنات مختلف اوضاع اور لب و لہجہ سے ایسی صداقت اور خلوص
اعتقاد مترشح ہو رہا ہے کہ وہ جس طرح بلحاظ نوعیت مشرق الاقصےٰ کے مشرکانہ توہم سے بدرجہا افضل و اعلیٰ
ہے اسیطرح اُسکی سادق صداقت اور اخلاص معمولی لیاقت کے عیسائی کی سمجھ سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ مسلمانو
میں کچھ عرصہ بود و باش رکھنے کے بعد اس امر کا یقین کامل نہ ہو جانا ناممکن ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں
کامل مخلص ہیں۔ اُنکی مذہبی پرجوشی اور مذہبی رسوم کی پابندی میں ریاکاری کو مطلق دخل نہیں اور
کہ جب سرورِ کائنات (علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کا جھنڈا کھولا گیا جس امر کے وقوع میں آنے کے امکان کو کبھی
کبھی ہمارے عیسائی بھائی اشارتاً کنایتاً مبہم و مشکوک سا بتاتے ہیں تو اُس سے ایسے نتائج پیدا ہونگے جو یورپ
فلسفہ کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آئے۔

قسطنطنیہ کو دنیا کے دوسرے شہروں پر ایک بڑا فخر یہ حاصل ہے۔ کہ اُسمیں قدم قدم پر اجتماع ضدین
پایا جاتا ہے۔ یہاں کچھ اور نقشہ ہے۔ دو قدم آگے جاؤ تو اُس سے بالکل برعکس کیفیت دیکھی جاتی ہے۔ ان
اچانک تغیرات میں سب سے زیادہ موثر تغیر وہ ہے جو بازاروں سے مساجد و مقابر میں داخل ہونے پر پایا
جاتا ہے۔ اول الذکر میں وہ چہل پہل اور دھکم دھکا کہ الاماں۔ چند قدم پر آخر الذکر میں بالکل خاموشی۔ اور ہو کا
سکون کا عالم۔ اکثر جوامع کے اندرونی حصوں کی حیرت افزا زیب و زینت دیکھکر مشرقی خاصہ کا سماں پیدا
ہوجاتا ہے۔ اکثر مشرقی ممالک کی طرح یہاں بھی صنعت و دستکاری کے بعض اعلےٰ ترین نمونوں کے دوش بدوش
کمال بھدی چیزیں اور مکروہ سجاوٹیں پائی جاتی ہیں۔ اکثر چیزوں کی شان و شوکت جس کی وجہ سے ہی مشرق کو
عموماً شاندار مشرق پکارا جاتا ہے بعض بے اندازہ بھدی اور بدسلیقہ چیزوں کے قرب سے جو یورپین کی نگاہ
میں کمال مکروہ معلوم ہوتی ہیں اور بھی زیادہ نمایاں اور واضح ہو رہی ہے۔ مگر یورپ کی طرح یہاں بھی صنعت
و دستکاری اور فنون زیادہ تر مذہب اور مذہبی خیالات سے وابستہ ہیں۔ سنت والجماعت عقیدہ کے
مسلمانوں نے جو کسی جاندار چیز کی تصویر بنانا جائز نہیں سمجھتے تھے فن تحریر پر اسقدر توجہ صرف کی
ہے جسقدر کہ مغرب میں مصوری اور نقاشی پر کی گئی ہے۔ تعلیم یافتہ ترک کو خوشخط قطعہ دیکھکر ویسی ہی خوشی ہوتی ہے
جتنی کہ ہمیں اُستاد زمانہ مصوروں کی بنائی ہوئی تصویریں دیکھکر۔ یورپین کیلئے عربی رسم الخط سے جو ایک
طرح کی "شارٹ ہینڈ" (مختصر نویسی) ہے کچھ عرصہ میں مانوس ہو جانا مشکل امر نہیں۔ تھوڑی مدت کی مشق سے
وہ اُسکو اُسی تیزی اور روانی کیساتھ پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے جس طرح کہ وہ لاطینی اور گوتھک خط کو پڑھ
سکتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ فن تحریر کے اُن نکات، صنعتوں اور خوبیوں کو کبھی تمیز کرنے کے قابل نہیں
ہو سکتا۔ جو ایشیائیوں کے نزدیک ویسی ہی منزلت رکھتی ہیں جیسی کہ ہمارے مذاق میں رنگوں کی شوخی
ہلکا پن اور سایہ و روشنی کے متعلق مصوری اور نقاشی کی باریکیاں تھوڑے دنوں کی بات ہے ایک ترک نے ایک
قطعہ کی طرف جو دیوار پر آویزاں تھا اور جسکی سفید زمین پر صرف سیاہی سے ایک آیت لکھی ہوئی تھی۔ اور کوئی
رنگ آمیزی یا گلکاری کسی طرح کی نہیں تھی۔ اشارہ کرکے کہا۔ یہ تحریر مجھے ویسی ہی خوبصورت اور پیاری معلوم
ہوتی ہے جیسی کہ تمہیں ماہر مصور طیطیان کی کوئی تصویر۔ فن خوشنویسی کے ایسے اعلےٰ نمونوں کی نہایت بیش قیمت
کوششوں میں جڑ دیا جاتا ہے کہ شیشوں کے پیچھے رکھا جاتا ہے۔ مگر بعض نہایت ہی اعلےٰ اور ان سب سے خوبصورت نمونے اُن دو عمدہ کپڑوں پر پائے جاتے ہیں جو آرائش
زینت کیلئے مسجدوں اور مقبروں میں لگے ہوتے ہیں۔ اُن میں سے بعض کتبوں کی ترکوں کی نگاہ میں ایسی وقعت ہے۔ کہ

اُنکے خیال کے مطابق کے اُنکی کوئی قیمت ہی نہیں ہوسکتی۔ یورپین شائقین صنعت قدیمہ کی نظروں میں بھی بسبب عنقا ہونے کے اُن کی بیش قیمت ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مگر اُن کتبوں کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی دستیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ عموماً مذہبی ہیں اور مذہبی مقدس مقامات میں ہی بالعموم لٹکے رہنے یا نمونے پائے جاتے ہیں۔ افسوس مشرق میں صنعت و دستکاری کا دن بدن تنزل ہورہا ہے۔ اور ان عجیب و غریب کپڑوں کے جو مشرق میں اب تک ہزاروں موجود ہیں بنانے کا راز ہمیشہ کے لئے دنیا سے ناپید ہوگیا ہے۔ قسطنطنیہ میں اب بھی ڈھنی کپڑوں یعنی اُنکی نقلیں بنتی ہیں۔ مگر بہت ادنے درجہ کی اور بالکل بے حقیقت۔ مزید برآں یہ کام از سر تا پا یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔

مشرق کی کونسی داستان یا افسانہ ہے جسمیں عربی گھوڑے کا لمبا چوڑا ذکر نہ ہو اور اُسنے اُس میں بہت بڑا حصہ نہ لیا ہو۔ جب میں اول اول استنبول کے نخاس اسپان کو گیا۔ تو مجھے خیال تھا میں وہاں ایسے ایسے خالص النسل بدیع الزمان عجیب الطرفین گھوڑے دیکھونگا کہ لیڈی این بلنٹ اور اُسکے خاوند[1] کے دل بھی اُنہیں دیکھکر باغ باغ ہو جائینگے۔ مگر مجھے ایسی مایوسی ہوئی کہ عمر بھر ویسی نہیں ہوئی تھی۔ آت بازار (نخاس) محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کی جامع مسجد سے بجانب شرق ہے۔ اول تو وہاں کوئی گھوڑا ہی نہ تھا۔ لیکن اگر ہوں بھی تو اس شدت کشادہ میدان سے جسپر فرش کی بجائے چھوٹے بڑے سنگریزے اور پتھر کھڑے ہوئے تھے۔ بڑھکر بُری جگہ خریداروں کو گھوڑے دکھلانے کے لئے کوئی نہیں ہوسکتی۔ یہ میدان ایک چھوٹی سی پہاڑی کے عمودی ڈھلاؤ پر واقع ہے۔ اور اُسکے چاروں طرف متعدد شکستہ حال چوبی مکان ہیں جنمیں اکثر تاریک دبلا ہوا کوٹھریاں اصطبل کا کام دیتی ہیں اور اُنمیں متعدد مالکوں کے حد درجے چند گھوڑے معمولی تھانوں پر بُری طرح سے بندھے رہتے ہیں۔ عموماً دو تین دیو قامت سنگرین جانور اور بارہ چودہ پست قامت مضبوط جسم سالونیکی یابو وہاں موجود رہتے ہیں۔ ایکدفعہ مینے وہاں ایک عجیب الخلقت گھوڑا دیکھا۔ کہ شاید ساری عمر اُس کے ساتھ کا دکھائی نہ دے۔ اُسکی ٹانگوں کی لمبائی ہی سے قیاس کرلو کہ وہ پوری اٹھارہ مٹھی بھر بلند تھا۔ مگر طول میں مذکرہ صدر سالونیکی یابوؤں میں سے کسی ایک

[1] مسٹر ولفرڈ بلنٹ مصنف کتاب فیوچر آف اسلام۔ اس جنٹلمین کو گھوڑوں کو بہت شوق ہے عباس اول خدیو مصر نے عربی گھوڑوں کا جو اصطبل قائم کیا تھا وہ اسی شخص نے کئی لاکھ روپیہ کو خدیویہ خاندان سے خریدا تھا۔ مسٹر موصوف کے اصطبل کل انگلستان بھر میں مشہور ہیں۔ (مترجم)

زیادہ نہ تہا۔ ہمارے گہر میں ٹوپیاں رکہنے کا ایک پرانا چرمی بکس چلا آتا ہے۔ سال کا کوئی موسم نہیں جبکہ اُسے ذاتی تجربہ نہ ہو۔ کوئی ڈاک گاڑی ایسی نہ ہوگی جس کی اُسنے سیر نہ کی ہو۔ اور جہان میں شاید کوئی ہی ایسا شہر ہوگا جسکے نام کے پرچے سبز سرخ سفید زرد نیلگوں وغیرہ رنگ کی اُسپر چپاں نہ ہو۔ الغرض اس دیو کا سر بعینہ اس ٹوٹے پہوٹے چرمی بکس کے مشابہ تہا۔ یہ جانور فی الواقع ایسا عجیب الخلقت تہا کہ کئی منٹوں تک میری نظر اُسپر جمی رہی۔ اس سے میرے راہنما جو نخاس کا مہتمم اور اعلےٰ دلال تہا شبہ سا ہوگیا کہ شاید میں اسے خریدنے کا ارادہ رکہتا ہوں۔ اور وہ میری طرف کمال تعجب و حیرت سے دیکھنے لگ گیا۔ سب سے آخر جو گہوڑا مجھے دکہایا گیا وہ فی الواقع دیکھنے اور خریدنے کے قابل تہا۔ اُسے ایک ایسی تاریک کوٹھری کے قعر عمیق سے نکالا گیا کہ اگر یورپ کے کسی گہوڑے کو چند لمحے بھی اُسمیں بند رکہا جائے تو اُسے سکتہ ہو جائے سائیس نے صاف کرنے کے لئے خرخرے کے دو چار یونہی سے رگڑے لگا کر اُسے میرے سامنے کیا اُس سے بہتر عربی گہوڑا عرب سے بھی دستیاب ہونا مشکل تہا۔ گہوڑے کی جو خوبیاں اور وصف آت بازار جانے سے پہلے میرے دماغ میں ذہن نشین تہے وہ سب اُس میں موجود تہے۔ سیدہی گا ؤدم ٹانگیں چھوٹے چھوٹے پاؤں۔ سر کسیقدر بڑا اور نخوانداز۔ کان چہوٹے اور سیدہے۔ جلد ریشم ایسی نرم اور رنگ شوخ کمیت۔ تازہ ہوا میں پہنچکر اُسنے جسم کو جہنجوڑا۔ اور پہر زور سے ہنہنایا گویا اپنے اصطبل پر کمال نفرت ظاہر کی۔ وہ گداگروں میں بادشاہ۔ اور کمینوں میں مرد میدان تہا۔ اور اُسے دیکھکر میری توقع وامید کا کچھہ حصہ پہر بحال ہو گیا۔

مگر قسطنطنیہ میں ایسے شاندار جانور کم دکہائی دیتے ہیں۔ حالانکہ سلطنت عثمانیہ سے گہوڑے باہر لیجانے کی ایسی سخت ممانعت ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر بھی اسکی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے اسوجہ سے سلطنت کے اندر عرب گہوڑوں کی عام کثرت ہونی چاہئے۔ اس امتناعی حکم کی تعمیل کرانا بھی ایسا مشکل نہیں۔ جیساکہ اُس حکم کی تعمیل کرانا جو تمام ایسی چیزوں کے باہر لیجانے کی ممانعت کرتا ہے جنپر کوئی مذہبی عبارت تحریر یا چھپی ہوئی ہو۔

نخاس کا ذکر آجانے پر سراجوں کا بازار بھی یاد آگیا ہے۔ یہ ایک بجائے خود چھوٹا سا محلہ ہے جو استنبول کے مشہور بازار دیوان یول کے متصل واقع ہے۔ زینوں اور سازوں کے بنانے اور چمڑہ کی تیاری کا کام کسی زمانہ میں اس ملک میں بہت زوروں پر تہا۔ اور ایسے ملک میں جہاں صرف گہوڑوں اور ٹٹوؤں

یا دیگر بار کش جانوروں کے ذریعہ ہی آمد و رفت ہوتی تھی ایسا ہونا تھا بھی لازمی۔ امراء اپنے جانوروں کے
ساز و یراق کو بڑی بڑی لاگت اور صرف سے بنواتے تھے۔ اور اس کام کی ایسی عزت تھی کہ سراجوں اور
زین سازوں کی ایک مستقل جماعت بن گئی تھی۔ دیگر صنعتوں کی طرح یہ صنعت بھی چند برسوں سے ٹرکی
میں بہت متنزل ہو گئی ہے۔ لیکن پھر بھی ابتک بعض بعض چیزیں وہاں دیگر ممالک سے بہتر تیار ہوتی ہیں بازار
سراجاں میں میرے خیال میں ڈیڑھ سو دکانیں ہونگی۔ یہ پستہ قامت شیڈ نما عمارتیں ہیں۔ انکے آگے بازار کی سطح سے تھوڑی سی بلندی پر
چوبی تختے لگے ہوتے ہیں۔ جنپر تنگ سے برآمدے اور انکے باہر آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ دوکاندار ان
برآمدوں میں تیار اسباب فروخت کے لئے لٹکا کر سارا دن چوبی تختوں پر بیٹھے اپنے کام میں مصروف
رہتے ہیں۔ اکثر چیزوں کا چمڑا روسی بنایا جاتا ہے۔ مگر در اصل وہ مشرقی (یعنی ملکی) ہی ہوتا ہے
جسمیں ایک خاص طرح کی بو اس طرح سے پیدا ہو جاتی ہے کہ چمڑے کو معمولی طریق سے کمانے کی بجائے
پتوں کے دھوئیں سے کمایا جاتا ہے۔ ان دوکانوں میں چرمی مخملی یا باناتی بڑے بڑے چار جامے
اور انہی کے ہم اندازہ و زندار نگامیں جنکی باگوں پر دستی سلائی سے بیل بوٹے کاڑھے ہوتے ہیں۔ جسقدر
چاہو دستیاب ہو سکتی ہیں۔ خاص دار الخلافہ میں ان کا عرصہ سے رواج نہیں رہگیا۔ قبول اور خرجیاں
بھی ہر قطع وضع اور حجم کی یہاں تیار ہوتی ہیں۔ ان کی ساخت میں سادگی اور استادی دونوں باتیں پائی
جاتی ہیں۔ اور لمبے سفروں میں جو پشت توسن پہ کئے جائیں بہت مفید ثابت ہوتی ہیں قسطنطنیہ سے
اکثر لوگ ایشائی علاقہ کی طرف ایسے سفر پر جاتے ہیں کل بازار میں سب سے عمدہ چیز چمڑے کی صندوقیں ہیں۔ یہ
مضبوط روسی چمڑے کے ہوتے ہیں اور ایسی استادی مضبوطی اور صفائی سے بنے ہوتے ہیں۔ کہ
یورپ بھر میں انکی نظیر نہیں مل سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ٹرکی میں شہر کی چار دیواری کے اندر مردوں کے دفن کرنیکی ممانعت نہیں۔ مگر
قبر پر قبر بنانے کو رواج ایسا ناپسند کرتا ہے کہ قبرستانوں کیلئے بہت وسیع رقبہ ضروری ہے۔ استنبول اور
پیرا کی مساجد کے قرب و جوار کے بیشمار چھوٹے چھوٹے قبرستانوں اور ان گنت مقبروں کے علاوہ استنبول اور
اسکودر کے گرد اگرد خشکی کی طرف قبرستانوں کا تقریباً نا ختم ہی سلسلہ چلا گیا ہے۔

بطور قاعدہ عمومیہ ہر مسجد کے متصل اسکے بانی اور بانی کے زن و اطفال کی قبریں ایک چھوٹے
سے قبرستان یا مقبرہ میں بنی ہوتی ہیں۔ ان مقبروں میں سے بعض کی عمارتیں کثیر الزاویہ اور اکثر کی

ہشت پہلو ہیں۔ یہ آٹھ ضلعے اللہ محمد ۔ اور چہار اماموں کے ناموں کی تعداد کی مناسبت سے ہیں
شہر کی سب سے شاندار اور پُرتکلف عمارتیں یہی مقبرے ہیں۔ اور انہیں میں وہ کھپریلیں لگی ہوئی ہیں جنپر
فن تحریر کے بہترین نمونے موجود ہیں متوفی کی لاش اسلامی رواج کے مطابق درمیانہ قد کے آدمی کے برابر گڑھا
کھود کر دفن کیجاتی ہے۔ سلطان یا بانی مسجد کی قبر ہمیشہ عین دروازہ کے سامنے اور اُسکی بیویوں بچّوں کی
قبریں اُسکے گرداگرد سلیقہ سے بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہر قبر پر چوبی صندوق یا تعویز بنا ہوتا ہے۔ یہ صندوق
مدفون کی قدر و منزلت کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں کل استنبول میں سب سے بڑا تعویز محمد ثانی
کی قبر کا ہے۔ یہ صندوق سیاہ مخمل کی چادروں سے جنکے حاشیوں پر زردوزی کا بیش بہا کام ہوا ہوتا ہے ڈھپے
ہوئے ہیں بعض بعض مقبروں میں ان چادروں پر بیش بہا دوشالے بھی ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ سب چادریں اور دوشالے
کچھ عرصہ حضرت سرورِ کائنات (علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کی مرقدِ منورہ پر رہنے کے بعد ان قبروں پر ڈالے گئے تھے
ان کل مقبروں میں سب سے عجیب مقبرہ سلطان سلیم کا ہے جسکی قبر کے گرداگرد اُسکی چاروں بیویوں اور
تقریباً چالیس لڑکے لڑکیوں کی جو سب کے سب صغرسنی میں فوت ہوگئے تھے قبریں موجود ہیں۔ لڑکیوں کی
مزاروں سے لڑکوں کی قبروں کی تمیز چھوٹے چھوٹے سفید عماموں سے ہورہی ہے۔ ہر ایک مقبرہ میں
چاندی کا ایک ایک صندوق رکھا ہے جنمیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ریش مبارک کا ایک ایک بال
تیمناً و تبرکاً بند ہے۔ قبروں کے گرد جنگلے بنے ہوئے ہیں جنمیں سے بعض ٹھوس چاندی کے ہیں۔ ان عمارتوں
کا مسجدوں کے برابر ادب کیا جاتا ہے۔ فرشوں پر قالین بچھے ہوئے ہیں جنپر غلیظ پاؤں لیکر کوئی نہیں
جاسکتا۔ سلاطین کے مقبروں میں بادشاہوں کی قبروں کے سرہانے بالعموم تین تین چار چار رحلیں جنپر
نہایت اعلےٰ درجہ کی صنعت کا کام کیا ہوا ہے رکھی ہوئی ہیں اور اُنپر کمال خوش خط زرفشاں قلمی قرآن مجید
ہیں جنمیں سے مقبرہ کے مہتمم ہر روز چند سورتیں پڑھ چھوڑتے ہیں۔ بعض بعض قرآن شریفوں کی طلاکاری
ایسی بدیع اور شوخ رنگ ہے کہ یورپ میں اُن کی نظیر موجود نہیں۔ اور زمانہ وسطیٰ کی نہایت خوش قلم اور طلاکار
کتابوں کے بہترین صفحات بھی اُنکے سامنے گرد ہیں۔

مقبروں کے علاوہ اکثر مسجدوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قبرستان بھی ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی جگہیں بالعموم
خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ انمیں چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔ یادگاری ستون مختلف اوضاع میں کھڑے ہیں اور گلاب
کے درخت اور دوسری جھاڑیاں انمیں بکثرت اُگی ہوئی ہیں۔ سڑکی ہیں قبروں کے مرمت کرنے ہی کا رواج نہیں۔ البتہ یادگاری

ستون جو عموماً لمبے۔ نازک اور عمودی ہوتے ہیں جلد ٹیڑھے ہوکر ادھر اُدھر جھک جاتے ہیں جس سے قبرستانوں
کی شکل عجیب غریب اور ڈراونی سی ہوجاتی ہے۔ سلطان محمود کے فز کو رواج دینے کے زمانہ تک مردانہ
قبروں کے سرہانہ کے پتھروں پر عمامے کندہ کئے جاتے تھے۔ بعد ازاں فز کا عام دستور ہوگیا جنکو شروع
میں سرخ رنگ دیدیا جاتا تھا اور نیلا پھندنا بھی بنا دیا جاتا ہے۔ مگر یہہ رنگ جلد ہی ہٹ جاتا ہے۔ ستونوں کے درمیانی
حصہ میں عموماً طویل کتبے لکھے ہوتے ہیں۔ پہلے بسم اللہ۔ اور قرآن شریف کی کوئی آیت اور پھر متوفی کے مختصر
حالات درج ہوتے ہیں۔ عورتوں کی قبروں پر یا تو قطعاً کوئی نشان نہیں ہوتا۔ یا زیادہ تر سورج مکھی کا پھول اور
بعض بعض پر کوئی بیل بوٹا یا شاخ بنا دیجاتی ہے۔ اُن کے ستونوں پر بالعموم منظوم کتبے ہوتے ہیں بعض
بعض قبروں پر پتھروں سے بڑی قیمت اور لاگت سے شاندار یادگاریں بنوائی ہوئی ہیں۔ مگر بلا مرمت رہنے
سے اونکی اصل کیفیت باقی نہیں رہی۔ ان چھوٹے چھوٹے قبرستانوں میں سے اکثر میں خود قبروں کی سطح
نشیب میں خوب صفا روشیں موجود ہیں۔ جو دونوں طرف کی بے ترتیب جھاڑیوں اور درختوں کے مقابلہ
میں عجب حیرت بخش معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ زہد و تقدس میں مشہور ہوں اون کو بالعموم خاصکر مفصلات میں علیحدہ
احاطہ میں دفن کرکے اونکی قبروں کے گرد جنگلا لگا دیا جاتا ہے اور اوپر چھت یا گنبد بنا دیا جاتا ہے۔ ان بزرگوں کے
مزاروں پر جس طرح رومن کیتھولک ملکوں میں عیسائی اولیا کے مزاروں پر ہوتا ہے۔ رات کو عموماً متعدد
چراغ روشن دکھائی دیتے ہیں جنکو منتیں ماننے والے جلا جاتے ہیں۔ مسلمان متوفی کو نہ فقط ادب سے
یاد رکھتے ہیں۔ بلکہ اون کا اعتقاد ہے کہ متوفی بزرگوں کی شفاعت اور دعا بھی مستجاب ہوتی ہے۔ بزرگوں کی
قبروں کی ارد گرد کی جھاڑیوں پر اکثر سینکڑوں ہزاروں چیتھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کو زائرین اپنے کپڑوں سے
پھاڑ کر جھاڑیوں سے لٹکا جاتے ہیں۔ اون کا اعتقاد ہے کہ ایسا کرنے والا بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ مگر
کل مقبروں میں سب سے زیادہ دلکش اور متوحش وہ بڑے بڑے قبرستان ہیں جو فصیلوں سے باہر ہیں۔ وہاں ہونکی
قبروں پر بڑے بڑے شاندار سرو جنکی عمریں کئی صدیوں سے کم نہیں سایہ فگن ہیں۔ اور وہ سایہ ایسا گھنا ہے کہ موسم
گرما کی دوپہر کو بھی ایک گونہ تاریکی سی رہتی ہے۔ سرو کے سایہ میں کوئی اور پودہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے
زمین پر تقریباً کوئی جھاڑی بوٹی نہیں۔ ہر طرف جہاں تک نظر جا سکتی ہے۔ خاکی مائل یادگاری ستونوں کی نامتناہی
قطار در قطار دکھائی دیتی ہے۔ کوئی سیدھا کھڑا ہے۔ کوئی جھکا ہوا ہے۔ کوئی دائیں بائیں یا آگے پیچھے زمین پر
لیٹا ہے۔ کہیں کہیں لمبے لمبے فاصلوں پر بعض بعض ستونوں پر سرخ رنگ کا نشان چمکتا نظر آتا ہے۔ یہہ رنگ

مردانہ قبروں کے ستونوں پر فیسوں کا ہی جیسو موسم کے انقلابات نے ابھی تک دور نہیں کیا۔ یہہ قبرستان دوپہر لو دو صندلی یا نیم ۔ ۔ ۔ تاریک شفق کے وقت کسی قدر اور رات کو بالکل ڈراؤنے اور ہیبت انگیز ہوتے ہیں۔ ان قبرستانوں کو دیکھہ کر کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ ترک بہوت پریت۔ غول صخبات اور عالم ارواح کے متعلق تمام دیگر اقسام کی وہمی وحشت انگیز چیزوں پر کیوں اور کس طرح اعتقاد کرتے ہیں عوام الناس ترکوں کو ان باتوں پر ایسا یقین ہے کہ جانباز اور تقدیر کا قایل مسلمان گو اور سب طرح سے موت کا مقابلہ کر نیکے لئے فی الفور تیار ہو جائیگا لیکن اگر اُسے قبرستان میں سے رات کیوقت گذرنا پڑے تو بیجہ کی طرح بھر بھرائیگا۔ بہر حال یہہ امر واقع ہے کہ قبرستان بالخصوص شام کے بعد ہرگز محفوظ مقام نہیں رہتے کیونکہ اسی وہم کی بدولت فراری مجرموں اور بدمعاشوں کو ان میں خوب محفوظ امن اور جائے پناہ ملجاتی ہے۔ اور وہ اُن میں پناہ جالیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی طرف سے اکیلے دوکیلے مسافر یا راہرو کے ساتھ جو کچہہ سلوک ہو سکتا ہے اسکو بتانے کی کوئی احتیاج نہیں۔

لیکن اس تاریکی وحشت اور ویرانی کے باوجود یا شاید انہی باتوں کی طفیل ترکی قبرستان عیسائی قبرستانوں سے بدرجہا زیادہ دلچسپ اور خوشنما ہوتے ہیں۔ عیسائی قبرستانوں میں یادگاریں بالکل بے مذاق اور بھدی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ پہولوں کی چہوٹی چہوٹی کیاریاں قطعًا بے محل معلوم ہوتی ہیں۔ اور کتبے بہی ویسے پہیکے اور بے لطف ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر ترکی قبرستان ایک صاحب ہوش و ذکا کی نظر میں عیسائی قبرستانوں پر وہی فوقیت اور فضیلت رکھتے ہیں جو ہزاروں برسوں کے پرانے جنگل کو جس کے درخت آسمان سے باتیں کرتے ہوں۔ ایک چہوٹے سے باغ کے مالی کے لگائے ہوئے چہوٹے چہوٹے پودوں اور کیاریوں پر ہے۔ موجودہ زمانہ کی وہ صنعت جو مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ مجھے بہلی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ وہ بہی زمانہ کے فیشن کے ساتھہ ساتھہ بدلتی جاتی ہے۔ مسلمان اس غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ مردوں کی قبروں کو سجا سجا کر رکہنا اور قرینہ دار بنانا جس طرح کتب خانہ میں کتابیں فہرست کے مطابق عین سلسلہ وار جہاڑ پونچہہ کر رکہی جاتی ہیں مجہے تو یہہ بات پسند نہیں موجودہ مسیحی قبرستان کیا ہیں۔ اچھے خاصے تجارتی اور کاروباری دفتر ہیں کہ کوئی چیز قرینہ وسلیقہ کے بغیر نہیں۔ کیا ان لوگوں کی روحوں کو جو پرانے مذاق اور خیالات کے آدمی تہے ایسی جگہ کوئی آرام مل سکتا ہے ہم چینیوں کی طرح قبر اور بزرگ پرست نہیں۔ اور ہم میں سے جنکو آخرت اور عالم ثانی پر اعتقاد ہے وہ بخوبی

جانتے ہیں کہ راحت و آرام و جزا - یا عذاب و سزا روح کیلئے ہے نہ کہ جسم کیواسطے - تو کیا پہر اوس چیز کے
محفوظ رکھنے کے لئے جو بموجب اس اصول کے بالکل فضول اور بے کار شئے ہے - بڑی بڑی رقمیں صرف
کرنا حماقت اور سفاہت نہیں ہے ؟ کسی یورپین شہر میں مرکر زمانہ حال کی نئی بدعتوں صندوق ساز - مجاور
قبرستان - مرمری تعویذ بنانے والے - اور میونسپلٹی کی دستبرد اور لوٹ مار کا شکار بننے کی بجائے میں تو
اسے ہزار درجہ ترجیح دیتا ہوں کہ دیری سیاحت کرتے کرتے اگر موت آجائے تو زیر فلک کسی دامن کوہ پہ
لیٹ گئے - یا (بحری سفر میں موت آپہونچے تو) پاؤں میں وزن باندھ کر لاش کو سمندر میں پھینک دیا جائے -
یا نہایت درجہ خیر کسی قبرستان میں ہی زمین کہود کر دفنا دیا جائے - اور اوپر سے مٹی ڈال کر قبر کو بے نام
نشان چھوڑ دیا جائے - موت کیا اور یہہ تکلف کیا - لیکن میری نصیحت کون سنتا ہے - موت تو اول ہو
سب کو آئیگی - باقی رہی تدفین - وہ ہمیشہ قوموں کی اپنے اپنے مذاق پر منحصر رہیگی -

پیرا و غلطہ

اب تک میں نے پیرا و غلطہ اور اون گنجان آباد مضافات کا جو خلیج گولڈن ہارن
کی شمالی جانب میں ہیں بہت کم ذکر کیا ہے - اہالی جنوا کا یہہ پرانا شہر (غلطہ و پیرا)
قسطنطنیہ میں نہ پہلے کبھی شامل ہوا - نہ آیندہ کبھی ترکی دار الخلافہ میں فی الحقیقت داخل سمجھا جائیگا - وہ
ایک طرح سے شروع سے ہی علیحدہ آبادی چلی آتی ہے یہہ درست ہے کہ موجودہ سلطان المعظم
"بشکطاش" کے انتہائی سرے اور یلدیز کوشک میں جو ہمدہ باسفورس پر واقع ہے رہتے ہیں - اور جیسا کہ دنیا نے
ہوتا آیا ہے بادشاہ کی موجودگی کیوجہ سے اکثر بڑے بڑے امرا اور جلیل القدر اہلکار بھی اوسی نواح میں جا
بسے ہیں - مگر یہہ جگہ پیرا اور غلطہ سے پرے ہے - ان دونوں جگہ زیادہ تر عیسائی اور یہودی ہی جن میں بہت
سے یورپین ہیں آباد ہیں - اور اسی لئے وہاں کے بازاروں میں بہت کم شرقیت اور بنابریں بہت کم دلچسپی پائی
جاتی ہے یہہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ پیرا امرا اور متمولین کا محلہ ہے - یورپین سفرا موسم سرما میں اسی جگہ رہتے
ہیں - اور یہیں وہ یورپین صراف اور تاجر جن کا کام بن جائے اپنی رہائش کے لئے بدمعاشوں کے خرابات کے وسط
کے درمیان اپنے عالیشان اور پر تکلف محل بناتے رہتے ہیں - باقی رہا غلطہ - اوسے کل دنیا کی بدمعاشیوں
اور خرابیوں کے نچوڑ کا متعفن اور کہولتا ہوا چوبچہ سمجھنا چاہئے - میرا قیاس ہے کہ دنیا کے کسی اور شہر میں
ایسی سیاہ کار اور بد باطن آبادی نہیں پائی جائیگی جیسی کہ کنارہ آب یعنی قاسم پاشا سے لیکر توپخانہ
عامرہ (توپ ہانہ) تک کچھا کچھ بھری ہوئی ہے جس شخص کو مجرموں کے علم قیافہ کا شوق ہے - وہ اس

علاقہ کو اپنے مطالعہ اور علمی تحقیقات کیلئے نہایت مفید پائیگا۔ کیونکہ یہاں کے غلیظ بازار۔ زہر آلود
گلیاں۔ اور مسموم شراب خانے اوس قسم کے بدمعاشوں کے بدترین نمونوں سے جن کو مجبوراً مہذب
بدمعاش کہنا پڑتا ہے۔ ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔ یہہ ایسی حیثیت کے لوگ ہیں کہ بالائی محلہ پیرا کے
یورپین ہمیشہ اون سے خایف رہتے ہیں اور دوسری طرف (یعنی استنبول) کے ترک بالکل بجا طور پر
اون کو کمال نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں کے ارمنی اور یونانی باشندے جو ایک
طرح سے زیر زمین زندگی بسر کرتے ہیں طرح طرح کی بدمعاشیوں سے خوب پیسہ کماتے رہتے ہیں۔ مگر چونکہ
یہہ سب لوگ عیسائی ہیں۔ اور کسی نہ کسی یورپین سلطنت کی رعیت بن کر اوس کے سفیر کی پناہ میں رہتے
ہیں ترکی حکام اپنے ملک کی پولیٹیکل حالت کے لحاظ سے کسی بدمعاش کو گرفتار یا سزا دینے کی جراءت
نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ان لوگوں کی آزادی میں ذراسی بھی مداخلت کریں تو ممکن ہو کہ وہ حکومت جس کی
پناہ میں ہونیکا یہہ لوگ مدعی ہوں فی الفور اس امر کو وجہ مخاصمت اور جنگ کا بہانہ بنالے۔ غلطہ میں کوئی ایسا
شراب خانہ نہیں جس کے ساتھہ مکان کے پچھواڑے کسی خفیہ کمرہ میں قمار خانہ ہو۔ پیرا کے بھی چند
فیشنایبل مقبرہ اور معزز قہوہ خانے اس بدعت سے خالی نہیں۔ ان میں گول میز کے ذریعہ سے جوا کھیلا جاتا ہے
جس پر گھڑی کے ڈائل کی طرح نمبر اور سہی سوئی لگی ہوتی ہے۔ چکر میں دو جگہ صفر اور نو یا دس جگہ اعداد لکھے
ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نو وارد بفرض محال خوش نصیبی سے کچھہ جیت بھی لے تو کب یہہ ممکن ہے کہ وہ جیتی
ہوئی رقم کو اپنے ساتھہ لیجا سکے۔ ہر ایک قمار خانہ میں مصنوعی پولیس موجود ہوتی ہے۔ جو اشارہ پاتے
ہی فوراً اوس شخص کو کمرہ سے باہر نکلتے ہی لوٹ لیتی ہے۔ اور اگر ضرورت آپڑے تو اوس کو قتل کر دینے
سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

باقی رہا اسکودرہ جو باسفرس کے ایشیائی ساحل پر واقع ہے۔ اوس کا رنگ ڈھنگ بالکل ہی نرالا ہے
اس میں زیادہ تر ترک آباد ہیں عیسائی بہت کم ہیں۔ ناظرین سے ترکوں کا ایشیائی محض مخفی نہیں۔ مگر
دونوں بڑا عظموں کے محل اتصال پر اپنی اوصاف حمیدہ سے انہوں نے خاص امتیاز حاصل کر رکھا ہے۔
اسکودرہ کے کوچہ و بازار میں طمانیت اور سکون سا برستا ہے۔ دو طرفہ مکانات کی کھڑکیاں اور دیر
جالی دار ہیں جن سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ اون میں مسلمان آباد ہیں مکانات کی قطع وضع اور حیثیت
سے گو واضح ہوتا ہے کہ اون کے مالک چنداں خوشحال اور فارغ البال نہیں تاہم وہاں کچھہ ایسی خوشگوار

خاموشی اور باامنی پائی جاتی ہے کہ اسنبول کے بارونق اور پُر از ہجوم بازاروں اور غلطہ کے دماغ کو منتشر کر دینے والے خرابا تکدوں سے نکلکر طبیعت کو اسجگہ بہت فرحت اور راحت ملتی ہے۔ بازاروں میں خلقت کا بہت کم اژدحام رہتا ہے۔ اور ایسی گاڑیاں پُرانی قسم کی اور بہدی ہیں۔ بیلوں کے چھکڑے بہی بافراط ہیں۔ یہہ چھکڑے نیچلے اور لمبو سے پیچیے بہت بہدے اور ہوتے۔ اور اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ کنبہ کا کنبہ معہ کل اثاثہ گھنگران ہیں سما سکتا ہے۔ اور ایسا اکثر مشاہدہ میں آتا ہے کہ عورتیں اور بچے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوب پھنس کر اور کنبہ کا مالک عموماً گاڑی کے پیچے آلتی پالتی مار کر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ اوس کے چہرہ کا بشرہ اوس وقت بعینہٖ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایسے حالات میں یورپین خاندان کے بزرگ کا ہوتا ہے۔ یعنی تردد۔ تکان۔ آزردگی اور حجاب یہہ سب باتیں اوس بشرہ میں پائی جاتی ہیں۔ جو اہل مشرق کے متین و ثقہ چہروں پر ہرگز زیب نہیں دیتیں۔ مگر عورتیں جنکے نقاب استنبول کی عورتوں سے زیادہ دبیز اور نیچے ہوتے ہیں سفر کا بڑی دلچسپی سے لطف اوٹھاتے ہیں۔ اور راستہ میں ہر ایک چیز کو بڑے شوق سے دیکھتی جاتی ہیں۔ اور جس وقت کبہی یورپین کی ہلکی پھلکی گاڑی فراٹے بہرتی ہوئی اون کے پاس سے گذرتی ہے۔ تو وہ اچنبھے کی نگاہ سے اوسے تکتی رہتی ہیں۔ جوں جوں مضافات میں بڑہتے جاؤ۔ بیلوں کے چھکڑوں کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسکودرہ میں قابل دید چیزیں کوئی زیادہ نہیں۔ ہاں اگر تم وہاں کی عمودی پہاڑی پر چڑہنے کی تکلیف گوارا کرو تو اوس کی چوٹی سے تم چاروں طرف فی الواقع نہایت شاندار نظارہ کر سکو گے۔

قاضی کوئی

قصبہ قاضی کوئی جو قدیم قصبہ کالسیڈون کے موقع پر آباد ہے اسکودرہ سے بہت زیادہ دلچسپ ہے۔ اوس کا محل وقوع بہی نہایت خوشگوار اور خوشنما ہے۔ اور مزید برآن اوس میں ایک ترکی تھیٹر بہی ہے۔ کل قسطنطنیہ اور اوس کے قرب و جوار میں یہی ایک تھیٹر ہے۔ ناٹک گہر شہر کے پچھواڑے ایک عریض مرغزار کے سرے پر چوبی تختوں کی بہدی سی عمارت ہے پردے معمولی۔ موسیقی قابل نفرت اور تماشبین صرف مرد ہی مرد ہوتے ہیں۔ عورتوں کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ مگر اوس کا مالک اور مینجر ایک اعلیٰ پایہ کا ایکٹر (سوانگ بہرنیوالا نقال) ہے۔ وہ ٹھیٹھ ترک ہے اور اگر اوس کی پوری پوری سرپرستی اور معاونت کیجائے۔ تو اوس کا تھیٹر دنیا کے کسی اور تھیٹر سے کم نہ رہے۔ ہفتہ میں دو یا تین دفعہ تماشا ہوتا ہے۔ جو فقط دن کو کیا جاتا ہے۔ اور یہ نہیں کہ وقت مقررہ پر پردہ

اٹھاکر کھیل کو شروع کر دیا جائے۔ بلکہ سامعین ناظرین کی آسائش و فراغت کو وقت کی پابندی پر مقدم کیا جاتا ہے۔ عمارت کو چوبی ہے۔ مگر تمباکو نوشی کی کوئی ممانعت نہیں۔ سب سگرٹ پیتے رہتے ہیں۔ اور یہہ بتانیکی تو کوئی ضرورت نہیں کہ جہاں ترکوں کا کچھہ بھی مجمع ہو۔ وہاں قلفی بیچنے والے اور قہوہ فروش ضرور موجود ہونگے ناٹکوں کے محل وقوع عموماً وہ فرضی ایشیائی ممالک ہوتے ہیں جو قصہ کہانیوں میں مذکور ہیں۔ کھیل کی روح رواں صرف ایک ایکٹر ہے۔ جو ایسی عمدگی سے ایکٹ (کھیل) کرتا ہے کہ جو لوگ ترکی زبان نہیں سمجھتے وہ بھی عش عش کر اُٹھتے ہیں۔

تاسمی کوئی سے پرے بحیرہ مارموہ کے ساحل پر بھی جزائر شاہزادگان کے مقابل ایسا مقام ہے جو خوبصورتی اور خوشنمائی میں قرب جوار کے کل مقامات پر فضیلت رکھتا ہے۔ اُس کا نام "فنار باغچہ" (روشنی کے مینار کا باغ) ہے۔ یہہ خوبصورت جھنڈ ایک چھوٹی سی راس کے سمندر کی طرف کے انتہائی سرے پر واقع ہے اسکے شمشاد سینکڑوں زمانے اور انقلاب دیکھے ہوئے ہیں کبھی وہ دیبی ہیرا کے مندر پر سایہ فگن تھے۔ بعد ازاں قیصر جسٹینین کے تابستانی محل پر پرتو فگن رہے۔ اور اب اون خود رو اور جنگلی پھولوں پر سایہ ڈال رہے ہیں جو ان دونوں عمارتوں کے در و دیوار اور منہدم بنیادوں پر اُگے ہوئے ہیں۔ گرمی کی موسم میں یہاں ہر وقت سطح سمندر سے ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے۔ یونانی ماہیگیر اپنے جالوں کو خشک کرنے کے لئے دہوپ میں بچھا کر خود سایہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور ماہ ار کے مرغوب خاطر مقام مودا بورنو (راس مودا) اور اس مقام کے درمیان کی خلیج میں جو سر کند کی خلیج کہلاتی ہے چند چھوٹی بڑی تفریحی کشتیاں دکھائی دیتی ہیں۔

اس نواح کی قدر و منزلت دن بدن لوگوں کے دلوں میں بڑھ رہی ہے تا البستانی رہائش کیلئے اب اوسے زیادہ پسند کیا جانے لگ گیا ہے جس سے باسفرس کی قدر گھٹتی جاتی ہے اور اس طرف زمین کی قیمت روز بروز ترقی پر ہے۔ یہاں کی ہوا نسبتاً خشک ہے اور شام کو وہ سخت خنک ہوا نہیں ہوتی جو باسفرس کی طرف بحیرہ اسود سے آتی ہے۔ اس نواح کے ساحل میں صرف یہہ ایک نقص ہے کہ مودا بورنو اور فنار باغچہ ایسے متعدد موقعوں کے سوا درخت تقریباً ناپید ہیں۔

باسفرس

باسفرس کی مفصل کیفیت بیان کرنیکی اس مختصر سے رسالہ میں گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اوسکی خوبصورتی اور دلفریبی کے متعلق سیاحوں کی رایوں میں بہت اختلاف ہے میرے نزدیک تو وہ خلیج نیپلز (اٹلی) یا کریمیا کے جنوبی ساحل سے لگا نہیں کہاتی۔ ایک ناقد شناس امریکن سیاح

مجھہ سے بہی بڑھہ گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بوغز النیلؔ کی خلیج کو مواور باسفرس میں صرف یہہ فرق ہے کہ پہلی
چوڑی زیادہ ہے۔ اور آخر الذکر تار کی طرح لمبی کھنچی ہوئی ہے۔ ایس میں اس نے گو بہت مبالغہ سے کام
لیا ہے۔ مگر یہہ بیان صداقت سے بالکل معرا نہیں۔ یہ دیپی اور اناطولی حصاروں (یعنی یورپین و ایشیائی
قلعوں) کے گرانڈیل برج جن قلعوں کو محمد ثانی نے تعمیر کرایا تہا۔ بیشک نہایت پُر جلال عظیم الشوکت
اور خوشنما ہیں۔ اور اون کے درمیان باسفرس کی دہار ایسی تیزی سے بہتی ہے کہ اوس کا نام ہی
"شیطان کی دہار" پڑ گیا ہے۔ مگر باسوا ارزیں اسکودرہ سے لیکر بحیرہ اسود کے دہانہ تک اس آبنا پر کوئی
چیز ایسی نہیں پائی جاتی جسے شاندار اور عظیم الشوکت کہا جا سکے۔ اس کے دونوں ساحل دیہات بنگلوں اور
دولمہ باغچہ و بیکلر بک آیسے عالیشان سلطانی محلات سے لیکر غریب نادار ماہیگیروں کی بے حقیقت جہونپڑیوں
تک جو اناطولی قواق کے پاس ہیں ہر حیثیت اور ہر قسم کی عمارتوں سے معمور ہیں۔ کچھہ عرصہ گذرا ہے کہ تب
تک باسفرس وزراء سلطنت سفراء دول اور متمول یونانیوں کی مرغوب دلپسند تابستانی رہائشگاہ تہی۔
موسم گرما میں یہہ سب وہیں رہتے تہے۔ مگر جیسا کہ اوپر لکھہ چکا ہوں اب اوسکی قدر گھٹتی جاتی ہے۔ اور امراء و
متمولین مودا اور نوا اور جزائر شاہزادگان کو زیادہ پسند کرنے لگ گئے ہیں۔ تاہم یہہ آبنا بجائے خود خوبیوں
سے خالی نہیں اور یہ خوبیاں اور دلفریبی صرف اوسی کا حق ہیں۔ دونوں طرف کی پست قامت پہاڑیوں کے
نشیب فراز باغات سے ڈہنپے ہوئے ہیں۔ اکثر عمارات عین برلب آب واقع ہیں۔ اور خود سطح آب ہر وقت
گوناگوں کشتیوں اور جہازوں سے پٹی رہتی ہے۔ دیہات عموماً یکساں وضع کے ہیں۔ مگر بعض بعض
مقام مثلاً درہ آب نیلی۔ نہر اپیا۔ بیوک درہ۔ اور وادی گلاب۔ خاص حسن و ملاحت رکہتے ہیں۔ درہ آب نیلی
میں جسے یورپین "ایشیا کا آب شیریں" کہتے ہیں۔ یورپ کے "آب شیریں" یعنی کاغذ خانہ (بلفظ کیات آ)
کی طرح اکثر ترک جمعہ کے سہ پہر کے وقت زن و فرزند کل کنبہ سمیت تفریح کے لئے جاتے ہیں اور
اوس کے خوشگوار سایہ میں برلب دریا سگرٹ و قہوہ کا مزہ اڑاتے ہیں بلغراد کا مشہور پر فضا جنگل بیوک
درہ (وادی کلاں) سے ہی شروع ہو کر میلوں چلا جاتا ہے اور آخر بحیرہ اسود کے سواحل پر ختم ہوتا ہے۔
اس جنگل میں کئی نہایت عمدہ سڑکیں مختلف اطراف کو جاتی ہیں۔ اور بیک ڈنڈیاں تو بیشمار ہیں۔ ان میں سے
سوار کسی پر موسم گرما کی سہ پہر کو خواہ تیس میل چلا جائے۔ درختوں کا سایہ کسی جگہ بہی اوس کے سر سے
دور نہ ہوگا۔ جو انسان اجتماع ضدین۔ دہوپ سایہ۔ پست و بلند۔ نور و ظلمت۔ ویرانی و رونق وغیرہ وغیرہ

دیکھنے کا مشتاق ہو۔ اس سیر سے اوس کا یہہ اشتیاق بہی پورا ہو جائیگا۔

فرض کرو کہ اس سیر کیلئے تم اپنے ہوٹل (واقع بقراپیا) سے چار بجے گہوڑے پر سوار ہوتے ہو۔ سوار ہوتے ہی تمہیں قریبًا قریبًا اپنے گرد و پیش یہہ سمان دکہائی دیگا۔ کہ بیوک درہ کی گہاٹ پر انبوہ جمع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ کچہہ سٹیمر بیلیا پر کو آ رہے اور کچہہ وہاں سے واپس جا رہے ہیں۔ سفید پوش قائقچی مسافروں کو قابو کرنیکے لئے اپنی اپنی کشتیوں پر مستعد بیٹھے ہیں۔ ایرانی تاجر سودا سلف لگانے کیلئے درختوں کے نیچے اپنے اپنے قالین بچھا رہے ہیں۔ بارہ چودہ ترکی سائیس اپنے اپنے مالکوں کے تیز و طرار گہوڑوں کو جن پہ زینیں کسی ہوئی ہیں لئے ہوئے اِدھر اُدھر ٹہل رہے ہیں۔ بازاری حجام سایہ دار گوشہ میں ایک ملاح کی حجامت کر رہا ہے۔ اور قفلی فروش "دوندرمہ قیماق" کی آواز لگا رہا ہے۔ اُدھر ساحل سے پرے تین یا چار بادبانی کشتیاں لہر اور ہوا کا مقابلہ کرتی ہوئیں آہستہ آہستہ سطح آب پر تیرتی جا رہی ہیں۔ ان پر کوئی سفیر سوار ہونگے جنکو بیکار بیٹھے ہوئے تعنہ و شرارت کی کہچڑی پکاتے رہنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ ادھر گلاب کی بھینی بھینی خوشبو روسی سفارت خانہ کے باغ کی پہاڑیوں سے نکلکر دماغ کو معطر کئے دیتی ہے چند لمحوں میں تم ان سب چیزوں کو پیچہے چہوڑ جاتے ہو اور پہر ساتہہ ہی کچہہ چہوٹے سے بازار میں جس کے دونوں طرف قصابوں نانبائیوں اور غلہ فروشوں کی دوکانیں ہیں گذر کر وسیع میدان میں پہنچ جاتے ہو۔ یہاں سے تم کچہہ دیر دائیں ہاتہہ کو وادی میں اوپر کو بڑہتے جانیکے بعد اس سرسبز جنگل میں داخل ہو جاتے ہو۔ اور استنبول۔ باسفرس۔ یونانی۔ ترک۔ ارمنی اور سفرا سب پیچہے چہوٹ جاتے ہیں۔ وہ سب حرف غلط کی طرح تمہارے دماغ سے محو ہو جاتے ہیں۔ اور تم خدای کائنات کی قدرتی صنایع و بدایع کے تماشہ میں مستغرق ہو جاتے ہو۔ اب اگر تم برابر بڑہے جاؤ تو شام کے قریب آخر تک سنسان دلدل کے کنارہ پہونچ جاؤ گے جو بیلگی کی عمودی چٹانوں پر جاکر ختم ہو جاتی ہے۔ اور پہر ان چٹانوں سے سمندر کی لہریں ٹکرا رہی ہیں۔ تم چاہو تو یہاں گہوڑے سے اُتر پڑو۔ اور ان کھنڈرات کے قریب جو کسی وقت جلاوطن "اووڈ" کا مسکن تہے کہڑے ہو کر بحر بے پایان (یعنی بحیرہ اسود) کی موجوں کا جو ڈوبتے ہوئے سورج کی ترچھی کرنوں سے سنہری مایل ہو رہی ہیں نظارہ کرو۔ اور اوس وقت غالبًا تمہارا تصور اوس تمام سرزمین (یعنی علاقہ کوہ اُشارات کوہستان آرمینیا و قفقاف) کی طرف بہی جا دوڑیگا جو اوس موقعہ سے جہاں تم کہڑے ہو گے کوئی بہت دور نہیں۔ اور جو اون پہلی اور بڑی قوموں کا گہوارہ رہ چکی ہے جو دنیا کی سب سے بڑی استخوان تنازعہ قسطنطنیہ پر لڑتی۔ اور لڑ رہی اور ابہی اور صدیوں تک لڑتی رہینگی +

تمام شد

ہرزی گوینا سامُوس اور قبرص کے تمدن تجارت۔ بری بحری طاقت تعلیم۔ ریلوے۔ تفریحات۔ قومی صنعت وحرفت زراعت مردم شماری رقبہ۔ طرز وآئین حکومت اور موجودہ پولیٹیکل حالت پر بحث کی گئی ہے۔ نہایت جامع کتاب ہے ڈمی کاغذ پر بہت خوشخط چھاپی گئی ہے قیمت عہ۔

تاریخ خاندان عثمانیہ مصنفہ مولوی محمد انشاء اللہ صاحب جس میں ابتدائی خاندان سے لیکر حضرت سلطان المعظم کی تخت نشینی تک کے حالات درج کرکے سلطنت عثمانیہ کی عروج اور تنزل کی اسباب اور یورپ وٹرکی کے باہمی تعلقات شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اسکی دو جلدیں ہیں قیمت فی جلد (عا)

محاربات پلیونا۔ یہہ کتاب ایک انگریز نوجوان نے جو ۱۸۷۷ء میں سترہ برس کی عمر میں بطور والنٹیر عساکر عثمانیہ میں داخل ہوکر غازی عثمان پاشا شیر پلیونا کی ماتحت پلیونا کی قیامت تک یاد رہنے والے معرکوں میں شریک رہا تہا۔ ۱۸۹۵ء میں بزبان انگریزی تحریر کی تہی۔ اس کتاب کا ترجمہ مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار انعام آباد نے ابناء ملک کو ان معرکوں کے مفصل حالات سے آگاہ کرنیکے لئے اردو زبان میں کیا ہو اور حسب ضرورت جابجا مفید حواشی بہی شامل کردیئے گئے ہیں اور پلیونا کی چاروں محاربوں کے رنگین نقشے بہی دیدیئے ہیں۔ تین حصوں میں قیمت فی حصہ عہ ر

فیوچر آف اسلام یعنی اسلام کی حالت مستقبلہ۔ یہہ کتاب مسٹر ولفرڈ بلنٹ نے جو اکثر بلاد اسلامی اور ہندوستان کی سیاحت کرچکے ہیں بظاہر مسلمانوں کی بہتری کے خیالات سے تحریر کی تہی مگر دراصل اونکا مدعا عثمانیہ خلافت کو ضعف پہنچانیکا تہا لیکن ہمارے خلیفۃ المسلمین کے اوصاف حمیدہ ایسے ہیں کہ اس قسم کی بری نیت رکہنے والا شخص بہی اونکا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کتاب کا ترجمہ کردینا جبتک کہ مصنف کے خیالات و آراء فاسدہ کی ساتھ ساتھ تردید نہ کیجائے صرف نامناسب ہی نہیں بلکہ سخت مضر ہو اسلئے مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار انعام آباد نے اس کمی کو پورا کرنیکے لئے کتاب ہذا کا اردو ترجمہ کرکے مسٹر بلنٹ کی ظاہری ہمدردی کی بخوبی قلعی کہولدی ہے اور جہاں کہیں ضرورت تہی حواشی میں اوسکی تحریر کی تردید بہی کردی ہے۔ زیر طبع ہے
قیمت عا ر

رسم سلاملق۔ اعلیحضرت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین خادم الحرمین الشریفین سلطان عبد الحمید خان ثانی الغازی ایدہ اللہ بہ الدین کے ہر جمعہ کو نماز دوگانہ ادا فرمانے کے لئے بجلوس شاہانہ محل ہمایون سے جامع مسجد حمیدیہ کو تشریف لیجانے کی تصویر ہوتی ڈمی کاغذ پر ۲۰ انچہ لمبی ۱۸ انچہ چوڑی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

درخواستیں بنام مینیجر اخبار وکیل بھیجی جائیں